نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۹	بیان الکتاب	۱۷
۱۰	بیانِ الجنّتہ	۱۹
۱۱	بیان النّار	۲۲
۱۲	بیان لقآءِ اللہ	۲۶
۱۳	حقیقتِ قیامت	۲۹
۱۴	نفخ صور	۳۰
۱۵	موت وحیات	۳۱
۱۶	آسمان وزمین کے معنیٰ	۳۲
۱۷	شمس و قمر کا مقصود	۳۴
۱۸	مظاہر الٰہی کی سلطنت	۳۵
۱۹	قیامت میں حساب دکتاب	۳۶
۲۰	ظہور اللہ و لقآءِ اللہ	۳۶

باب دوم

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۲۱	قیامت کی حقیقت کا ثبوت قرآن مجید سے کہ پیغمبر خدا کا قیام قیامت ہے جس کے ذریعے نئی امت قائم ہوتی ہے	۴۰
۲۲	ہر شخص موت کے بعد اپنی جزا سزا پالیتا ہے	۴۷
۲۳	امت کی حیات بعد الممات نئے پیغمبر کے ذریعے ہوتی ہے	۵۰
۲۴	ظہور حق سے محجوب مردے اور اہلِ قبور ہوتے ہیں	۵۳

صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار
۵۶	قوم کی بعث بعد الموت اور "نشاۃ آخرۃ" نئی زندگی کی پکار	۲۵
۶۱	قیامت پر ایک دل نشین نظم	۲۶
۶۸	رسولؐ کے ذریعے قوم نئی زندگی پاتی ہے	۲۷
۷۳	قومیں کس طرح مرتی ہیں؟	۲۸
	باب سوم	
۸۲	کیا قیامت کے دن عالم فنا ہو جائیگا؟	۲۹
	آیاتِ مبارکہ کے ذیل کے حقائق و معانی	
۸۴	"کلّ شیئٍ ھالکٌ الّا وجھہٗ"	
۹۰	"کلّ من علیھا فانٍ"	
۹۲	کیا قیامت کے دن زمین ٹوٹ جائیگی اور پہاڑ اُڑ جائینگے	۳۰
″	"اذا دکّت الارض دکًّا"	
۹۴	"صعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض"	
۹۶	"لمن الملک الیوم"	
۹۷	"بسّت الجبال بسًّا"	
۹۸	"النار یُعرضون علیھا"	
۱۰۰	"من ورآئھم برزخ"	
	جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فنائے عالم قیامت نہیں	
۱۰۵	کیا مُردے مٹی کی قبروں سے جی اٹھیں گے۔	۳۱

باب اوّل

کتاب اللہ البیان سے چند اقتباسات

الباب السابع من الواحد الثانی

فی بیان یوم القیٰمۃ

ملخص ایں باب آنکہ مراد از یوم
قیامت یوم ظہور شجرۂ حقیقت است
و مشاہدہ نمی شود کہ احدے از شیعہ
یوم قیامت را فہمیدہ باشد۔ بلکہ ہمہ
موہومات امرے را توہم نمودہ کہ عند اللہ
حقیقت ندارد و آنچہ عند اللہ و عند عرف
اہلِ حقیقت مقصود از یوم قیامت است
این است کہ از وقت ظہور شجرۂ حقیقت
در ہر زمان بہر اسم الیٰ حین غروب آں

دوسرے واحد کا ساتواں باب

روزِ قیامت کا بیان

اس باب کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ
روزِ قیامت سے مراد شجرۂ حقیقت کے
ظہور کا دن ہے۔ اور شیعوں میں کوئی
بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو یوم قیامت
کو سمجھا ہو۔ بلکہ سب نے بیہودہ وہمی
باتوں کو مان رکھا ہے جن کی خدا کے نزدیک
کوئی حقیقت وقعت نہیں اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں
قیامت سے مراد یہ ہے۔ کہ شجرۂ حقیقت
(یعنی پیغمبر) جب کبھی اور جس نام سے بھی

یوم قیامت است ۔ مثلاً از یوم بعثت
عیسیٰ تا بعد عروج آن قیامتِ موسیٰ
بود ۔ که ظهور الله در آن زمان ظاهر بود۔
بظهور آن حقیقت که جزا داد هر کس را
که مؤمن بموسیٰ بود بقولِ خود و هر کس
مؤمن نبود جزا داد۔ بقولِ خود زیرا که ما
شهد الله در آن روز ما شهد الله فی الانجیل
بود و همانا یوم بعثت رسول الله تا یوم
عروج آن قیامتِ عیسیٰ بود۔ که شجرهٔ حقیقت
ظاهر شده در هیکل محمدیه و جزا داد هر کس
که مؤمن بعیسیٰ بود و عذاب فرمود۔
بقول خود هر کس که مؤمن بآن نبود ۔ و از
ظهور شجرهٔ بیان الی ما یغرب قیامت
رسول الله هست که در قرآن خداوند
وعده فرموده که اول آن بعد از
دو ساعت و یازده دقیقه از شب
پنجم جمادی الاول سنه ۱۲۶۰ ھ که ۱۲۷۰ ھ
بعثت مے شود۔ اول یوم قیامتِ
قرآن بوده و الی غروب شجرهٔ حقیقت

آئے۔ اُسکے اظہارِ ماموریت سے وفات تک
زمانہ قیامت ہے۔ مثلاً عیسیٰ کی بعثت
سے وفات تک موسیٰ کی قیامت تھی کیونکہ
اُس وقت خدا کا ظہور عیسیٰ کے ہی ذریعے
ظاہر ہو رہا تھا۔ اُس پر اُس شخص کو
اپنے فرمان کے ذریعے جزا دی۔ جو موسیٰ کا
مؤمن تھا۔ اور جو موسیٰ کا منکر تھا اسے بھی اپنے
فرمان سے سزا دی کیونکہ اس زمانے میں خدا
کی شہادت وہی تھی۔ جو خدا نے انجیل کے ذریعے
دی تھی۔ اور اس طرح رسول اللہ کی بعثت کے
دن سے وفات کے دن تک عیسیٰ کے دور کی
قیامت تھی۔ اسلئے کہ شجرۂ حقیقت ہیکل محمدی
میں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے عیسیٰ کے ماننے
والوں کو جزا دی۔ اور جو عیسیٰ کو نہ مانتے تھے۔
انہیں اپنے فرمان کے ذریعہ سزا دی۔ اور اب
شجرۂ بیان (حضرت باب) کے وقت ظہور سے
وفات تک رسول اللہ کے دور کی قیامت ہے
جس کا وعدہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے
یہ قیامت سنہ ۱۲۶۰ ھ یعنی سنہ ۱۲۷۰ بعثت نبویؐ

قیامتِ قرآن است - زیرا کہ شئے
تا بمقام کمال نرسد - قیامت او
نمی شود - و کمالِ دینِ اسلام الی
اول ظهور منتهی شد - و از اول
تا حین غروب اثمار شجرۂ اسلام آنچہ
هست ظاهر می شود و قیامتِ
بیان در ظهورِ من یظهره الله است -

ظهور قائم آل محمد بعینہ همان
ظهور رسول الله است - ظاهر نمی شود
الا آنکه اخذ ثمرات اسلام را از آیات
قرآنیہ کہ در افئدۂ مردم غرس فرموده نماید -
و اخذ ثمرۂ اسلام نیست الا ایمان باو - و
اول این ظهور تا ظهور من یظهره الله راجع
می شود ثمرۂ او بقیامت اُخریٰ کہ در
ظهور اوست

کے ماہ جمادی الاول کی پانچویں رات کے
دو گھنٹے اور ۱۱ منٹ گذرنے پر شروع ہوئی یہ
قیامتِ قرآن کا پہلا دن ہے - اور شجرۂ حقیقت
کے غروب (یعنی حضرت باب کی وفات) تک
قیامت قرآن ہے کیونکہ جب تک کوئی چیز
اپنے کمال کو نہیں پہنچتی اُس کی قیامت نہیں
ہوتی - اور دینِ اسلام کا کمال اُس وقت ہو گیا
جب یہ ظہور (حضرت باب) شروع ہوا اور اس
شروع سے وفات تک شجرۂ اسلام کے پھل ظاہر
ہو جائینگے - اسی طرح بیان کی قیامت من یظہرہ
اللہ (یعنی حضرت بہاء اللہ) کے ظہور میں ہو گی -

قائم آل محمد کا ظہور بعینہ رسول اللہ کا ظہور
ہے - یہ اسی لئے ظاہر ہوا ہے کہ آیاتِ قرآن کے
ذریعے جو شجر اسلام لوگوں کے دلوں میں بویا گیا
تھا - اس کے پھل حاصل کرے اور اسلام کا
پھل حاصل کرنا یہی ہے کہ قائم پر ایمان لایا جائے
اور اس ظہور کے شروع سے ظہور من یظہر اللہ
تک کا پھل دوسری قیامت میں حاصل کیا جائیگا
جو من یظہر اللہ کے ذریعے قائم ہو گی -

و حال کہ یوم قیامت است محل فصل القضاء در این جبل است

اور اب جبکہ روز قیامت ہے فیصلے کرنے کا مقام اس کوہ (ماکو) میں ہے (جہاں کلام خدا کے ذریعہ فیصلے نازل ہو رہے ہیں۔

الباب الثامن من الواحد الثانی

فی بیان حقیقة الموت بانہ حق

ملخص این باب آنکہ اللہ برائے موت اطلاقات، مالانہایہ لہا لانہایہ عنداللہ ہست آنہ غیر او کسے محصی نیست و یکے ازاں اطلاقات در در عرف ظاہر موتی است۔ کہ کل ادراک مینمایند۔ کہ آن حین قبض روح انسانی است و بہر اطلاقیکہ عنداللہ موت اطلاق شود حق است و آنچہ کل مکلف ہستند بہ اقرار بانیکہ حق است نہ این موت معروف نزد خلق است۔ بلکہ آن موت نزد ظہور شجرۂ حقیقت است

دوسرے واحد کا آٹھواں باب

حقیقت موت کا بیان

اس اقرار کے معنی کہ موت حق ہے

اس باب کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک موت کے اطلاق اتنے بہت سے ہیں، کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان اطلاقوں میں سے ایک اطلاق ظاہری اصطلاح میں وہ موت ہے۔ جسے سب سمجھتے ہیں۔ جو انسان کی قبض روح کے وقت واقع ہوتی ہے۔ اور خدا کے نزدیک جس اطلاق سے بھی موت کا ذکر ہو وہ اطلاق اپنی جگہ درست ہے۔ اور یہ جو سب لوگوں پر فرض کیا گیا ہے۔ کہ وہ موت کے حق ہونے کا اقرار کریں۔ اس جگہ موت سے وہ موت مراد نہیں جو عام لوگوں میں مشہور ہے بلکہ اس جگہ موت سے مراد یہ ہے کہ انسان ظہور شجرۂ

ان ماء دون آن ......
و جوہر مطلب آنکہ ہر مشیت او
نباشد الا مشیت من یظہرہ اللہ۔
و ارادۂ او الا ارادۂ او و قدر او
الا قدر او و قضاء او الا قضاء او
و اذن او الا اذن او و اجل او
الا اجل او و کتاب او الا کتاب
او آن وقت او را یک موت نمودہ
زیرا کہ مشیت او ذات مشیت اللہ
و ارادۂ او ذات ارادۃ اللہ است و قدر
او ذات قدر اللہ و قضاء او ذات
قضاء اللہ و اذن او ذات اذن اللہ
و اجل او ذات اجل اللہ و کتاب
او ذات کتاب اللہ۔ چنانچہ در
نقطۂ بیان ہر کس میت شد
اقرار کرد باین کہ موت حق است...
و این موتی است کہ در یوم قیامت
نفع می بخشد کل را۔ بعد از آن تا برزخ
الی ان یطلع اللہ شمس الحقیقۃ و انما المراد

حقیقت کے روبرو اس کے ماسوا ہے بالکل مر جائے۔
جوہر مطلب یہ ہے۔ کہ انسان کی مشیت وہی رہ
جائے۔ جو من یظہرہ اللہ کی مشیت ہے۔ اس کا
ارادہ من یظہرہ کا ارادہ ہو جائے۔ اس کی قدر
من یظہر اللہ کی قدر اس کی قضا من یظہر اللہ کی قضا
اس کا اذن من یظہر اللہ کا اذن۔ اس کی اجل
من یظہر اللہ کی اجل اس کی کتاب من یظہر اللہ کی
کتاب ہو جائے۔ اس وقت انسان موت کو پاتا
ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اس کی مشیت خدائی
مشیت ہے۔ اس کا ارادہ خدائی ارادہ ہے۔ اسکی
قدر خدائی قدر ہے اس کی قضا خدائی قضا ہے
اس کا اذن خدا کا اذن ہے۔ اس کی
اجل خدائی اجل ہے۔ اس کی کتاب خدائی
کتاب ہے۔ چنانچہ جو شخص نقطۂ بیان
میں مر گیا۔ محو ہو گیا اس نے اقرار کر لیا۔
کہ موت حق ہے۔ ......
اور یہ ہے وہ موت جو قیامت کے دن
سب کو نفع دیتی ہے۔ اور قیامت کے بعد
برزخ میں یہانتک کہ خدا آفتاب حقیقت کو طلوع کرے

بالبرزخ بین الظہورین لا ما ہو المعروف
بین الناس بعد موت اجساد ہم
....

و ہر گاہ کسے در بحر موت سیر
نماید عجائب مالا نہایہ بما لا نہایہ
بملاحظہ می نماید مثلاً اگر در زمان رسول
خدا کسی میت شدہ بود میدید کل شیونی
کہ بمن لم یومن بمحمد راجع می شود از عالم تجرد
گرفتہ تا عالم تحدد نفی محض و
نار جحیم است و کل شیونیکہ
بمن یومن بمحمد راجع مے شود از
عالم تجرد الی منتہی التحدد از شیون
شجرۂ اثبات و جنت نبوت بودہ
و اول میت نبودہ و ثانی میت
بودہ و اول چونکہ میت نشدہ
فانی شدہ در نفی و ثانی چونکہ
میت شدہ باقی ماندہ در اثبات

اور برزخ سے مراد دو ظہوروں کے درمیان کا زمانہ
ہے۔ نہ کہ وہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ جسمانی موت
کے بعد ہوتا ہے۔

اور جب کوئی دریائے موت میں سیر
کریگا۔ بے شمار عجائب دیکھے گا
مثلاً جو کوئی رسول خدا کے زمانے میں مردہ
ہو جاتا تھا۔ تو وہ دیکھتا تھا۔ کہ محمدؐ پر ایمان
نہ لانے والوں کے کل حالات عالم تجرد سے
عالم تحدد تک سب کے سب سراسر نفی اور
نار ہی نار ہیں اور محمدؐ پر ایمان لانے والوں کے تمام
واحوال عالم تجرد سے عالم تحدد تک سب کے
شجرۂ اثبات اور جنت نبوت کے شیؤں و احوال
ہیں اور اول الذکر یعنی منکر محمدؐ حق میں فنا نہ ہوا اور ثانی
الذکر یعنی مومن محمدؐ حق میں فانی اور محو ہو گیا تھا۔
اور اول الذکر چونکہ حق میں فانی نہیں ہوا تھا۔
اسلئے نفی میں فنا ہو گیا۔ اور ثانی الذکر چونکہ حق
میں فانی ہو گیا۔ اسلئے اثبات میں باقی رہا۔ اور
حیات ابدی حاصل کی۔

الباب التاسع من الواحد الثانی

فی بیان حقیقة القبر

مخلص این باب آنکه از برائے هر روحی قبرے در حد امکنه خود مقدر و کل منتهی می گردد. در حین ظهور من یظهره الله بنفسیکه بعث او بعث کل می شود و حشر او حشر کل و خلق او خلق کل و خروج او خروج کل از قبر خود چنانچه در نقطه بیان حینیکه مظهر الوهیت بعث رسول الله را از نفس او فرمود و بعث آنچه در ظل او محشور می شود نزد بعث او می شود.... و همیں که حکم بعث بر رسول الله شد بمتابعین او بطریق اولی خواهد شد.

و هیچ نفس مومنی نیست که روح او قبض شود الا آنکه قبر او روضه

دوسرے واحد کا نواں باب

قبر کی حقیقت

اس باب کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہر روح کے لئے اپنے اپنے مقام پر ایک قبر مقرر ہے۔ اور ظہور من یظہرہ اللہ کے وقت سب کے سب اس نفس پر منتہی ہو جاتے ہیں۔ جس کی بعثت سے سب کی بعثت ہوتی ہے۔ جس کے حشر سے سب کا حشر ہوتا ہے۔ جس کا خروج سب کا اپنی قبر سے نکلنا ہوتا ہے۔ چنانچہ نقطۂ بیان میں یہی ہوا جبکہ مظہر الٰہی نے اپنے ظہور سے رسول اللہ کی بعثت نقطہ بیان کے نفس میں نمودار فرمائی۔ اور جو کچھ رسول اللہ کی ظل میں محشور ہو رہا تھا۔ وہ اب نقطہ بیان کے ظہور میں محشور ہو رہا ہے۔ اور جبکہ رسول اللہ کی بعثت کہی گئی۔ تو رسول اللہ کے ماننے والوں پر بطریق اولی بعثت کا حکم لگیگا۔

اور کوئی مومن نہیں ہے۔ جس کی روح قبض ہو مگر یہ کہ اس کی قبر جنت کے باغیچوں میں

می شود اندر ریاض جنت خلد۔ و آنچه دوست دارد نمایند۔ در او خلق فرموده ونزد او مهیا است وهمچنین هیچ نفسے نیست که مومن به بیان نباشد الا آنکه قلم طاقت ندارد آنچه بر او میرسد از نقمت الهی عز و جل۔

سے ایک باغیچہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ مومن جو کچھ لیپنا کرتا ہے۔ خداوند عالم اُس کے لئے وہی بیا اور مہیا فرما دیتا ہے۔ اور اسی طرح جو کوئی نہیں ہے۔ جو کتاب بیان پر ایمان نہیں رکھتا۔ مگر یہ کہ قلم میں بیان کی طاقت نہیں کہ اس پر خداوند عز و جل کی طرف سے کیسا عذاب نازل ہوتا ہے۔

الباب العاشر من الواحد الثانی

فی بیان سؤال الملائکة فی القبر

ملخص این باب آنکه در یوم قیامت مؤمنین بمن یظهره الله از مردم سوال می کنند که دین شما بچه چیز ثابت است۔ جواب می گویند بحجیت بیان و اگر آن روز مومن هستند بآیت الله جواب ملائکه را بحجیت خداوند قبل نازل فرموده۔ و تعلیم ایشان

دوسرے واحد کا دسواں باب

قبر میں فرشتوں کا پوچھ گچھ کرنا

اس باب کا جوہر مطلب یہ ہے۔ کہ یوم قیامت میں من یظہرہ اللہ کے ماننے والے لوگوں سے پوچھ گچھ کریں گے۔ کہ تمہارا دین کس دلیل سے ثابت ہے۔ لوگ جواب دیں گے۔ کتاب بیان کی حجت سے ہمارا دین ثابت ہے۔ اگر اُس دن لوگ مومن ہوں گے تو آیات اللہ پر فرشتوں کے سوال کا جواب اس حجت سے دیں گے۔ جو خدا نے پہلے نازل فرمائی تھی۔ اور اُن کو سکھائی تھی۔

نمودہ میبہند والاّ حجۃ اللہ بر
ایشاں بالغ می شود و چون
ایمان نیاوردہ کلمۂ نقمت در
حق ایشان ثابت می گردد
و آنچہ در این قبر حکم او شود
در قبر جسدی راجع بادمی گردد
اگر مومن است روضۂ الیست
از ریاض جنت و اگر دون مومن
است مقعدی است از مقاعد
نار چنانچہ در حین حیات ہم در
نزد اولو العلم حکم ہمان است۔
اگر مومنے بر ارض تراب نشنید
آں قطع از قطع رضوان میگردد
در یوم قیامت باذن اللہ عز و
جل والاّ ارض نار می گردد۔
بامر خداوند عز و جل

اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔ تو ان
پر حجۃ اللہ پوری ہوئی۔ اور بجز دیکہ ظہور حق پر
ایمان نہیں لائے۔ خدا کا فرمان عذاب ان
کے حق میں ثابت ہو جاتا ہے۔
اور جو کچھ حکم اس قبر میں ہوتا ہے۔ وہی
حکم مٹی کی قبر میں اُن لوگوں کی طرف راجع
ہوتا (یعنی) اگر مرنے والا مومن ہے۔ تو
اُس کی قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک
باغیچہ ہے اور اگر مومن نہیں ہے۔ تو اس کی
قبر نار کے مقامات میں سے ایک مقام ہے
چنانچہ علم حق رکھنے والوں کے نزدیک۔ غیر مومن
کی زندگی میں بھی اس کیلئے وہی فیصلہ ہے
جو اس کی موت کے بعد ہے۔ یعنی اگر مومن کسی
تودہ خاک پر بھی بیٹھتا ہے۔ تو خداوند عز و جل
کے حکم سے یوم قیامت میں وہ مقام جنت
رضوان کا ایک قطع ہو جاتا ہے۔ ورنہ نار کی
زمین بن جاتی ہے۔

الباب الحادی العشر من الواحد الثانی

فی بیان ان البعث حق

ملخص این باب آنکه کل را خداوند خلق فرموده بآنچه در کتاب خود نازل فرمود از ارواح علیین که متعلق بحرو‌ف آنها است. و دون آنها که متعلق بحروف آنها است...
اگر در علیین است بذکر حق واگر دون علیین است بدون او زیرا که آنچه در قرآن رسول خدا قرار داده کل بآیات اللہ قائم است همین قسم امروز که روز بعث قرآن است کل بامر اللہ مبعوث و قائم می شود و کل ما علی الارض بین یدی اللہ است و بعث کل بر جوهر کل می شود چنانچه خلق کل بر نفس واحد می شود چنانکه نفس واحده بعث می شود کل

دوسرے واحد کا گیارھواں باب

یہ بیان کہ بعث حق ہے

اِس باب کا مقصد ہے کہ خداوند عالم نے سب لوگوں کو دو قسم کی مخلوق بنایا ہے۔ جو امر اُس نے کتاب میں نازل فرمایا ہے اس کے ذریعہ ارواح علیین پیدا ہوئیں۔ جو اپنے حروف واشخاص سے متعلق ہیں۔ اور ارواح غیر علیین یعنی ارواح سجین پیدا ہوئیں جو اپنے حروف اشخاص سے تعلق رکھتی ہیں... جو علیین کے لوگ ہیں وہ خدا کے ذکر کے وسیلے پیدا ہوئے ہیں۔ اور غیر علیین والے غیر اللہ کے ذریعے پیدا ہوئے کیونکہ جو کچھ قرآن میں رسول اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ وہ سب آیات الٰہی سے قائم ہے۔ یونہی آج بھی جبکہ قرآن کی بعث کا زمانہ ہے۔ سب کے سب لوگ امراللہ سے قائم ومبعوث ہو رہے ہیں۔ اور تمام روئے زمین کے لوگ خدا کے سامنے ہیں۔ اور سب کی بعثت جوہر کل کی بعثت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ سب کی خلقت نفس واحدہ سے ہی ہوتی ہے۔ جیسا نفس واحدہ

شی فرداً فرداً درامکنہ خود میشود اگرچہ باذکر اللہ باشد کہ خداوند نازل فرماید بعث شی را و کسے غیر از و نتواند و بشہادت اللہ کل شہادت دہند ..... و تا آنکہ کسے ناظر بنقطۂ حقیقت نشود ادراک بعث کل شی را در نفس واحدہ نتواند کرد۔ و لعایہ ہیچ نفسے از نفس میت نمی شود۔ کہ از قبر تزابی بیرون آید۔ بلکہ بعث کل از نفس احیاء آن زمان می گردد اگر از علیین است از مومنین و اگر از دون علیین است، از دون آن ....

کی بعثت ہوتی ہے۔ سب لوگ فرداً فرداً اپنی اپنی جائے مبعوث ہوتے ہیں۔ اگرچہ صرف خدا کے اس فرمان سے بعثت ہو کہ وہ فرما دے۔ کہ ہم نے فلاں چیز کو مبعوث کر دیا۔ اگرچہ خدا کے سوا کوئی معلوم بھی نہ کر سکے اور خدا کی شہادت کے ماتحت سب اس بات کی شہادت دیں ...... اور جب تک کوئی شخص نقطۂ حقیقت (پیغمبر) پر نظر نہ جمائے۔ سب لوگوں کا نفس واحدہ میں مبعوث ہونا اس کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور یہ بات تو نہیں ہے۔ کہ قیامت کے وقت لوگ جسمانی موت مر جاتے ہوں کہ پھر مٹی کی قبر سے نکلیں نہیں۔ بلکہ سب جو مبعوث ہوتے ہیں تو اس وقت کے موجودہ لوگوں میں سے ہی ان کی بعثت ہوتی ہے۔ اگر وہ علیین میں سے ہیں تو مؤمنین میں مبعوث ہوتے ہیں۔ اور اگر علیین میں سے نہیں ہیں۔ تو غیر مومنین میں محشور ہوتے ہیں

الباب الثانی والعشر من الواحد الثانی

فی بیان الصراط و انّہ حق

ملخص این باب آنکہ مراد از صراط در ہر زمان ظہور اللہ و امر او بودہ ہر کس مستقر بودہ بر صراط حق بودہ و الا بر دون صراط ـ

ممرّین بر این صراط کہ آیات بیان باشد بدرجات بودہ ....

بسا انفس کہ بر صراط گذشتہ و داخل جنت می شوند و چہ بسا از انفس کہ در حین گذشتن بنار می افتند و بسا اشخاصیکہ واقف می شوند و نمی توانند بگذرند

چنانچہ امروز صراط اللہ آیات است و کل می توانند حجیت آں را بفہمند و محتجب می نمایند

دوسرے واحد کا بارھواں باب

صراط حق ہے

اس باب کا مقصد یہ ہے۔ کہ صراط سے مراد ہر زمانے میں خدا کا ظہور اور اس کا امر ہے جو شخص حکم الٰہی پر قائم ہوتا ہے۔ صراط حق پر ہوتا ہے۔ ورنہ صراط حق سے الگ باطل پر ہوتا ہے۔

یہ صراط ا بیان کی آیات ہیں۔ اس صراط پر چلنے والے مختلف درجات کے ہیں۔

بہت سے نفوس اس (پل) صراط پر سے گذر کر جنت میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور کتنے ہی نفوس اس (پل) صراط پر سے گذرتے ہوئے دوزخ میں گر پڑتے ہیں۔ اور بہت سے اشخاص اس (پل) صراط پر حیران کھڑے رہ جاتے ہیں۔ اور گذر نہیں سکتے ......

چنانچہ آج صراط الٰہی آیات ہیں۔ اور سب لوگ آیات کی حجیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اپنے آپ کو فضول چیزوں

خود را بچیزے کہ نفع نمی بخشد ایشان را اگر مشاہدہ کند کسے بعین فطرت کل را می بیند از برائے دون مؤمنین ادق از شعر واحد از سیف ست صراط ....

میں گرفتار کر کے ظہورِ حق سے غافل و محجوب ہو جاتے ہیں.... اگر کوئی چشمِ فطرت سے مشاہدہ کرے۔ تو دیکھے گا۔ کہ صراط غیر مؤمنوں کے لئے بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

الباب الثالث والعشر من الواحد الثانی

دوسرے واحد کا تیرھواں باب

فی حقیقۃ المیزان وانہ حق

حقیقتِ میزان

ملخص این باب آنکہ از نقطۂ مشیت اولیہ الی مالانہایہ در ہر ظہورے میزان ہمان نقطۂ حقیقت است و اوامر مشرقہ از شمس جود او.......

اس باب کا مقصد یہ ہے۔ کہ ہر ظہور میں نقطۂ مشیت سے لے کر لا انتہا تک میزان خود ہی نقطۂ حقیقت ہے۔ اور اسی کے آفتاب فضل سے جو احکام درخشاں ہوتے ہیں وہ بھی میزان ہیں.......

چنانچہ کسے خواہد میزان قبل را مشاہدہ کند نظر کند در میزان ظہور رسول اللہ از حینیکہ بعثت آنحضرت بودہ تا امروز الٰی

چنانچہ اگر کوئی چاہے۔ کہ اب سے پہلے کی میزان کا مشاہدہ کرے۔ تو ظہور رسول اللہ کی میزان پر نظر ڈالے۔ آنحضرت کی بعثت سے آج تک بے شمار آدمی آنحضرت کی میزان

ماربها در کفِ عدل او بنار رفتہ و الی مالانہایہ در کفِ فضل او بجنّت رفتہ و امروز میزان بیان است ہر کس منحرف ازو نیست در جنّت و در میزان فضل و الاّ در کفِ عدل و در نار۔ زیرا کہ مبدءٔ خلق نار و جنّت ہر دو از نقطۂ حقیقت محقق میگردد حکم بر مقبل می کند خلق نور میشود و حکم بر غیر مقبل کہ می کند خلق نار می گردد

عدل میں تُل کر دوزخ میں چلے گئے ہیں اور بے شمار انسان آنحضرت کے فضل کے پلّے میں آ کر جنّت میں پہنچ گئے ہیں اور آج بیان میزان ہے جو شخص بیان سے منحرف نہیں ہے وہ جنّت میں اور میزان فضل میں ہے۔ ورنہ عدل کے پلّے میں اور نار میں ہے۔ کیونکہ نار اور جنّت دونوں کے مبدأ ظہور کا نقطۂ حقیقت (پیغمبر) ہی کے وجود سے موجود و ثابت ہوتا ہے پیغمبر مومن کے متعلق حکم لگاتا ہے۔ نور پیدا ہوتا ہے۔ غیر مؤمن پر حکم لگاتا ہے نار پیدا ہوتی ہے۔

الباب الرابع والعشر من الواحد الثانی

دوسرے واحد کا چودھواں باب

فی بیان الحساب

بیان حساب

ملخص این باب آنکہ حساب کل بید اللہ است و غیر اللہ مقتدر بر حساب کل نیست

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ سب لوگوں کا حساب خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اور کوئی غیر اللہ سب لوگوں کا حساب کرنے پر

وخداوند عالم حساب میفرماید
کل شیء را بانچه حساب میفرماید
شجرهٔ حقیقت در هر زمان بظهور
او و در حین لبطون حساب
مے فرماید کل را و لے حکم ظاہر
نمی گردد الا در حین ظہور و
حساب میفرماید کل را در یوم
قیامت بیک کلمۂ واحدہ
چنانچه در این قیامت حساب
کل خلق را فرمود بیک کلمه و
آن این است انی انا الله
لا الہ الا انا رب کل شیء ہر کس
تامل نمود در نار نفی بعدل حساب
کردہ شد و ہر کس تصدیق کرد
بنور اثبات بفضل حساب کردہ
شد - ....

قادر نہیں ہے۔ اور خداوند عالم سب
کا حساب اس طرح لیتا ہے کہ شجرۂ حقیقت
(پیغمبر خدا) ہر زمانے میں اپنے ظہور کے
ذریعے لوگوں کا حساب لیتا ہے۔ اور جب
پیغمبر دنیا میں نہیں ہوتا۔ تو بھی خدا حساب
لیتا ہے۔ لیکن وہ حساب ظاہر نہیں ہوتا۔
صرف ظہور کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ اور خدا
قیامت کے دن ایک ہی کلمہ سے سب کا
حساب لیتا ہے۔ جیسا کہ اس قیامت (ظہور
حضرت باب) میں سب کا حساب ایک ہی کلمے
سے لیا اور وہ کلمہ یہ ہے کہ انّنی انا اللہ
لا الہ الا انا رب کل شیء (میں خدا ہوں
میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں سب کا پروردگار
ہوں) جو شخص اس کلمہ الٰہی کے اقرار کرنے
میں تامل کرتا ہے وہ قانون عدل کے مطابق
حساب ہونے پر آتش نفی میں جاتا ہے اور جو
شخص اقرار کر لیتا ہے۔ اس کا حساب
فضل سے ہوتا ہے اور وہ شخص نور اثبات
میں رہتا ہے ....

فانی گشتہ فنای ایانی نہ فنای
جسدی بعدل در نار الی یوم
القیامۃ معذب می گردند و بفضل
الی یوم القیامۃ در جنت متنعم
می گردند

منکر ایانی وجود کے اعتبار سے فنا ہو جاتا ہے
نہ کہ جسمانی لحاظ سے.... منکر نار میں آیندہ قیامت
تک عدل کے مطابق نار میں عذاب پاتا ہے۔
اور مؤمن آیندہ قیامت تک جنت میں متنعم
ہوتا ہے۔

الباب الخامس والعشر من الواحد الثانی

فی بیان الکتاب وانہ حق

ملخص این باب آنکہ مراد
از کتاب آن چیزے است
کہ از قبل نقطہ حقیقت ظاہر
شود زیراکہ از برای ذات
ازل تبدیلی و تغییری نیست،
بلکہ کتاب نقطہ بیان کتابی
است کہ مدل علی اللہ است
زیراکہ غیر اللہ در بیرہ آن کتاب
نیست و آن از یک حرف گرفتہ
الا ما لا نہایہ ذکر می شود.

دوسرے واحد کا پندرھواں باب

کتاب حق ہے

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ کتاب سے
مراد وہ چیز ہے جو نقطۂ حقیقت سے
ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ خداوند ازل کی ذات
میں کوئی تبدیلی و تغییر نہیں ہوتی بلکہ نقطۂ
بیان کی کتاب ہی خدا پر دلالت کرتی ہے۔
کیونکہ غیر اللہ ایسی کتاب پر قادر نہیں ہے
اور ایک حرف سے لے کر بے شمار حروف
و آیات تک کتاب کہلاتی ہے۔

وچه بسا از ملاحظهٔ علوم وفضل و
رحمت خود نازل می فرماید دلے
برآں کس که نازل می شود ملتفت
نمی شود۔ بلکه قلم حیا می کند که ذکر
کند۔ وحال آنکه شب و روز میخواند
اللّٰهم اعطنی کتابی بیمینی حال که
خدا عطا فرموده نمی گیرد بلکه معطی
را رسولے است از رسولان او
اگر بنزد انا ناند آنچه قلم حیا می کند در
حق او مرتکب شود وحال آنکه کتاب
خدائے او بوده ورسول رسول او
واز علو فضل وجود بر او نازل فرموده
بشانیکه بتواند که یقین کند که کتاب
اللّٰه است وغیر او قادر بر مثل آں
نیست۔

ودر نزد هر ظهورے از ظهور شجرهٔ
حقیقت مؤمنین باو وکتاب او
از قبل بظهور او وکتاب او از بعد

وہ اپنی برتری وفضل ورحمت سے کتاب نازل
فرماتا ہے۔ مگر جس شخص کیلئے کتاب ہوتی ہے
وہ پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایسے کام کرتا ہے۔ کہ
قلم ان کے ذکر سے شرماتی ہے۔ حالانکہ رات
دن یہ دعا پڑھتا رہتا ہے اللّٰهم اعطنی کتابی
بیمینی (الٰہی۔ میری کتاب میرے داہنے ہاتھ
میں عطا فرما) اب جبکہ کتاب عطا فرمائی۔ تو
اسے نہیں لیتا۔ بلکہ کتاب دینے والے کے حق
میں قابل شرم باتیں کہتا ہے۔ یہ کتاب دینے
والا خدا کے رسولوں میں سے ایک رسول ہے
اور یہ کتاب خدا کی کتاب ہے۔ اور پیغمبر بھی
خدا کا ہے۔ اپنے فضل وکرم سے اس شخص کو
کتاب دے رہا ہے ایسی شان سے کہ یہ شخص
یقین حاصل کر سکتا ہے۔ کہ یہ کتاب خدا کی
کتاب ہے اور اس کے مثل بنانے پر کوئی غیر خدا
قادر نہیں۔

شجرۂ حقیقت ہر ظہور کے وقت اس کو اور اس
کی کتاب کو ماننے والے اس کے بعد کے ظہور اور
کتاب کے ذریعے زیر امتحان آتے ہیں۔ کہ

ممتحن مے شوند یعنی کہ نمے
ماند الا مؤمن خالص و او عزّ از
کبریت احمر است چنانچہ نفوسے
کہ بعیسیٰ ابن مریم و کتاب او
ایمان آوردند اگر شناختہ بودند
کہ ظہور محمدؐ بعینہ ہمان ظہور بودہ
در آخرت و کتاب او
ہمان انجیل بودہ بنحو اشرف احدے
از نصاریٰ از دین خود برگشتہ
و کل برسول اللہ ایمان و بکتاب
او تصدیق نمودہ و ہمین قسم اگر
مؤمنین برسول اللہ و کتاب او
یقین کنند کہ ظہور قائم آل محمدؐ
و بیان ہمان ظہور رسول اللہ ہست
بنحو اشرف در آخرت و این
کتاب بعینہ ہمان فرقان است
کہ بنحو اشرف نازل شدہ در
آخرت احدے از مومنین بقرآن
خارج از دین خود نشدہ

مومن خالص ہی اس مقام پر گرتا ہے۔ اور
ایسا مومن کندن سے بھی کمیاب ہوتا ہے۔ جو
لوگ عیسیٰ ابن مریم اور انجیل پر ایمان لائے
تھے۔ اگر وہ پہچان لیتے۔ کہ ظہور محمدؐ بعینہ وہی
ظہور عیسیٰ تھا۔ جو پھر بعد کو اشرف طور پر نمودار
ہوا۔ اور عیسیٰ کی کتاب انجیل بھی اعلیٰ طور پر قرآن
کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ تو کوئی بھی
عیسائی اپنے دین سے برگشتہ ہوتا۔ اور سب عیسائی
رسول اللہ پر ایمان لے آتے۔ اور قرآن کی تصدیق
کرتے۔ اور اسی طرح رسول اللہ کے اور قرآن کے
ماننے والے قائم آل محمدؐ اور کتاب بیان کے
متعلق یقین حاصل کر لیں۔ کہ یہ ظہور اشرف طور
پر اپنی آخرت یعنی وہی ظہور رسول اللہ ہے۔ اور یہ
کتاب بیان بعینہ وہی قرآن ہے۔ جو اپنی آخرت
میں بطور اشرف نازل ہوا ہے۔ تو قرآن کے
ماننے والوں میں سے ایک بھی اپنے دین سے
خارج نہ ہو۔ اور فوراً ایمان لے آئے۔ بیان کی
تصدیق کر دے۔ اور ان کا یقین نہ کرنا خدا
کے نزدیک بالکل رد ہے۔ بلکہ جو پھر یقین کی

از سمع بصر ایمان آورده و تصدیق
بیان نموده و حال آنکه یقین ایشان
عند اللہ مردود است. بلکه آنچه ما
یحقق به الیقین است از برای
ایشان شده زیرا که اگر تفکر نمایند
دو حجتی که باو دین اسلام ثابت
شده مشاهده می نمایند. بعینه ہمان
حجت را بنحو اشرف و ہمیں قدر که
تصدیق و یقین نمی کنند علامت این
است که کینونیات ایشان از
شجرهٔ نفی بوده و راجع باو می شود

بنا ہے وہ ان کے روبرو موجود و ظاہر ہے
کیونکہ اگر یہ لوگ غور و فکر کریں۔ کہ دین اسلام
کس حجت و دلیل سے سچا ثابت ہوا ہے
تو دیکھیں گے وہی حجت و دلیل اشرف و
اعلیٰ طور پر اب یہاں (ظہور حضرت باب)
میں موجود و مشہود ہے۔ اور چونکہ اب ظہور
حق میں یہ لوگ یقین نہیں کرتے۔ یہ اس
بات کی علامت ہے۔ کہ ان کی ہستیاں
نفی و انکار سے پیدا ہوئیں۔ اور اس کی
جانب راجع ہوئیں۔

الباب السادس عشر من الواحد الثانی

فی بیان ان الجنة حق

در علم اللہ ہیچ جنتی از ظہور اللہ در
نقطهٔ مشیت اعظم تر نبوده و نیست
چنانچه از ظہوری بظہوری جنت
الظہور بوده

دوسرے واحد کا سولہواں باب

جنت حق ہے

خدا کے علم میں اس سے بڑی
جنت نہیں۔ کہ خدا کا ظہور نقطهٔ مشیت
یعنی پیغمبر میں ہو۔ چنانچہ ایک سے لے
کر دوسرے ظہور تک جنت الظہور ہے۔

وآنچہ در جنت فرقان داخل شدہ اند۔ کل در ظل باب اول بہ کہ رسول اللہ باشد مستظل اند۔ و ابواب دیگر جنت در قبضۂ این باب است۔ بلکہ او اینہا را فتح فرمودہ

اور جو لوگ قرآن کی جنت میں داخل ہوئے وہ سب باب اول یعنی رسول اللہ کے زیر سایہ ہے۔ اور دوسری جنت کے ابواب اسی پہلے باب کے قبضے میں تھے۔ بلکہ رسول اللہ نے ہی اپنی مہربانی سے دوسرے ابواب جنت کھولے تھے۔

چنانچہ ہر نفسے کہ در ولایت یکے از ابواب جنت آمدہ بنفسہ جنتی است از برائے او در رتبۂ خود الی ما نہایہ این ظاہر بودہ و جاری است

چنانچہ جو شخص ابواب جنت میں سے کسی ایک باب کی ولایت میں آگیا۔ اس کے رتبہ کے مطابق خود بھی ایک جنت مل گئی ہے اور یہ سلسلہ لا انتہا تک جاری و ساری ہے

کل جنت در توحید خدا و عرفان او و رضائے او و اطاعت مظاہر امر اوست۔ بعد ازاں کہ منقطع باشد نفسے ازاں چہ جنتے است اگرچہ در عمر منتہائے لذت ممکنہ متنعم گردد کہ آخر راجع بنار فنا می گردد۔

ساری جنت خدا کی توحید اس کے عرفان اور اس کی رضا اور اس کے مظاہر امر کی اطاعت میں ہے جو آدمی اس مرکز سے جدا ہوا اس کیلئے جنت کیسی؟ اگرچہ وہ اپنی زندگی میں ہر ممکن لذت و نعمت پا رہا ہو۔ کہ آخر سب کچھ نار فنا میں فنا ہو جائے گا۔

این است حقیقت جنت

اس موجودہ زندگی میں جنت کی حقیقت یہی

در عالم حیات و بعد از موت لایعلم الا اللہ نہا لک مالا عین رأیت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر

. . . . . .

. . . .

. . . . .

ہے۔ اور اس جہان سے مرنے کے بعد وہ جنّت ہے جس کی حقیقت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہاں وہ چیز ہوگی ۔ جسے آنکھ نے نہیں دیکھا۔ کان نے نہیں سنا۔ اور کوئی آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکا۔

و مادون آن دار نہیں جنّتے است کہ در حیات عباد ذکر شد۔ اگر درین حیات داخل در جنّت ظہور اللہ گشتہ داخل در جنّت آخرت ہم بعد از موت خواہد شد والا داخل نار خواہد حین ما قبض

اور اس مابعد الموت جنّت کا دارومدار اسی جنّت پر ہے جس کا ذکر ہوا۔ کہ وہ انسان کی موجودہ زندگی میں ہی ملتی ہے اگر انسان اس زندگی میں ظہور الٰہی کی جنّت میں داخل ہو گیا۔ تو مرنے کے بعد جنّتِ آخرت میں بھی داخل ہوگا ورنہ مرتے ہی داخل نار ہوگا ۔

و ہیچ جنّتے اعظم تر از برائے ہیچ نفسے نیست کہ در حین ظہور اللہ ادراک نماید آیات او را بشنود و ایمان آورد و بلقائے او کہ لقاء اللہ است فائز گردد . . . . . .

اور کسی کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی جنّت نہیں ہے۔ کہ ظہور الٰہی کے وقت ظہور کو پہچانے اُس کی آیات سُنے۔ اور ایمان لائے اور اُس کی لقاء سے فائز ہو کہ وہی لقاء الٰہی ہے ۔

و ہیچ نارے از برائے عاملین از نفس عمل اشد تر نبودہ و نیست چنانچہ

بدعمل کرنے والوں کے لئے خود اُن کے عمل سے زیادہ سخت آگ اور کوئی نہیں

از برائے مؤمنین ہیچ جنّتی از برائے ایشان از نفس ایمان عظیم تر نبوده و نیست

ہے۔ جیسا کہ مؤمنوں کے لئے نفس ایمان سے عظیم تر کوئی جنّت نہیں ہے۔

و ہر مقامی کہ اہل جنّت بر او مستقر شوند۔ باعلیٰ ما یمکن وصف در امکان آنجا بوده کہ ناظرین بطرف حقیقت مشاہده می نمایند۔ جنّت در ہر زمان کمال آن زمانست و امروز کمال دربیان است

اور جس جگہ پر اہل جنّت بیٹھ جائیں۔ وہ جگہ بہترین اوصاف سے مذکور ہو سکتی ہے کیونکہ دیکھنے والے اس وقت جلوہ حقیقت کا ہی مشاہده کرتے ہیں۔
ہر زمانے میں جنّت وہی ہوتی ہے۔ جو اس زمانے کا کمال وارتقا ہو۔ اور آج کمال وارتقا بیان میں ہے۔

الباب السابع و العشر من الواحد الثانی

فی بیان ان النار حق

ملخص این باب آنکہ از برائے نار شئون والانہایہ بمالانہایہ بوده و ہست جوہر جواہر او عدم عرفان اللہ ہست کہ در ہر ظہور بعدم عرفان ظاہر بظہور در نفس ظہور ظاہر می گردد

دوسرے واحد کا ستر ہواں باب

نار کی حقیقت

اس باب کا خلاصہ مقصد یہ ہے۔ کہ نار کی بیشمار حیثیتیں ہیں اور دنیا کی جڑ بنیاد اور حقیقی اصلیت خدا کو نہ پہچاننا ہے۔ یہ عدم عرفان ہر ظہور میں اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ جب مظہر الٰہی آتا ہے۔ اور اس کے ذریعے

- - - - - - - - - -

در حین احتجاب یا غفلت
یا وقوف یا جحد یا انکار باطل شد
آنچه که در او بود از آیات حقہ
از معرفت اللہ و از معرفت نبیؐ و
ائمہؑ و ابواب و اقرار آنچہ کہ حق
است در اسلام من عند اللہ
زیرا کہ کل اینہا از شجرۂ حقیقت
طالع شدہ بود و این شجرۂ بعینہا ظاہر
شدہ و این اثمار از او بودہ در قبل
و ہمین قدر کہ ظاہر شد و کسے
قبول نکرد گویا در اول قبول نکردہ
زیرا کہ این ظہور ظہور آخرت او
بودہ و اعظم از ظہور اولاے او
بودہ از این جہت است کہ اعلیٰ
مکان جنت قبل در ادنی درک نار
ساکن مے گردند۔
ازل لم خلق کل شئ تا اول ظہور

خدا کا ظہور ہوتا ہے تب انسان نہیں پہچانتا
ظہورِ حق کا انکار کر دیتا ہے۔
جب ظہور حق ہوتا ہے۔ اور انسان اس سے
حجاب یا غفلت یا توقف میں رہتا ہے یا رد و
انکار کرتا ہے۔ تو اس کا پہلا ایمان و عرفان بے
وجہ ہو جاتا ہے۔ آیاتِ حق سے جو معرفتِ الٰہی
شناخت پیغمبر۔ ائمہ و ابواب کی پہچان اور جو کچھ
من جانب اللہ دین اسلام میں حق و حقیقت
ہے۔ وہ سب نئے ظہورِ حق کا انکار کرنے والے
کے دل سے محو ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ سب
حقیقتیں در اصل شجرۂ حقیقت یعنی رسول ہی
سے نمودار ہوئی تھیں۔ اور اب وہ شجرۂ حقیقت
خود ظاہر ہو گیا ہے۔ اسی کے اثمار پہلے بھی
تھے۔ اب اس کے ظاہر ہونے پر جب کسی نے
قبول نہیں کیا۔ تو گویا اس نے پہلے بھی قبول
نہ کیا۔ کیونکہ یہ ظہور آخر اسی اول کا ظہورِ ثانوی ہے
اور اپنے پہلے ظہور سے اعظم ہے۔ یہی سبب
ہے۔ کہ پہلے ظہور کے اعلیٰ ترین اہلِ جنت جبکہ
ظہور بعد کا انکار کر دیں۔ تو پست ترین مقام

جوہر جواہر کل جنت باب اوّل
می شود و جوہر جواہر کل نار عابر
اوّل می شود ......

نار میں ساکن ہو جاتے ہیں۔

ظہور حق میں کل شئے کے پیدا ہونے کے دن
سے دوسرے ظہور کے پہلے دن تک ساری
جنت کا جوہر جواہر وہ ہوتا ہے۔ جو سب سے
اوّل ایمان لاتا ہے۔ اور ساری دوزخ کا
جوہر جواہر وہ ہوتا ہے۔ جو سب سے اوّل ظہور
حق کا انکار کرتا ہے۔

از قبل آنچہ راجع برسول اللہ
می گردد داخل در جنت شدہ
و آنچہ راجع باوّل من لم یؤمن
میگردد راجع بنار شدہ و شیئون
این نار مالانہایہ است و لے
کلیۂ ابواب در نوزدہ ذکر می
شود والّا لا یعلم عدتہا احد الا اللہ۔
و ہر دو عابد خدا را و ساجد ند
از برائے او و معظم اند او را و ممجد
اند او را و موحد اند او را الا آنکہ
این بظہور آخرت توحید مے کنند
و آن بظہور دنیا کہ اوّل ہمین ظہور
بودہ و آخرت ظہور قبل بودہ این
است۔ کہ آن باطل می گردد و این
ثابت می ماند و آن نار می گردد
و این نور می شود و آن فانی می گردد

گذشتہ دور میں جو چیز رسول اللہ کی جانب
راجع ہوئی۔ وہ داخل جنت ہوئی اور جو چیز
اولین منکر رسولؐ کی جانب راجع ہوئی۔ داخل
نار ہوئی۔ اور اس نار کی کیفیتیں بے شمار ہیں
تمام ابواب نار ۱۹ ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور ویسے
تو خدا کے سوا ان کی تعداد کوئی نہیں جانتا۔
مؤمن و منکر دونوں خدا کی عبادت کرتے ہیں
اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ اسی کو تعظیم و تمجید
و توحید پر قائم ہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ نئے

و این ثابت می ماند و آن عزیز می شود و این ذلیل و آن غنی می گردد و این فقیر تا بجائے کہ دیگر ذکر او باقی نمی ماند حتیٰ در نفس خود او

ہر کس مومن شود بہ بیان و آنچہ خداوند در او نازل فرمودہ در ظلال جنت بودہ و ہست و ہر کس منحرف شود در ظل نار بودہ و ہست و آنچہ ذکر شد در حین حیات عبد است و الا بعد از موت لن یقدر ان یخطر بہ جنیکہ عبد در اراضی کہ مالک آن نور است داخل شود۔ در جنت داخل می شود و الا در اراضی کہ منسوب بنار است۔ اگر از حبّ او داخل در او شود داخل در نار می شود فی الحین

ظہور حق کا مومن ظہور آخرت کے ذریعے توحید و تمجید کرتا ہے اور نئے ظہور کا منکر ظہور دنیا کے ذریعے جو اسی ظہور کا پہلا اور اپنے سے پہلے ظہور کا ظہور آخرت تھا۔ اسی وجہ سے منکر حق کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔ اور مومن کا عمل ثابت رہتا ہے۔ وہ نار ہو جاتا ہے۔ اور یہ نور بنتا ہے وہ فانی ہوتا ہے یہ باقی رہتا ہے۔ مومن عزیز اور منکر حق ذلیل ہوتا ہے۔ مومن غنی اور منکر فقیر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک ہوتا ہے۔ کہ منکر کا ذکر بھی باقی نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ خود اس کے نفس میں اپنا ذکر باقی نہیں رہتا ہے۔

جو کوئی بیان میں نازل شدہ باتوں کو مان لیتا ہے۔ وہ جنت کے سایوں میں رہتا ہے اور جو کوئی منحرف ہوتا ہے۔ نار کے زیر سایہ رہتا ہے۔

یہ سب کچھ جو ذکر کیا گیا۔ وہ انسان کی زندگی میں ہوتا ہے۔ ورنہ مرنے کے بعد کی کیفیت خیال سے باہر ہے۔ جب کوئی بندہ اس زمین

میں داخل ہوتا ہے جس کا مالک نور ہے۔ تو وہ جنت میں داخل ہوتا ہے اور اگر اس زمین میں جاتا ہے جس کا مالک نار ہے۔ اگر اس کی محبت سے داخل ہوا ہے تو فی الفور داخل نار ہو جاتا ہے۔

ساعت

در ہر ظہور مشیتی ساعت بحقیقتہ اولیہ اشست الی آنکہ تنزل میںماید. تا آنکہ ہر ذکر حقی کہ منسوب باو شود از قبل او در ظہور او اگر اطلاق فرماید صدق است۔

ساعت

ہر ظہور مشیت میں اول درجۂ حقیقت کے مقام پر ساعت سے مراد خود وہی ظہور ہے یہاں تک کہ درجہ بدرجہ اترتے ہوئے ہر ذکر حق جو ظہور کی طرف سے ظاہر ہو۔ ساعت کا لفظ اس پر صادق آ سکتا ہے۔

الباب السابع من الواحد الثالث

لقاء اللّٰہ

فی انّ ما قد نزّل اللّٰہ من ذکر لقائہ او لقاء الرّب انّما المراد من یظہرہ اللّٰہ لانّ اللّٰہ لا یری

تیسرے واحد کا ساتواں باب

خدا کی ملاقات اور دید

اس حقیقت کا بیان کہ خدا نے جو اپنی ملاقات پروردگار کی ملاقات کا ذکر اپنے کلام میں نازل فرمایا ہے۔ اس سے مراد من یظہرہ اللّٰہ کی ملاقات

بنی اند ملخص این باب آنکہ ذات
ازل لن یدرک ولن یوصف و
لن ینعت، ولن یوحد ولن یریٰ
یوحد - ......

و آنچہ در کتب سماویہ ذکر
تعالےٰ او شدہ ذکر لقاء ظاہر بظہور
اوست کہ مراد نقطۂ حقیقت کہ
مثنیت اولیہ بودہ وہست و آنچہ
در قرآن ذکر لقاء اللہ و لقائے
رب شدہ بحقیقت اولیہ مراد لقائے
رسول اللہ بودہ وہست و کم کم
تنزل می نمایا از حقیقت اولیہ
تا آنکہ بر وجہ ہر شئے کہ دلالت
نکند الا علی اللہ ذکر می شود در ظل
آن حقیقت اولیہ چنانچہ در حق
آئمہ ہدیٰ من عرفکم فقد عرف اللہ
و امثال آن نازل است و ہر کس
لقائے من یظہرہ اللہ را درک
نمودہ فائز بلقاء رب شدہ اگر

ہے (جیسے خدا ظاہر کرتا ہے) کیونکہ خدا تو
کسی کو نظر نہیں آ سکتا ہے ۔

اس باب کا مقصد یہ ہے کہ ذات ازل
تو انسان کے ادراک سے بالاتر ہے ہر وصف
و لغت سے بلند و برتر ہے۔ اس کی شان
توحید کا سمجھنا دشوار ہے۔ اس کو دیکھنا
ممکن نہیں

کتب سماویہ میں جو لقاء الٰہی کا ذکر ہوا ہے
اس سے مراد اس (پیغمبر) کی لقا ہے۔ جو
خدا کی شان ظہور لیکہ ظاہر ہوتا ہے۔ وہی
نقطۂ حقیقت اور مشیت اولیہ ہے اور قرآن
میں لقاء اللہ اور لقاء رب کا جو ذکر ہوا ہے
حقیقت اولیہ میں اس سے مراد لقاء رسول
اللہ ہے۔ اور اس حقیقت اولیہ سے درجہ
بدرجہ یہ ذکر اترتا آتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر
اس چیز کی نسبت جو خدا کی طرف رہنمائی کرے
یہ ذکر ہوتا ہے۔ اسی حقیقت اولیہ کے زیر سایہ

مومن باوباشد والّا ناظر بوجہ
خامس در حین عروج بلقاء اللہ
فائز شدہ ولے چہ ثمر از برائے
او بلکہ نشدہ بود از برائے او بالا
نہایہ بمالا نہایہ بہتر بود اگر آن کہ
شود بدون ایمان۔

و لقائے ارادۃ اولیہ دیدنِ مشیت اولیہ مثل شیخ شمس است
در مرآت ہمین قسم الی ما ینتہی
الی آخر الوجود

چنانچہ آئمہ ہدیٰ کے حق میں اس قسم کے
الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ جس نے تمہیں پہچان لیا اس نے
خدا کو پہچان لیا اور جو کوئی من یظہرہ اللہ کی ملاقات
حاصل کر لیتا ہے۔ وہ لقاء رب ہوتا ہے۔
بشرطیکہ کہ اس پہ ایمان رکھتا ہو۔ ورنہ بغیر
ایمان کے جو شخص خامس آل عبا یعنی حضرت
حسین کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مرکر خدا
کے حضور میں گیا۔ تو ایسی ملاقات سے اچھا نتیجہ
نہیں ملا۔ کیونکہ ایمان کے بغیر خدا سے ملنا اگر
نہ ہوتا۔ تو اچھا تھا۔

اور مشیت اولیہ یعنی پیغمبر کی ملاقات اور
دیدار ایسی ہے۔ جیسے آفتاب کو دیکھنا۔ اور
ارادۂ اولیہ یعنی پیغمبر پہ سب سے اول ایمان
لانے والے شخص سے ملنا اور اس کو دیکھنا
ایسا ہے جیسے آئینے میں آفتاب کا پرتو دکھائی
دیتا ہے۔ اسی طرح پہلے مومن سے لے کر
آخری مومن تک تصور کیجئے۔

قیامت کے اسرار

کتاب مبارک ایقان کی چند عبارات کا ترجمہ

چونکہ اکثر علماء ان آیات کو سمجھے ہی نہیں۔ اور قیامت کے مقصود اعلیٰ سے واقف ہی نہیں ہوئے۔ اس لئے ان آیات (متعلقہ قیامت) کی تفسیر میں نادانستہ طور پر ایک موہوم قیامت مراد لی ہے (صفحہ ۸۰)

قیامت قیامت نفس اللہ کا اپنے مظہر کلی کے ذریعے قیام کرنا ہے۔ اور یہی قیامت کے وہ معنیٰ ہیں۔ جو تمام کتب مقدسہ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور ذکر کئے گئے ہیں۔ اور سب لوگوں کو اس دن کی خوشخبری دی گئی ہے (صفحہ ۱۱۴)

کیا آپ نے وہ مشہور روایت نہیں سنی۔ جس میں فرمایا ہے کہ اِذَا قَامَ الْقَائِمُ قَامَتِ الْقِيَامَةُ جب حضرت مہدی قائم۔ قیام فرمائیں گے۔ قیامت قائم ہو جائیگی۔ اور اسی طرح ائمہ ہدیٰ اور ہمیشہ روشن رہنے والے انوار نے آیات هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا اَنْ يَاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ جو مسلمہ طور پر قیامت کے واقعات میں سے ہے۔ اس کی تفسیر حضرت مہدی موعود کی آمد سے کی ہے۔ اب اے برادر! قیامت کے معنیٰ کو اچھی طرح

سمجھئے اور مردود لوگوں کی باتوں سے اپنے کانوں کو پاک کیجئے۔ اگر آپ ذرا بھی عالم انقطاع میں قدم رکھیں گے۔ تو گواہی دیں گے۔ کہ خدا اپنے مظہر امر کے ذریعے جب تجلّی فرماتا ہے اُس دن سے زیادہ عظمت کا دن اور کوئی نہیں اور اس قیامت سے بڑھ کر کوئی قیامت نہیں اس دن میں ایک عمل ہزار سال کے عمل کے برابر ہے۔ بلکہ تو بہ تو بہ یہ تحدید بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اُس دن کا عمل محدود جزا سے پاک و مقدس ہے اور یہ ناسمجھ لوگ قیامت اور لقاء الٰہی کے معنیٰ نہیں سمجھ سکے۔ اسی لئے اس کے فیض سے بالکل محروم رہ گئے ہیں۔ باوجودیکہ عالم اور علم کے لئے مشقتیں اٹھانے کا مقصود اسی مقام کو سمجھنا اور حاصل کرنا ہے (صفحہ ۱۲۶)

قیامت میں خدا سے ملاقات ایک منصوص بات ہے اور روشن دلائل سے ثابت ہو گیا۔ کہ قیامت کا مقصد خدا کے امر پر خدا کے مظہر کا قیام فرمانا ہے اور اسی طرح لقاء الٰہی سے مراد ہیکل ظہور میں جمال خدا کی تجلی اور ملاقات ہے۔ (صفحہ ۱۲۸)

نفخ صُور

علماء تفسیر اور اہلِ ظاہر نے خدائی کلمات کے معانی کو نہیں سمجھا۔ اور مقصود اصلی سے دور رہ گئے۔ اس لئے انہوں نے ایک نحوی قاعدہ سے استدلال کیا ہے کہ جب حرف "اذا" ماضی پر آتا ہے۔ تو مستقبل کے معنے ہو جاتے ہیں۔ پھر جن کلمات میں اذا نازل نہیں ہوا حیران ہو کر رہ گئے۔ جیسے اس آیات میں وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ ذٰلِکَ یَوْمُ الْوَعِیْدِ وَجَاءَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّ شَهِیْدٌ (سورہ ق)

اِس کے ظاہر اور واضح معنی یہ ہیں۔ کہ صور پھونک دیا گیا۔ اور یہی ہے یوم وعید۔ (جو لوگوں کے خیال میں بہت بعید تھا) اور ہر نفس حساب کے لئے آیا۔ اور اِس کے ساتھ ایک اُسے چلانے والا اور گواہ ہے۔ ایسے مواقع پر لوگوں نے کلمۂ اذا مقدر فرض کر لیا۔ یا یہ استدلال کیا۔ کہ چونکہ قیامت ضرور واقع ہوگی۔ اس لئے فعل ماضی میں اِس کا ذکر کیا گیا ہے گویا گذر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے یہ لوگ ادراک و فہم سے کس قدر خالی ہیں۔ خدائے تعالیٰ کیسی صراحت سے اس آیت میں نفخۂ ثانیہ کا بیان کر رہا ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں (ص ۱۱۸)

موت و حیات کسی زمانہ میں بھی انبیاء و اولیاء کا مطلب حقیقی حیات و بعث و حشر کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور نہیں ہے۔ (ص ۱۲۰)

موت و حیات جو کتب مقدسہ میں مذکور ہے۔ اس کا مطلب ایمانی موت و حیات ہے۔ اس مطلب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہی تھا۔ کہ ہر ظہور میں سب لوگ اعتراض کرتے رہے اور آفتاب ہدایت سے فیضیاب نہ ہوئے اور جمال ازلی کی پیروی نہ کی۔ چنانچہ جب چراغ محمدی فانوس احمدی میں روشن ہوا اور لوگوں پر بعثت و حشر اور زندگی و موت کا حکم لگایا۔ تو مخالفت کے جھنڈے بلند ہو گئے۔ اور لوگوں کی طرف سے استہزاء کے دروازے کھل گئے۔ اور روح الامین نے مشرکوں کی باتوں کی یوں خبر دی۔ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (... آیت کیا

مضمون یہ ہے۔ کہ اگر تو مشرکوں سے کہے کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے گئے ہو۔ تو خدا اور خدا کی آیت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں۔ کہ یہ تو ایک کھلا جادو اور فریب ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (سورۃ رعد) ترجمہ یہ ہے اگر تو تعجب کرتا ہے۔ تو کافروں کا یہ قول قابلِ تعجب ہے کہ وہ ہنسی اڑاتے ہوئے کہتے ہیں) جب ہم مٹی ہو چکے تو کیا ہم اٹھائے گئے ہیں۔ (صفحہ ۱۱۴)

یہی بات ہے کہ جب اس جمالِ احدیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بعث وحشر جنت و نار اور قیامت کے کچھ اسرار ظاہر فرمانا چاہے۔ تو جبریل یہ وحی لائے فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ۔ قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا (سورۃ الاسراء) یعنی عنقریب یہ وادی ضلالت کے گم گشتہ استہزاء سے اپنے سر ہلاتے ہوئے کہیں گے۔ کہ یہ بات کب ظاہر ہوگی۔ ان کو جواب دیجئے کہ یہ قریب ہی ہے۔ اگر باریک نظر سے دیکھیں۔ تو اسی ایک آیت کا اشارہ کافی ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ لوگ حق کے راستوں سے کس قدر دور تھے۔ باوجودیکہ قیامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام سے قائم و برپا تھی۔ اور علامات و انوار قیامت تمام روئے زمین پر محیط تھے۔ پھر بھی یہ لوگ مذاق اڑاتے تھے۔ (صفحہ ۱۱۴)

آسمان و زمین

(قیامت کے ذکر میں جہاں زمین و آسمان کا ذکر آتا ہے وہاں) زمین سے مراد علم و معرفت کی

زمین ہے۔ اور آسمان سے دین کے آسمان مراد ہیں (صفحہ ۵)

آسمان سے بلندی و برتری کی جہت مراد ہے۔ جو مشارقِ قدسیہ اور مطالعِ قدمیہ کا محلِ ظہور ہے۔ اور یہ لازوال ہستیاں اگرچہ ظاہر میں اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں حکم خدا کے آسمانوں سے نازل ہوتے ہیں (صفحہ ۶۸)

سلطانِ قدم کی قدرت کی بلندی سے ملیکِ اعظم کی مشیت کے اونچے مقام سے مبعوث ہوتے ہیں یہی بات ہے جو فرماتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ اور لفظ سماء۔ شموس معانی (یعنی پیغمبروں) کے بیان میں بہت سے مراتب پر اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً آسمان امر۔ آسمان مشیت۔ آسمانِ ارادہ آسمانِ عرفان۔ آسمان ایقان۔ آسمان بیان۔ آسمان ظہور۔ آسمان بطون وغیرہ (صفحہ)

آسمان پھٹنے کا مطلب خوب سمجھ لیجئے۔ جو ساعت و قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ فرماتا ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ یہاں آسمان سے دین کا آسمان مراد ہے جو ہر ظہور میں بلند ہوتا ہے۔ اور بعد میں آنے والے ظہور میں پھٹ جاتا ہے۔ یعنی محو و منسوخ ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر خوب غور کیجئے تو آسمانِ دین کا پھٹنا ظاہری آسمان کے پھٹنے سے بہت ہی بڑا معاملہ ہے (صفحہ ۴۶)

اگر انسانی ہستی کی یہ خشک زمین بدل کر کچھ سے کچھ نہ ہو جاتی۔ تو اسرارِ احدیہ اور جواہرِ ہویہ اس میں کیسے ظاہر و نمودار ہوتے۔ یہی بات ہے جو اس آیت میں فرمائی ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ جب زمین بدل کر اور

زمین ہو جائیگی (سورۂ ابراہیم) (صفحہ ۵)
اور اس آیت کے معنی بھی خوب سمجھ لیجئے۔ وَالْاَرْضُ جَمِیْعاً قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (سورۂ الزمر) اس کا مضمون یہ ہے۔ کہ زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی۔ اب ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہی مطلب ہو جو لوگوں نے سمجھا ہے تو اس میں کیا خوبی ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلّم ہے کہ ایسا ہاتھ جو ظاہری نظر سے دکھائی دے۔ اور ایسے کام کرے۔ (جیسے زمین کو مٹھی میں لے لینا) ایسا ہاتھ ذات خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا (صفحہ ۵)

بلکہ زمین سے مراد علم و معرفت کی زمین ہے اور آسمان سے دین کے آسمان مراد ہیں (صفحہ ۵)

شمس وقمر شمس و قمر جو انبیاء کے کلمات میں مذکور ہیں ظاہری شمس و قمر ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ شمس و قمر سے بہت سے معنی مراد ہیں۔ ایک مراد وہ شمس حقیقت ہیں۔ جو مشرق قدم سے طلوع ہوتے ہیں۔ اور تمام کائنات کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اور یہ حقیقت کے آفتاب خدا کے اسماء و صفات کے عوالم میں اس کے مظاہر کلی ہوتے ہیں (صفحہ ۳۶)

شمس و قمر و نجوم سے اول درجے میں انبیاء اولیاء اور اصحاب مراد ہیں۔ جن کے معارف کی روشنی سے غیب و شہود کے عالم روشن و منور ہیں دوسرے مقام پر شمس و قمر و نجوم سے مراد پہلے ظہور کے علماء ہیں۔ جو بعد کے ظہور میں موجود ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی دینی زمام ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر دوسرے ظہور

ہیں اِس کی روشنی سے منور ہوجاتے ہیں۔ تو مقبول اور روشن ہوتے ہیں۔ ورنہ اِن کے حق میں ظلمت کا حکم جاری ہوتا ہے (صہ ۳۹)

اور ہر ایک صاحب نظر کو یہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ کہ جیسے ظاہری آفتاب کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور محو ہوجاتی ہے۔ ویسے ہی آفتاب حقیقت کو طلوع ہونے پر ظاہری عرفان اور علم و حکمت کا آفتاب محو و تاریک ہوجاتا ہے (صہ ۴۰)

ایک مقام پر شمس و قمر و نجوم سے علوم و احکام شریعت مراد ہوتے ہیں نیز شمس و قمر و نجوم کے گرجانے سے مراد علماء کا گمراہ ہوجانا اور شریعت سابقہ کے احکام کا منسوخ ہوجانا ہے (صہ ۴۳)

یہ مسلم ہے کہ وہ پہلے ظہور کے علوم و احکام اوامر و نواہی و معارف کا وہ آفتاب و ماہتاب جس کے زیر اثر اس زمانہ کے لوگ روشنی و ہدایت حاصل کرتے تھے۔ بعد کے ظہور میں محو و تاریک ہوجاتا ہے۔ یعنی اس کا حکم و اثر ختم ہوجاتا ہے (صہ ۴۴)

یہی اس آیۂ مبارکہ کے معنی ہیں فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَالۡمَغٰرِبِ (سورۃ المعارج) کیونکہ مذکورہ بالا ہر ایک آفتاب حقیقت کے لئے طلوع و غروب کا مقام ہے (صہ ۴۶)

سلطنت مظاہر سلطنت و غنا۔ حیات و موت۔ حشر و نشر جو پہلی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان سے مراد وہ نہیں ہے۔ جو آج کل یہ لوگ سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ سلطنت سے مراد وہ سلطنت

ہے۔ جو ہر ایک شمس حقیقت کے ایامِ ظہور میں خود اس کی ذات میں ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی وہ باطنی غلبہ و احاطہ جس سے وہ تمام بلند و پست کو گھیر لیتا ہے۔ اور پھر عالمِ ہستی اور نہ ماضر کی استعداد کے مطابق ظاہری عالم میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت اب لوگوں میں ظاہر و ہویدا ہے۔

سوال وحساب

ایک دن ایک شخص اس فقیر بحر معانی (حضرت بہا اللہ) کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ قیامت و حشر ونشر و حساب کا ذکر آگیا۔ اس نے اصرار کیا۔ کہ اس نئے ظہور (بعثتِ حضرت باب) میں لوگوں کا حساب کس طرح لیا گیا۔ کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اس پر سننے والے کی فہم کے مطابق علم و حکمت کی باتیں القا کی گئیں۔ پھر کہا گیا کہ شاید آپ نے قرآن کی تلاوت ابھی تک نہیں کی اور آیۂ مبارکہ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ (سورۂ رحمٰن) نہیں دیکھی۔ اور آپ اس کے مقصود کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ سوال (و حساب) کے معنی وہ نہیں جو آپ نے خیال کئے ہیں۔ چنانچہ یہی آیت اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے۔ (ملاحظہ) کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن کسی انس و جان سے اس کے گناہ کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا۔

ظہور اللہ و لقاء اللہ

صاحبانِ علم اور روشن دل لوگوں پر واضح ہے کہ غیب ہویہ و ذاتِ احدیہ بروز و ظہور و صعود و نزول و دخول و خروج سے مقدس ہے۔ ہر وصف کرنے والے کے وصف سے

برتر ہے۔ ہر ایک سمجھنے والے کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی ذات میں غیب تھا اور ہے۔ اور ہمیشہ اپنی ہستی میں ابصار و انظار سے پوشیدہ رہے گا۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (سورۃ الانعام) اسے ابصار ادراک نہیں کر سکتیں وہ ابصار کو ادراک کرتا ہے وہ لطیف و خبیر ہے۔

تمام انبیاء اوصیاء علماء عرفاء حکماء اُس جواہر الجواہر کی معرفت تک نہ پہنچ سکنے کا اعتراف کرتے ہیں اور اس حقیقۃ الحقائق کے عرفان سے عاجز ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اور جب کہ ذوات کے عرفان کے دروازے عالم امکان والوں کے لئے بند ہو گئے۔ اُس نے اپنی اُس وسیع رحمت سے جو ہر چیز پہ محیط اور سب چیزوں پر چھائی ہوئی ہے۔ قدس نورانی کے جواہر کو روحانی روح کے عوالم سے معزز انسانی صورتوں میں لوگوں کے درمیان ظاہر فرمایا۔ تاکہ اس ذات ازلی اور قدیم مطلق کے نمایندے ہوں۔ اور یہ قدیم کے آئینے اور ہویت کے مطالع اس آفتاب وجود اور جواہر مقصود کی نمایندگی کرتے ہیں مثلاً ان کا علم اُس کے علم کا نمایندہ ہوتا ہے۔ ان کی قدرت اُس کی قدرت کا نشان ہوتی ہے۔ ان کی سلطنت اُس کی سلطنت کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کا جمال اس کے جمال کا جلوہ دکھاتا ہے۔ ان کا ظہور اس کے ظہور سے ہی ہوتا ہے (صہ ۹۶)

بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے۔ سب کچھ صفات و اسماء الٰہی کا جلوہ گاہ ہے۔ چنانچہ ہر ذرے میں اس آفتاب حقیقی کی تجلی کے آثار ظاہر

وہ ہویدا ہیں (صث ۹۸)

تمام موجودات میں سے خاص طور پر انسان اس خلعت سے مخصوص اور اس شرف سے ممتاز ہوا ہے۔ چنانچہ تمام صفات و اسماء الٰہی انسانی مظاہر کے ذریعہ اکمل و اشرف طور پر ظاہر و نمودار ہیں (صث ۹۸)

انسان جو مخلوقات میں سب سے اشرف و اکمل ہے۔ سب چیزوں سے زیادہ قدرت الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ اور سب معلولات سے بڑھ کر خدا کی قدرت کا نشان ہے۔ اور انسانوں میں سب سے کامل۔ افضل اور لطیف ترین نمایندے آفتاب حقیقت کے مظاہر ہوتے ہیں (یعنی پیغمبر) (صث ۱۰۰)

اور یہ خدا کی ہیاکل اولین قدیم آئینے ہیں۔ جو غیب الغیوب اور اس کے تمام اسماء و صفات۔ اس کے علم و قدرت اور سلطنت و عظمت۔ رحمت و حکمت و عزت وجود و کرم کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تمام صفات ان جواہر احدیہ کے ذریعے ظہور و ہویدا ہوتی ہیں۔ اور یہ صفات صرف چند پیغمبروں سے مخصوص نہیں بلکہ تمام مقرب پیغمبر اور مقدس اصفیاں ان صفات سے موصوف اور ان اسماء سے موسوم ہیں۔ نہایت یہ ہے کہ بعض پیغمبر بعض مراتب میں ظہور کے لحاظ سے بڑھ کر اور نور کے لحاظ سے برتر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (سورۃ بقر) (صث ۱۰۲)

پس ان مقدس انوار کی ملاقات سے خدا کی ملاقات حاصل ہوتی ہے۔ اور ان کے علم سے خدا کا علم اور ان کے چہرے سے خدا کا چہرہ (صث ۱۰۳)

خدائے واحد شاہد ہے۔ کہ لقاء سے بڑھکر کوئی بات اور اس سے زیادہ صریح تر کوئی ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ صث ۱۰۴

باب دوم

"حقیقتِ قیامت" رسولؑ کے ذریعے قوم نئی زندگی پاتی ہے"

"قومیں کس طرح مرتی ہیں"

حقیقتِ قیامت

القیام والقیامۃ ۔ مصدر ہے جیسے السلام والسلامۃ ۔ قیامت کے معنی ہیں اُٹھ کھڑا ہونا۔ برپا ہونا۔ اس لئے زمین و آسمان کے ٹوٹ کر گر جانے کو قیامت کہنا بالکل غلط ہے ایسا صریح غلط کہ زبان عربی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ گرنے کو اٹھنا کہا جائے۔ لہٰذا فنائے کرہ یا فنائے عالم کا نام قیامت رکھنا جائز ہی نہیں ہو سکتا۔ پھر معاذ اللہ کلام الٰہی میں ایسی کھلی غلطی کس طرح ممکن ہے۔ کہ وہ گرنے کو اٹھنا کہے۔ اصل لغت و زبان ہی کی کھلی حقیقت سے ثابت ہوا کہ فنا یا گر جانے کو قیامت نہیں کہا جا سکتا۔

ہاں قیامت کے لفظ میں جو اٹھنے کا مفہوم ہے۔ اس کے لحاظ سے ایسی کیفیت کو جس میں اٹھنا موجود ہو۔ قیامت کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے حقیقت قیامت جو خدا نے اپنے کلام میں بتائی ہے یہ ہے۔ کہ خداوند قیوم کی ایک تجلی عظیم سے کلام الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اور کتاب الٰہی کو لے کر جب ایک فرستادۂ الٰہی قیام فرماتا ہے۔ اور اس کے ذریعے ایک نئی قوم بنتی اور قیام کرتی ہے۔ یہ زمانہ روزِ قیامت ہوتا ہے۔ خدا اپنے احکام جدیدہ نافذ کرتا ہے۔ اپنے پیغمبر یا مظہر ظہور کے ذریعے قوموں کے فیصلے کرتا ہے۔ ان فیصلوں کے نتیجے میں قومیں عذاب و ثواب یا ترقی و تنزل پاتی ہیں۔ یہ قیامت ہر صاحبِ شریعت پیغمبر کے ظہور سے برپا ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت رسولؐ

اکرمؐ نے فرمایا۔ کہ میں حاشر ہوں۔ میرے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوتا ہے
حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ کہ قیامت اور زندگی میں ہوں۔ اور آج لوگوں کی
عدالت کی جا رہی ہے۔ سری کرشن سے گیتا میں روایت ہے کہ پرلے اور
مہاپرلے میں ہوں"

ہر صاحبِ شریعت پیغمبر کا ظہور قیامت ہے۔ اور سب پیغمبروں نے اور
حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے۔ کہ ایک بڑی قیامت یا
قیامت کبریٰ آنے والی ہے جب قرآن مجید میں الطّامّۃ الکبریٰ فرمایا ہے
ذیل کی سطروں میں ہم قرآن مجید سے اس مضمون کو واضح کرتے ہیں
کہ قیامت کی حقیقت یہی ہے۔ جو ہم نے ابھی بیان کی۔ اول لفظ قیامت کے
متعلق چند آیات درج کرتے ہیں جن میں یہ مفہوم قطعی طور پر روشن ہے۔
کہ قیامت کے معنی اُٹھنے اور برپا ہونے کے ہیں ملاحظہ ہوں آیاتِ مبارکہ
قرآنیہ کے الفاظ ذیل یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۳۰ لطفیف ع۱)
یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (پ۱۳ یوسف ع۷)۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (پ۲۴ مومن ع۶)
فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ (پ۲۴ زمر)

ان سب آیات میں قیام کا مفہوم روشن ہے۔ فرماتا ہے کہ قیامت وہ دن
ہے جب لوگ خدائے رب العٰلمین کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جس دن
حساب قائم ہوتا ہے جب گواہ برپا ہوتے ہیں۔ جب لوگ قیام کر کے نظر غور
سے دیکھتے ہیں۔ بہرحال قیام کرنے اور برپا ہونے کی کیفیت ہی قیامت میں
مدنظر ہے۔ فنا ہو جانے یا گر پڑنے کی حالت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے

فنائے عالم کو ہرگز ہرگز قیامت نہیں کہہ سکتے۔ اور کلام الٰہی میں کہیں بھی فنائے عالم کو قیامت نہیں کہا گیا۔ ہاں خداوند قیوم کی امری تجلی سے ایک صاحب شریعت پیغمبر کا قیام کرنا اور ایک نئی قوم و امت کا برپا ہونا قیامت کا صحیح مفہوم و مقصود ہے اب اس مدعا کے لئے ہم ذیل میں چند نصوص قرآن پیش کرتے ہیں

جب رسول برپا ہوتا ہے۔ تو خدائے قیوم کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ وہ رسول کو حکم دیتا ہے قُمْ فَاَنْذِرْ (مدثر پ ۲۹) اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا رسولؑ حکم الٰہی کی تعمیل میں کمربستہ ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور سب لوگوں کو پکار کر کہتا ہے۔ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ اے لوگو! خدا کے فرمانبردار ہو کر اٹھ کھڑے ہو یہ وقت عالم انسانی میں ایک نئی زندگی اور قیام جدید کا وقت ہوتا ہے اسی کے لئے خدا تعالیٰ پیغمبروں کو بھیجتا رہا ہے۔ وہ خود فرماتا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (پ ۲۷۔ حدید) یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔ تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ یہاں لفظ لِیَقُوْمَ النَّاسُ روشن کرتا ہے۔ کہ رسول کے برپا ہونے پر لوگوں کا قیام ہوتا ہے اور وہ گری ہوئی حالت سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں یہ دنیا میں بار بار ہوا۔ اور آیندہ بھی ہو گا۔ یہ ہے خدا کی بیان کردہ قیامت جسے لوگوں نے بھلا دیا۔ اور طرح طرح کے اوہام میں مبتلا ہو کر رہ گئے ہیں خداوند عالم فرماتا ہے اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ تطفیف ع پ)
یہ لوگ کیوں خیال نہیں کرتے۔ کہ یہ اس بڑے دن کے لئے اٹھائے گئے۔ جب کہ لوگ رب العلمین کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔
ایک اور جگہ اسی بات کو یوں فرماتا ہے۔ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (پ ع هود) اے رسول جب آپ قوم سے کہیں گے۔ کہ تم لوگ موت کے بعد اٹھائے گئے ہو تو کافر کہیں گے۔ کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔
اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (پ حج ع) اللہ تمہارے درمیان حکم کرتا ہے قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (پ ع سجدہ) تیرا رب ہی فیصلہ دیتا ہے قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں لوگ اختلاف کرتے تھے۔ ان آیات مبارکہ میں صاف صاف فرمایا۔ کہ لوگوں کے اختلافات میں حکم اور فیصلہ قیامت کے دن ہوتا ہے۔ اور یہ واقعہ دنیا میں رسول کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے۔
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (پ یونس ع) اور ہر امت کا ایک رسول ہوتا ہے۔ سو جب ان کا رسول آتا ہے۔ ان لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ان کا حق نہیں مارا جاتا۔

واضح طور پر فرمادیا۔ کہ خدا فیصلہ کرتا ہے رسول کو بھیجکر حکم فیصل
دے دیتا ہے وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا
(پ بقرہ ع) اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے
اختلافات میں حکم فیصل دیدے۔ یعنی وہ رسول صرف ایک واسطہ ہوتا ہے
حکم اور فیصلہ خدا ہی کرتا ہے ہاں رسول کے توسط سے بندوں کو سناتا اور پہنچاتا
ہے۔ فرمایا مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ
قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۰ (پ مومن ع) کوئی رسول
ایک آیت بھی حکم خدا کے بغیر نہیں لا سکتا۔ سو جب خدا کا حکم آتا ہے۔
سچائی کے ساتھ فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ اور وہاں باطل خیالات والے خسارہ
میں پڑجاتے ہیں

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ قیام و بعثت میں جو
حکم الٰہی نافذ ہو رہا تھا۔ اس کے متعلق وضاحت سے صیغۂ حال میں فرمایا
ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۰ بیشک
تیرا رب حکم کر رہا ہے ان لوگوں میں قیامت کے دن۔ ان باتوں میں جن
میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ صاف الفاظ میں فرمایا۔ کہ قیامت کے دن تیرا
رب حکم کر رہا ہے۔ واضح ہو گیا یہ قیامت کا دن ہے۔ جب کہ آج رسول
کے ذریعے خداوند حکم کر رہا ہے۔ قیامت کے دن خداوند عالم حکم کرتا ہے
فیصلہ کرتا ہے اور رسول کے ذریعے اسی دنیا میں کرتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ
قیامت فنائے عالم کا نام نہیں ہے بلکہ کرۂ ارضی پر نوع انسان کی

موجودگی میں رسول کی آمد اور اس کے ذریعے سے نئی قوم کا قیام اور لوگوں میں حق و باطل کا فیصلہ بھی قیامت ہے۔ جو دنیا میں بار بار آئی ہے اور اسی دنیا میں اسی طرح قیامت کبریٰ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے
قیامت میں لوگوں کا حساب ہوتا ہے اور انہیں جزا سزا ملتی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ حساب و جزا سزا ہم برابر قوموں کو دیتے رہتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ۝ (پ ۲۸۔ ع ۱۔ طلاق)

اور بہت سی بستیوں نے اپنے رب کے حکم سے اور خدا کے رسولوں سے سرکشی کی سو ہم نے ان سے حساب لیا سخت حساب اور ہم نے انہیں عذاب دیا برا عذاب سو انہوں نے اپنے کام کا وبال چکھ لیا۔ اور ان کے کام کا انجام سراسر خسارہ ہوا۔ کس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ رسولوں کی آمد پر امر الٰہی کے انکار سے قوموں کا حساب لیا گیا۔ اور انہیں عذاب دیا گیا۔ اسی اصول کی بنا پر سورہ مرسلات میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ کیا ہم نے اولین کو ہلاک نہیں کیا؟ یعنی ہم پہلے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر انہیں کے ساتھ لگا کر آخرین یعنے پچھلے لوگوں کو ہلاک کریں گے۔ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ قانون الٰہی ہے۔ جو اس

عالم ہستی میں ہمیشہ جاری و ساری و عامل ہے۔

پیغمبر کے ذریعے جو ندائے الٰہی بلند ہوتی ہے وہی صور ہے۔ جس سے عالم میں انقلابات رونما ہو جاتے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی نسبت صیغۂ ماضی میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ. قَالُوْا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا. هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ه
اور صور پھونک دیا گیا ہے سو یہ لوگ اپنے گڑھوں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ بولے کہ ارے یہ ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ سے اُٹھا دیا؟ یہ وہ بات ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن نے دیا تھا۔ اور پیغمبروں نے سچ سچ بیان کیا تھا۔ اس آیت مبارکہ میں صور محمدی کے پھونکے جانے کا صاف صیغۂ ماضی میں ذکر ہے۔ آئندہ کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ اس سے واضح ہو گیا۔ کہ قیامت ظہور محمدی میں قائم ہو چکی تھی۔ اور صور پھونکا جا چکا تھا۔ اس سے زیادہ واضح اور کیا الفاظ ہو سکتے ہیں۔ عام عقیدہ کے مطابق اس کا ترجمہ لوگ صیغۂ ماضی ہونے کے باوجود مستقبل کے الفاظ میں کرتے ہیں کہ صور پھونکا جائے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ جب ماضی پر اذا داخل ہو۔ تو مستقبل کے معنیٰ ہوتے ہیں۔ لیکن اس آیت میں اِذا بھی نہیں ہے۔ پھر کسی طرح مستقبل معنیٰ نہیں ہو سکتے۔ صاف صیغۂ ماضی ہے۔ جس سے ثابت ہوا۔ کہ صور پھونک دیا گیا۔ اس سے مراد نفخۂ محمدیہ ہے۔ جس کے زیر اثر یہ لوگ

تھے۔ ان حقائق پر خوب غور کرنا چاہیے۔ عدم تدبر یا تقلید کے پردوں میں گرفتار نہ ہونا چاہیے۔

موت کے دن ہی جزا سزا

تمام پیغمبروں نے یہ تعلیم دی ہے کہ انسان کو اپنی جسمانی زندگی کے ساتھ روحانی زندگی کا خیال رکھنا ضروری ہے بلکہ روحانی زندگی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جسمانی زندگی اسباب کا درجہ رکھتی ہے۔ اور روحانی زندگی مقصود اصلی ہے۔ دین کا امتیازی عمل یہی ہے۔ کہ وہ انسان کے روحانی پہلو کو زندہ کرتا ہے۔ روحانی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ وہی ابدی حیات ہے۔

انسان کی پاک باطنی۔ نیکی خوش اخلاقی یا سچی انسانیت ہی اس کے لئے اصل زندگی ہے۔ پیغمبروں نے تمام خوبیوں کو "ایمان" و "عمل صالح" کے مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جو شخص اسی موجودہ زندگی میں ایمان و عمل صالح سے فائز ہو گیا۔ وہ نجات و فلاح پا گیا۔ اُس نے نقدِ جنت حاصل کر لی ہے۔ وہ اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد فوراً روح و ریحان اور جنت نعیم میں رہیگا۔ اور جو شخص ایمان و عمل صالح سے محروم ہے وہ بے ایمانی اور بدکرداری میں مبتلا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کی جہنم میں ڈال دیا ہے۔ مرنے کے بعد ہی وہ دوزخ میں دُکھ اٹھائیگا۔ اچھے اور برے اعمال کی جزا سزا ایک حد تک اس جہان میں بھی ملتی ہے۔ اور مرنے کے بعد فوراً انسان بہشت و دوزخ اور عذاب و ثواب پاتا ہے۔ چنانچہ

خداوند عالم فرماتا ہے۔
جب روح حلق تک آ پہنچتی ہے۔ اور تم اُس وقت تکتے رہ جاتے ہو اور
تم سے بھی زیادہ ہم اس مرنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں۔ مگر تم بصیرت
نہیں رکھتے۔ سو اگر تم دستِ قدرت کے ماتحت جزا و سزا پانے والے نہیں
ہو تو اُس روح کو بدن میں واپس کیوں نہیں لے آتے۔ پھر اگر یہ مرنے والا
مقرب بندوں میں سے ہے۔ تو فوراً آرام و راحت اور جنتِ نعیم ہے۔
اور اگر مرنے والا اصحٰبُ الیمین (عام مومنین) میں سے ہے۔ تو تیرے
لئے اصحٰب الیمین سے سلام و امن و امان ہے۔ اور اگر مرنے والا حق کو
جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہے۔ تو کھولتے پانی سے دعوت اور
دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (سورۃ واقعہ پ۲۷)

یہاں صاف صاف فرمایا ہے۔ کہ مرنے کے ساتھ ہی جزاء سزا جنت
دوزخ مل جاتی ہے۔

اسی سلسلہ میں فرماتا ہے۔ کہ جس وقت ملائکہ ظالموں کی روح کو قبض
کرتے ہیں۔ تو ان سے کہتے ہیں فَادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا (پ۱۴
ع) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہنے والے اور مومنین
کے متعلق فرماتا ہے کہ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ
اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پ۱۴ ع) جن لوگوں کو ملائکہ وفات دیتے
ہیں۔ ایسے حال میں کہ وہ پاکیزہ ہوتے ہیں۔ ملائکہ کہتے ہیں۔ تم پر سلام و سلامتی
اپنے اعمال کے باعث جنت میں داخل ہو جاؤ۔

سورۂ انعام میں فرماتا ہے۔ کاش تو وہ منظر دیکھتا جب کہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں۔ اور ملائکہ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کی سزا دی جائیگی۔ اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نسبت ناحق باتیں کہتے تھے۔ اور اس کی آیت سے تکبر کرتے تھے۔ اور تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو۔ جیسا ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا (پ۔ ع)

اس آیت مبارکہ میں صاف فرما دیا ہے۔ کہ مرنے کے ساتھ ہی اعمال کا نتیجہ ملتا ہے۔ الفاظ بالکل صریح ہیں۔ کہ روح قبض کرتے وقت ہی ملائکہ کہتے ہیں آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی۔

سورۂ نوح میں غرق ہونے والے منکرین حق کے متعلق فرمایا۔ مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کر کے داخل نار کر دیئے گئے۔

ان تمام آیاتِ مبارکہ سے روشن ہو گیا۔ کہ انسان مرنے کے دن ہی اعمال کی جزا سزا یعنی جنت و دوزخ پا لیتا ہے۔ کسی بعید زمانہ کا انتظار نہیں کرنا پڑتا نہ کسی حساب کتاب کے لیئے جزا سزا موقوف رہتی ہے۔ موت کے ساتھ ہی جزا سزا ملتی ہے۔

اس حقیقت کے ثابت ہونے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب انسان کو مرنے کے ساتھ ہی جزا سزا اور بہشت و دوزخ مل جاتی ہے۔ تو پھر کسی آیندہ وقت پر جزا سزا کے موقوف ہونے کا عقیدہ غلط ہے۔

اور اگر یہ صحیح فرض کر لیا جائے کہ ایک وقت جسے قیامت سمجھا جاتا ہے لوگ

اٹھائے جائیں گے۔ اور حساب کتاب اور میزان عدل میں اعمال تولے جانے کے بعد جزا سزا ملے گی۔ تو پھر مذکورہ بالا آیات میں جو صاف صاف فرمایا ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہی جنت دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو حساب کتاب سے پہلے ہی یہ جزا سزا کیوں دی گئی؟

اس سلسلہ میں ایک یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ جنت دوزخ اب بھی موجود ہیں جن میں انسان مر کر روزانہ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ تو پھر یہ عقیدہ کہ قیامت کے دن پہلا صور پھکنے پر خدا کے سوا سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ موجودہ جنت دوزخ بھی فنا ہو جائے گی۔ حالانکہ مسلّم ہے۔ جنت دوزخ کو فنا نہیں ہے اور جنتی دوزخی ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔ فنائے عالم کے وقت قبریں بھی نیست و نابود ہو جائیں گی۔ پھر وہ کونسی قبریں ہوں گی۔ جن میں سے لوگ اٹھائے جائیں گے۔

امت کی حیات بعد الممات

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ٥ (پ ۱۴۔ ع ۱۴)

اور خدا نے اوپر سے پانی اتارا۔ سو اس کے ذریعہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا۔ یقیناً اس میں سننے والی قوم کے لئے نشان ہے "اَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" یہ الفاظ قرآن مجید میں جگہ جگہ وارد ہیں۔ از انجملہ مقامات ذیل پر دیکھنا چاہیے (پ ۲۔ ع ۴) (پ ۲۱۔ ع ۳) (پ ۲۵ ع ۱۷) ان

آیات مبارکہ میں اس حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے۔ کہ زمین کی قوت نامیہ خشکی کے باعث جاتی رہتی ہے۔ تو زمین مردہ ہو جاتی ہے۔ سبزہ نہیں اگاتی۔ جب مینہ برستا ہے۔ اور زمین پانی پیتی ہے۔ تو نئی زندگی پاتی ہے اسی طرح انسانی قلوب آسمانی پانی یعنی وحی ربانی کے بند ہو جانے سے خشک ہو جاتے ہیں مرجاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نئی وحی کی بارش سے پھر انہیں جلا دیتا ہے۔ خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ تم زمین کو پژمردہ دیکھتے ہو۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں۔ وہ لہلہاتی اور نشوونما پاتی ہے۔ یقیناً جس خدا نے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ البتہ وہی مردوں کو زندہ کرنے والا وہ ہر شے پر قادر ہے اُس نے ہر چیز کا ٹھیک پیمانہ مقرر کیا ہوا ہے۔ (پ ۲۴ - ۱۹)

سورۂ ق میں فرمایا ہے کہ ہم نے اوپر سے مبارک پانی اتارا وَ اَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ؀ اس پانی کے ذریعے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کر دیا اسی طرح مردگی سے لوگوں کا نکلنا ہوتا ہے۔ چنانچہ امت محمدیہ کے بارے میں فرمایا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی۔ ظاہر ہے۔ کہ امت محمدیہ کسی مٹی یا قبر سے نہیں نکالی گئی۔ اُس مردگی اور بری حالت سے نکالی گئی ہے۔ جس میں اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ جو لوگ انتہائی دنیا پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور پست زندگی میں ایسے پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ ان میں روحانی زندگی کا شمہ بھی باقی نہیں رہتا۔ وہ اپنی پست حالت سے نہیں نکل سکتے۔

وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا (پ ۲۵ - ۶)

"اور تمہیں ادنیٰ زندگی نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ آج وہ اس پست زندگی سے نہیں نکلیں گے۔"

جو لوگ بری زندگی سے نہیں نکل سکتے۔ ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جو تاریک زندگی سے نکال لیے گئے۔ ان کا ذکر خدا نے یوں کیا ہے "کیا وہ جو مُردہ تھا ہم نے اُسے زندہ کر دیا۔ اور اس کے لیے ایک روشنی بنا دی جسے وہ لوگوں میں لیے پھرتا ہے۔ کیا اُس شخص کی مانند ہوگا۔ جو اندھیریوں میں پڑا ہے۔ اُن میں سے نکلنے والا ہی نہیں۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال خوبصورت بنا دیئے گئے ہیں۔ (پ ۸ - ع ۲)

امتِ محمدیہ میں برپا ہونے والے لوگ جو پہلے مردے تھے۔ زندہ کر دیئے خدا نے اس کے ساتھ یہ بھی خبر دی ہے۔ کہ وہ پھر مردے بنائے جائیں گے اور پھر زندہ کئے جائیں گے۔ فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ (پ ۱۷ - ع ۱۶)

خدا وہ ہے جس نے اے مسلمانو! تمہیں جِلایا پھر مارے گا پھر جِلائیگا۔ بیشک انسان ناشکرا ہے۔ اور فرمایا ہے تم خدا کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ حالانکہ تم مُردہ تھے۔ سو اُس نے تمہیں جِلایا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا۔ پھر تم اُسی کی طرف راجع کئے جاؤ گے۔ (پ ۱ - ع ۳)

سورۃ جاثیہ میں فرمایا ہے۔ کہ جب ہماری آیات بیّنات ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ تو ان کی حجت بس یہی ہوتی ہے۔ کہ ہمارے آباء یعنی بزرگوں کو اپنے ساتھ کر لو اگر تم سچے ہو۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ

يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (پ ۲۵ - ۱۷۴)

اے پیغمبرؐ کہدے کہ خدا تمہیں جلا رہا ہے پھر تمہیں مار یگا۔ پھر تمہیں باہم ملائے گا۔ قیامت کے دن تک جس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یہ آیت صاف اور قطعی بیان ہے۔ کہ ظہور محمدی سے لوگوں کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ پھر امت پر موت وارد ہو گی۔ اور پھر جلا ئی جائے گی۔ یہ صاف پیشگوئی ہے کہ بعد کو اور ظہور حق ہو گا۔ جس کے ذریعے امت زندہ کی جائے گی۔ اگر یہاں لفظ یُحْیِیْکُمْ سے مراد ہو کہ خدا تمہیں قیامت میں جلائے گا تو قیامت کے بعد پھر تم کو مارے گا" یہ کیا بات ہے؟ موہوم قیامت کے دن زندہ ہونے کے بعد تو کوئی موت نہیں۔

اہل قبور سورۃ الروم میں فرماتا ہے۔ کہ خدا کی رحمت کے اثرات کو دیکھ وہ کس طرح زمین مردہ کو زندہ کر رہا ہے دبعثت محمدیہ سے لوگوں کو نئی زندگی بخش رہا ہے۔ بیشک وہی مردوں کا جلانے والا ہے۔ اور ہر چیز کا باقاعدہ پیمانہ مقرر کرنے والا وہی ہے۔

اے رسول! تو مردوں کو کلام حق نہیں سنا سکتا۔ اور نہ بہروں کو اپنی دعوت تبلیغ سنا سکتا ہے۔ جب کہ یہ مردے اور بہرے منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اور تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راہ نہیں دکھا سکتا۔ تو تو صرف انہیں لوگوں کو اپنی دعوت سنا سکتا ہے۔ جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ (پ ۲۱ ع ۶)

اسی بات کو سورۃ الفاطر میں بیان کیا ہے۔ زندے اور مردے یکساں نہیں ہو سکتے۔ خدا جسے چاہتا ہے سناتا ہے۔ اور تو ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں سنانے والا نہیں۔ تو تو صرف نذیر ہے۔ (پ۲۲ ع ۱۵)

مردے اور قبروں میں پڑے ہوئے لوگ وہ منکرین حق ہیں جو ختم اللہ علیٰ قلوبہم کا مصداق ہیں۔ اور زندہ جن میں ذرا بھی حق جوئی کی روح ہے انہیں کو پیغمبر اور کلام الٰہی ہوشیار کرتے ہیں۔ سورۃ یٰسین میں فرماتا ہے۔ کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو یہ کلام دیا ہے سو ہم نے انہیں شعر زبانی نہیں سکھائی یعنی یہ قرآن کوئی شاعرانہ رنگ کا کلام نہیں ہے۔ یہ تو سراپا نصیحت اور روشن کتاب ہے تاکہ ان لوگوں کو ڈرا دے جن میں جان ہے۔ اور کافروں پر حجت قائم ہو (جو مردے ہیں) (پ۲۳۔ ع۴)

منکرین حق کے مردے ہونے کا بیان سورۂ نحل میں اس طرح آیا ہے کہ وہ لوگ جو خدائی دعوت و تبلیغ سے الگ ہو کر غیر اللہ کی طرف سے دعوت اور پرچار کرتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں بنا سکتے بلکہ وہ بنائے جاتے ہیں۔ وہ مردے ہیں نہ کہ زندے۔ اور انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کا انجام کب اور کیسا ہوگا (پ۱۴۔ ع ۱۱)

صاف فرمایا۔ کہ خدائی دعوت کے خلاف جو لوگ دعوت دیتے رہتے ہیں وہ مردے ہیں۔ نہ کہ زندے اور یہ زندگی و موت شاعرانہ بات اور خیالی چیز نہیں ہے بلکہ ایک واقعی حقیقت ہے۔

تمام پیغمبر یہی حقیقت سکھانے کو آتے ہیں۔ کہ انسانیت کا مرجانا انسان

کی حقیقی موت ہے اور انسان میں حقیقت انسانیت کا زندہ ہوجانا حقیقی زندگی ہے لیکن بہت لوگ ہیں
جو صرف جسمانی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ اور بس۔ انسانی زندگی کے
روحانی پہلو سے انکار کرتے ہیں۔

قَالُوْا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ۔
(پ ۲۵ ع ۱۴) اور کہتے ہیں کہ صرف ہماری یہ قریبی زندگی ہی ہے۔ ہم مرتے
جیتے ہیں اور ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور کچھ نہیں۔

اس کے آگے خداوند عالم فرماتا ہے

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۔ ان لوگوں کو زندگی کی حقیقت
کا علم نہیں یہ تو صرف ایک وہم میں مبتلا ہیں۔

اور فرماتا ہے:-

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (سورہ روم)
یہ لوگ صرف ظاہری حیات ادنیٰ کو جانتے ہیں۔ اور زندگی کی دوسری کیفیت
باطنی سے بالکل بے خبر ہیں۔

یعنی صرف مادی زندگی کو تو مانتے ہیں اور روحانی زندگی کا انکار کرتے
ہیں۔ حالانکہ روحانی زندگی ہی اصل زندگی اور فلاح و بہبودی ہے اور صرف
مادی زندگی تو نامرادی و ناکامی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ
دَسّٰهَا جو کوئی اپنے نفس کا تزکیہ کرلیتا ہے۔ جو روحانی زندگی کی حقیقت
ہے۔ وہ بامراد ہوتا ہے اور جو کوئی اپنے نفس کو خاک میں دبا دیتا ہے۔ یعنی
مادیت میں پھنس کر رہ جاتا ہے وہ نامراد ہوتا ہے۔

بعث بعد الموت

خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں دہاں یہ بھی نعمت یاد دلائی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (پ بقرہ ع)

پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد اُٹھایا تاکہ تم شکر گذار ہو۔

بنی اسرائیل کی قومی موت کا ذکر خود توراۃ میں طرح طرح سے آیا ہے۔

کتاب حزقیل بنی ۳۷ میں یوں ذکر آتا ہے

"خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اس نے مجھے خداوند کی روح میں اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی۔ اتار دیا .... اور اس نے مجھے کہا اے آدم زاد! دیکھ کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں....... پھر اس نے مجھے کہا۔ کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ کہ اے سوکھی ہڈیوں! خداوند کا کلام سنو ...... سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی۔ اور وہ جی اُٹھے۔ اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔ تب اس نے مجھے کہا۔ کہ اے آدم زاد یہ ہڈیاں سارے اہلِ اسرائیل ہیں۔ دیکھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں۔ اور ہماری امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے"

قرآن مجید میں اسی قسم کے خیالات کا ذکر یوں آیا ہے اور انہوں نے جو حق سے حجاب میں پڑے ہیں کہا کیا جب کہ ہم اور ہمارے بزرگ خاک ہو گئے ہیں۔ تو کیا اس بری حالت سے نکالے جا سکیں گے۔ ہمیں اور ہمارے

بزرگوں کو پہلے بھی یہ وعدہ دیا گیا تھا۔ یہ تو بے ثبوت باتیں ہیں۔ جو اگلے لوگوں سے نقل ہوتی آئی ہیں"

خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ ایک رسول کی قوم میں سے منکر و مکذب جو ادنیٰ زندگی کے مزوں میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول کے متعلق کہا۔ کہ یہ تم جیسا ہی ایک معمولی بشر ہے۔ جو تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے جو تم پیتے ہو۔ وہی یہ پیتا ہے۔ اگر تم اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کرو گے۔ تو سراسر نقصان اٹھاؤ گے۔ کیا یہ رسول تمہیں وعدہ دیتا ہے۔ جب کہ تم خاک ہو گئے۔ اور ہڈیاں رہ گئے ہو۔ تو تم اس حالت سے نکال لئے جاؤ گے۔ بہت ہی بعید ہے۔ بہت ہی بعید ہے۔ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ اس ظاہری زندگی کے سوا اور کچھ بھی زندگی نہیں ہے۔ یہی ہماری موت و زندگی ہے۔ اور ہم نئی روحانی زندگی میں نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (پ ۱۸ - ع ۳)

سورہ ق میں فرماتا ہے۔

بلکہ یہ تعجب میں پڑے ہیں کہ ان میں سے ان کے پاس ایک ڈرانے والا (پیغمبر) آیا۔ تو ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے۔ کہا کہ یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ کیا جبکہ ہم مر چکے ہیں اور خاک ہو گئے ہیں؟ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹنا بعید ہے (خداوند تعالےٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم لوگ تو نئی زندگی کو بعید کہہ رہے ہو اور واقعہ یہ ہے کہ تم میں سے ہی لوگ روزانہ نئی زندگی پا رہے ہیں۔ اور تم مردوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے)

فرمایا ہم خوب جانتے ہیں۔ جو کچھ زمین انہیں گھٹاتی جاتی ہے اور ہمارے

پاس ایک کتاب ہے جو نگران ہے۔ (یعنی کلام الٰہی جو نازل ہو رہا ہے
وہ انہیں ہلاکت سے بچا کر نئی زندگی میں داخل کر رہا ہے) بات یہ ہے
کہ ان لوگوں نے حق و حقیقت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ سو وہ الجھن میں پھنسے
ہوئے ہیں"۔ اسی سورت میں آگے فرماتا ہے۔ کہ جیسے آسمانی بارش سے زمین
لہلہاتی ہے۔ اور مردہ بستی زندہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کا مردگی
سے نکلنا ضرور ہے (جبکہ آسمان سے وحی الٰہی کا پانی برس رہا ہے)

سورۃ الرعد میں فرماتا ہے۔ اے پیغمبر! اگر تو تعجب کرے۔ تو ان کی یہ
بات قابل تعجب ہے۔ کہ جب ہم خاک ہو گئے ہیں۔ تو کیا ہم از سر نو بنائے
جائیں گے؟ یہ لوگ تو اپنے نشو و نما دینے والے خدا سے منکر و محجوب
ہیں۔ اس کی ربوبیت کی شان سے غافل ہیں۔ ان لوگوں کی گردنوں میں (اوہام
جہالت اور تقلید کی) زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں۔ اسی
میں ہمیشہ رہیں گے (پ۱۳۔ ع۷)

ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ اے رسول! جب تو قرآن پڑھتا
ہے۔ تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو دوسری زندگی (حیات روحانی)
کو نہیں مانتے ایک چھپا ہوا (باطنی) پردہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں
پر اس کے سمجھنے سے روکنے والے پردے ڈال دیتے ہیں۔ اور ان کے کانوں
میں ٹھیٹھ لگا دیتے ہیں"۔ مقصد یہ کہ روحانی زندگی سے بے خبر ہونے کا یہ اثر
ہے۔ کہ وہ کلام الٰہی کے حقائق کو سمجھنے سے قاصر اور محروم رہ جاتے ہیں
اسی لئے خدا ان لوگوں کو اندھے گونگے۔ بہرے قرار دیتا ہے۔

النشاۃ الآخرۃ

خدا نے بعثت محمدیہ کے ذریعے لوگوں کو نئی زندگی میں برپا کیا اور ساتھ ہی فرما دیا۔ کہ تمہیں ہم نے زندہ کیا ہے پھر تمہیں موت دینگے اور پھر نشاۃ آخرۃ میں تمہیں اٹھائینگے اب ظہور حضرت بہاءاللہ سے اس نشاۃ آخرۃ کا زمانہ آگیا ہے۔

دور محمدی کے بعد نشاۃ آخرۃ کا وعدہ صریح الفاظ میں فرمایا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے۔ کہ اللہ کیسے از سرنو خلق کر رہا ہے۔ اور پھر اس کا اعادہ کرے گا۔ یہ خدا کیلئے آسان ہے۔ کہدے (اے لوگو!) تم جہان میں سیر و سفر کرو۔ غور سے دیکھو۔ کہ خدا نے کیسے آغاز خلق کیا ہے۔ اور پھر اللہ دوسری اٹھان اٹھائے گا۔ یقیناً اللہ ہی ہر چیز کا صحیح پیمانہ مقرر کرنے والا ہے۔ (پ ۲۰ - ۱۷۶)

اس آیت میں صاف اعلان ہے کہ دنیا میں پھر کو دیکھو۔ کہ خدا نے کیسے آغاز خلق کیا ہے۔ یعنی بعثت محمدیہ کے ذریعہ نئے لوگ برپا ہوئے ہے اور نئی امت بنائی جا رہی ہے۔ پھر اس امت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد ایک دوسرے ظہور حق سے نئی امت مبعوث برپا ہوگی۔

اہل بہاء بحکم خدا۔ بشارت سناتے ہیں۔ کہ یہ وعدہ پورا ہوا۔ ظہور حضرت باب و حضرت بہاءاللہ کے ذریعہ نشاۃ آخرۃ ہو رہی ہے اور اب اسی کا دور جاری ہے۔

نئی زندگی کی پکار

خداوند محبوب آج اپنے بندوں سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کی ہر ایک بات شہاد شفا اور ہر کلمہ

آبِ حیات ہے۔ دو جہان کا مالک کرسی قدرت پر جلوہ افروز ہے۔ عدالت کر رہا ہے اور انعام و اکرام دے رہا ہے۔ بردباری سکھا رہا ہے۔ راہِ نجات دکھا رہا ہے۔ آج اس کی تازہ شریعت میں تمام گذشتہ شریعتیں اس طرح سما گئیں۔ جیسے سمندر میں نہریں اور دریا سما جاتے ہیں۔

خدا کے چاہنے والو! گوشِ دل سے اپنے مالک کی آواز سنو۔ اور تمام دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جاؤ۔ ہر ایک اُلجھن سے نکل آؤ۔ ہمیشہ ساتھ رہنے والی روشنی میں داخل ہو جاؤ۔ فرحت و مسرت کے پروں سے خدائی محبت کی ہوا میں پرواز کرو۔ آج وہ بے نیاز بلند آواز سے فرما رہا ہے۔ کہ خوشی کا عالم آ گیا ہے۔ غمزدہ نہ ہو۔ رحمت کے چشمے ابل رہے ہیں۔ خوش ہو کر کوئے دوست کی طرف چلو۔ جسم بے جان مردہ ہوتا ہے۔ دل محبوب کی یاد کے بغیر پژمردہ ہے۔ آج وہی جسم روح رکھتا ہے۔ جو کہ جان و دل سے کوچۂ جاناں کی طرف جا رہا ہے۔ وہ مردہ ہے۔ جو آج دلکش صبح کے وقت نہیں جاگتا۔ وہ قیدی ہے۔ جو اپنے آزاد کرنے والے کو نہیں پہچانتا اور حرص و ہوا کے قیدخانہ میں سرگردان ہے۔

کمر ہمت مضبوط باندھو۔ تاکہ گرفتار لوگ گرفتاری سے چھوٹ کر آزادی حاصل کریں۔ دنیا کے ظالموں نے قوموں کے حقوق دبا رکھے ہیں۔ اور پورے زور و طاقت سے اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ندائے الٰہی جو آج بلند ہو رہی ہے۔ کسی ملک یا شہر کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ تمام جہان کیلئے ہے۔ سارے عالم کے باشندوں کو اسے قبول کرنا

اسے مضبوط پکڑنا چاہیئے۔ جو کچھ خداوند عالم کی طرف سے نازل و ظاہر ہوا ہے۔ اور وہم کے دلدل تمام لیں۔ اور حقیقی آزادی سے بہرہ مند ہوں۔ غفلت اور وہم کے دلدل سے نکل آئیں۔ بغض و حسد کی خاک و دھول سے بچیں۔ آسمانِ محبت و عرفان میں پرواز کریں۔ اپنے دلوں کے طاقچوں میں استقلال کے چراغدان پر ہدایت کے تیل سے روشن کئے ہوئے چراغِ محبت الٰہی کو توکل کے فانوس میں مشرکوں کی پھونکوں سے بچائے رکھیں۔

کیا فنا کو "قیامت" کہہ سکتے ہیں

محققین کے لئے دعوتِ فکر و نظر

قیامت کے متعلق غلط عقیدۂ عوام

زمین و آسماں برباد ہو جائینگے اک پل میں
فنا کی نیند سب ذی روح سو جائینگے اک پل میں
عدم ہو جائیں گے سب کارخانے ہستی کے
مٹا جائینگے نام و نشاں ہر ایک بستی کے

پھونکے گا صور جس کا شور کچھ ایسا بپا ہوگا
خدا باقی رہیگا ماسوا سب کچھ فنا ہوگا
قیامت اس کو کہتے ہیں۔ خیالِ عام ہے یہ تو
مگر ہم صاف کہتے ہیں۔ خیالِ خام ہے یہ تو

قیامت کے معنی قیام ہیں نہ کہ فنا

القیامۃ اصلہا ما یکون من الانسان من القیام دفعۃ واحدۃ (مفردات راغب)

قیامت کیا ہے؟ یکدم آدمی کا اٹھ کھڑا ہونا
وہ اٹھنا جس کا مفہوم مخالف ہے "پڑا ہونا"
فنا سے کیا تعلق ہے بھلا لفظِ قیامت کو
عدم کا نام گو یا دے رہے ہیں ہم قدامت کو
حقیقت جب یہ ہے وہ کہیں کوئی رہ نہیں سکتا
فنا کو اب کوئی ہرگز قیامت کہہ نہیں سکتا

کلامِ الٰہی میں فنا کو قیامت ہرگز نہیں کہا گیا

قیامت سے اگر مقصود ہوتا فنائے زماں ہوتا
کلام اللہ میں تصریح سے اس کا بیاں ہوتا

ہستی فیضِ الٰہی ہے اور فیضِ الٰہی کبھی منقطع یا ختم نہیں ہو سکتا

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ (قرآن مجید)

قیامت ہو اگر کل بزمِ ہستی کا عدم ہونا
تو لازم آئے گا فیضانِ رب کا منتہم ہونا
ہمیشہ سے ہمیشہ تک خدا کا فیض جاری ہے
کبھی وہ منقطع ہوتا نہیں، جو فیضِ باری ہے

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (قرآن مجید)

ازل سے تا ابد خورشیدِ قدرت جلوہ آرا ہے
ہمیشہ جگمگاتا ہے وہی سب کا سہارا ہے
کبھی وہ ایک لمحہ کے لئے مخفی نہیں ہوتا
خدائے پاک کہتا ہے کہ میں ہرگز نہیں سوتا

خدا ہمیشہ ایک شانِ قدرت دکھاتا ہے

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (قرآن مجید)

رہے سلطان باقی۔ سلطنت معدوم ہو جائے
وہ اپنی سلطنت کی شان سے محروم ہو جائے
خدائے دو جہاں اپنی خدائی کھو نہیں سکتا
یہ ہرگز ہو نہیں سکتا۔ یہ ہرگز ہو نہیں سکتا

وہی خالق ہے سب مخلوق اس کے زیر سایہ ہے
خدا کے فیضِ قدرت کا بڑا مضبوط پایہ ہے
نمایاں نیرِ قدرت کا لامحدود جلوہ ہے
ہمارا کرۂ خاکی بھی اِس کا ایک ذرہ ہے

خدا کے مقابل اب بھی ہر چیز فنا ہو رہی ہے

کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قرآن مجید)

حقیقی ہستی ذاتی جو اپنے آپ دائم ہے
وہ صرف اور صرف اک پروردگار حیّ و قائم ہے
خدا کے سامنے اس وقت بھی ہر چیز فانی ہے
کہ حادث ہے بدلتی رہتی ہے اور آنی جانی ہے

خلاصہ:- عالم ہستی کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا - ہمارا کرۂ دنیا بے شمار کروں میں سے ایک ہے۔ اگر یہ کرہ مٹ جائے تو ضروری نہیں کہ کل عالم ہستی معدوم ہو جائے۔ کل عالم ہستی کبھی فنا نہ ہوگا۔ کرۂ دنیا کے فنا کو قیامت ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ خدا کے کلام میں کہیں اور کبھی فنا کو قیامت نہیں کہا ہے۔ یہ سخت غلط فہمی ہے۔ کہ فنا کو قیامت کہا جاتا ہے۔

قیامت ایسی ہوتی ہے قیامت اسکو کہتے ہیں

خدا قیوم ہے یعنی وہی بالذات قائم ہے
اور اس کے فیض سے یہ بزم موجودات قائم ہے
وہ جب قیومیت کا جلوۂ اعظم دکھاتا ہے
زمانے کے لئے اک مظہر قیوم آتا ہے
وہ آکر پھونکتا ہے صور اور مردے جِلاتا ہے
وہ شرع تازہ لاتا ہے نئی امت بناتا ہے
قیامت ہے یہی جب مظہر قیوم قائم ہو
نئی اک قوم برپا ہو جو مختار عزائم ہو
جب اس دنیا میں کوئی صاحب شرع جدید آیا
قیامت ہو گئی برپا۔ نیا روز سعید آیا
یونہی آدم سے تا ابن مریم قیامت ہوتی آئی ہے
یہ سب اقوام میں نوبت بہ نوبت ہوتی آئی ہے
کیا پھونکتے تھے صور۔ جب مرلی بجاتے تھے
"میں پہلے اور مہا پرلے" کرشن یہ نغمہ سناتے تھے
پکارا حضرت عیسیٰ نے میں نور و ہدایت ہوں
زمانے کے لئے "میں زندگی ہوں اور قیامت ہوں"

محمد مصطفےٰ نے جب "انا الحاشر" پکارا تھا
قیامت ہو رہی تھی حشر تو ہنگامہ آرا تھا
فراہم ساری قومیں ہو گئیں میدانِ محشر میں
رہیں کچھ خیر میں باقی فنا کچھ ہو گئیں شر میں
جو قومیں ہو گئیں محروم اقرارِ رسالت سے
لگی تھی اُن پہ فردِ جرم سرکارِ رسالت سے
جو مومن ہو گئے۔ نیکی کا پلہ ہو گیا بھاری
اُنہیں کے واسطے فرمانِ رحمت ہو گیا جاری

ختم نبوت اور قیامت کبریٰ

کیا خاتم نے آکر ختم۔ جب دورِ نبوت کو
تو فرمایا کہ اب تم جلد دیکھو گے قیامت کو
سنو دورِ نبوت ساعتِ صغریٰ کا منظر تھا
اور اس کے بعد دورِ ساعتِ کبریٰ مقرر تھا
مقرر دہر میں سب سے بڑی جو اک قیامت تھی
نبوت اس بڑے دورِ قیامت کی بشارت تھی
نبی ہر اک یہ کہتا تھا قیامت آنے والی ہے
جو مقصودِ نبوت ہے وہ ساعت آنیوالی ہے

قیامت ہی کے اعلانات سے لبریز ہے قرآن
قیامت کی بشارت میں طرب انگیز ہے قرآن

ظہورِ بہاء اللہ
وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ

خدا کے مظہرِ قیومیت نے صور پھونکا ہے
زمین و آسماں بدلے ہیں وہ ناقور پھونکا ہے
قیامت ہو رہی ہے۔ محشرِ اکبر بپا ہے
عدالت ہو رہی ہے۔ محضرِ انور ہویدا ہے

فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ

وہ سلطانِ حقیقی جلوہ گر ہے عرشِ نوری پر
خشیت اور ہیبت چھا گئی ہر ایک طوری پر
سراسر محوِ حیرت ہیں زمین و آسماں والے
سراپا مست و بیخود ہیں مکان و لامکاں والے

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ

خدا کا فضل ہے جن پر انہیں کے ہوش باقی ہیں
زمانہ کے لئے وہ بادۂ وحدت کے ساقی ہیں

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا

کتابیں کھل رہی ہیں دفتر اعمال کھلتے ہیں
سبھی اقوام کے مخفی سے مخفی حال کھلتے ہیں
جزا اپنے عمل کی پا گیا۔ ہر اک۔ قیامت میں
کسی نے زندگی پائی۔ کوئی تھا بہلاکت میں
خدا کے امر بر حق سے عدالت ایسی ہوتی ہے
قیامت اس کو کہتے ہیں قیامت ایسی ہوتی ہے

رسول کے قدم لینے سے قوم نئی زندگی پاتی ہے
باب چہارم

محقق۔ کیا آپ یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ایک دن ایسا آئیگا۔ جب لوگ قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے؟

مدقق:۔ یہ بات کلام الٰہی سے ثابت نہیں۔ کہ ایک دن آئیگا جب لوگ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جائیں گے۔ جب کلام الٰہی سے یہ بات ثابت نہیں تو مومن کا فرض ہے کہ اسے تسلیم نہ کرے۔ اس لئے ہم بھی اس بات کو نہیں مانتے

محقق:۔ قرآن شریف سورۂ بقر میں خدا فرماتا ہے کہ تم مردے تھے اس نے تمہیں جلایا۔ پھر تمہیں مارے گا۔ پھر جلائیگا۔ پھر تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اس جگہ صاف فرما دیا کہ انسان مرنے کے بعد ایک دن جلائے جائینگے اس سے زیادہ صاف بیان اور کیا ہوگا؟

منکر: جس آیت کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ اسکو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں پہلا کلمہ یہ ہے۔ کہ تم مُردے تھے۔ ہم نے تمہیں جلایا" مردہ صرف اس وقت کسی کو کہہ سکتے ہیں۔ جب وہ اپنی حاصل شدہ زندگی سے محروم ہو گیا ہو کیونکہ موت زوالِ حیات کا نام ہے۔ جس چیز میں ابھی تک زندگی نہیں آئی۔ اُسے مردہ نہیں کہہ سکتے۔ کبھی پتھر کو بھی کوئی مردہ کہہ سکتا ہے؟ جس نے کبھی زندگی نہیں پائی۔

محقق:- اس بات کا مطلب کہ تم مردے تھے۔ ہم نے تمہیں جلایا" یہ ہے کہ تم نطفہ کی حالت میں مُردے تھے۔ ہم نے تمہیں شکمِ مادر میں پیدا کر کے جلا دیا۔

منکر:- آپ کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ نطفہ کوئی مردہ چیز نہیں وہ تو ایک زندہ چیز ہے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ پھر مُردے سے مراد نطفہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مُردہ تو اُسے کہتے ہیں۔ جسے پہلے زندگی حاصل ہو۔ اور پھر وہ زندگی سے محروم ہو جائے۔ جیسا کہ خود آیت میں یہ الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ پھر تمہیں مار یگا اور پھر جلائے گا۔ یعنی حیات کے بعد موت اور موت کے بعد حیات دیگا۔ نطفہ کو مردہ قرار دینا مشاہدہ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ اس لئے آیت میں مردہ سے مراد نطفہ نہیں ہو سکتا۔

محقق:- پھر اس سے کیا مراد ہے؟

منکر:- "تم مُردے تھے" یہ خطاب قوم کو ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخاطب انسانوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔ کہ تم مُردے تھے۔ خدا

نے تمہیں جلایا" تم قومی و ایمانی لحاظ سے مُردے تھے۔ خدا نے میرے ذریعے تمہیں زندہ کیا ہے۔ پھر اسی طرح تم مُردہ ہو جاؤ گے۔ اور خدا پھر تمہیں زندہ کریگا۔ جیسا میرے ذریعے تمہیں زندہ کیا۔ پھر ایک ظہورِ حق کے ذریعے تمہیں زندہ کردیگا۔ آیت مذکورہ کا یہ مفہوم صحیح مفہوم ہے۔ اِس کے سوا کوئی دوسرا مفہوم درست نہیں۔ نطفہ کو مُردہ کہنا حقیقت کے خلاف ہے۔ اور ایسا ترجمہ کرنا زبانِ عرب کے ہرگز موافق نہیں۔ اور اگر اس فقرہ کا مطلب کہ پھر تمہیں ماریگا اور پھر جلائے گا۔ یہ ہے کہ تمہیں قبروں میں سے زندہ کرکے نکالے گا۔ تو پہلے فقرہ میں بھی قبروں سے نکالنا مراد کیوں نہیں لیتے۔ جو فرماتا ہے۔ کہ تم مُردہ تھے ہم نے تمہیں جِلایا۔ آپ اس لفظ سے یہ کیوں نہیں سمجھتے۔ کہ تم قبروں میں مرے پڑے تھے۔ ہم نے تمہیں قبروں میں سے زندہ کرکے نکالا ہے۔

محقق۔ یہ مطلب ہم نہیں لے سکتے۔ کیونکہ واقعات کے خلاف ہے۔ رسولِ اکرم کے مخاطب کب قبروں میں پڑے تھے۔ اور آپ کے ذریعے قبروں سے کب نکالے گئے۔

مدقق۔ مرحبا۔ محققلیت آپ کو مجبور کرتی ہے۔ کہ خلاف واقعات کوئی مطلب نہ لیں۔

سورۂ انفال میں فرماتا ہے۔ کہ تم خدا اور رسول کی بات قبول کرو۔ کہ وہ تمہیں اُس چیز کی جانب بلاتا ہے۔ جو تمہیں زندہ کردے گی" ۔ صاف فرماتا ہے کہ رسولِ خدا کی دعوت تمہیں زندہ کردے گی۔ اور سورۂ بقر کی آیت میں فرمایا

کہ تم مردے تھے۔ خدا نے تمہیں زندہ کر دیا۔ یہ حقیقی و ایمانی زندگی کا بیان ہے۔ نیز ایمان لانے والوں کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ کیا وہ جو مردہ تھا۔ ہم نے اُسے زندہ کر دیا۔ اور اُسے روشنی عطا کی۔ جسے وہ لوگوں میں لئے چلتا ہے۔ اُس شخص کی مانند ہے۔ جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے۔ ان سے نکل ہی نہیں پاتا۔ ان آیتوں میں صاف صاف فرمایا ہے۔ کہ رسولِ خدا کی دعوت زندگی دینے کے لئے ہے۔ اور جو کوئی ایمان لاتا ہے۔ وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

ذیل کی آیت پر بھی غور فرمایئے۔

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا کَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

جب ہماری کھلی آیات اِن لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ تو وہ حُجت بازی کر کے یہی کہتے ہیں۔ کہ اگر تم نئی زندگی دینے کے دعوے میں سچے ہو۔ تو پہلے ہمارے بڑوں کو اپنی کشتی میں لے آؤ۔ یعنی انہیں اپنا پیغام منوا کر زندہ کرو۔ تب ہم جانیں کہ تم میں کچھ صداقت کا اثر ہے۔ اِس کے جواب میں خداوند عالم اپنے رسول کو حکم دیتا ہے قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْکُمْ کہدے کہ خدا تمہیں کو زندہ کریگا۔ وہ اِس بات کا محتاج نہیں۔ کہ پہلے تمہارے بڑوں کو منوائے تب ہی تم سے منوائے۔ وہ تمہیں کو زندہ کریگا۔ خواہ تمہارے بزرگ اس نئی زندگی میں حصّہ لیں یا نہ لیں۔ اگر یہاں یُحْیِیْکُمْ سے یہ مراد لی جائے۔ کہ خدا تمہیں مرنے کے بعد قیامت میں زندہ کریگا۔ تو یہ مطلب درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے آگے فرماتا ہے۔ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ "پھر تمہیں مارے گا"۔ تو اس صورت میں

معنی یہ ہوئے۔ کہ قیامت کے دن جلا کر پھر ماریگا۔ جو بالکل درست نہیں۔ قیامت کے بعد پھر مارنے کا تو کوئی عقیدہ نہیں۔ بلکہ قیامت کے بعد تو ہمیشہ کی زندگی مسلّم ہے۔ نیز پھر نگہ یہ لفظ ہے۔ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ پھر وہ تمہیں مارنے کے بعد روزِ قیامت کی طرف جمع کریگا۔ اگر يُحْيِيكُمْ سے مراد یہ ہے۔ کہ قیامت میں زندہ کریگا۔ تو ثُمَّ يُمِيتُكُمْ میں ماننا پڑیگا۔ کہ قیامت کے بعد پھر موت ہوگی۔ حالانکہ یہ خلافِ مسلّمات ہے۔ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ سے معلوم ہوا۔ کہ یہ زندہ کرنا اور مارنا قیامت سے پہلے ہوگا۔ اس کے بعد قیامت ہوگی۔

پھر یہ آیت بہت قابلِ غور ہے۔ اگر علمائے کرام اسی ایک آیت پر اچھی طرح غور فرمائیں۔ تو احیا و اماتت اور پھر قیامت کی حقیقت آشکار ہو جائے گی۔

اب ہم پوری آیت مع ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں:۔
قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورۂ جاثیہ) کہہ دے کہ خدا تمہیں زندہ کریگا۔ پھر تمہیں ماریگا۔ پھر تمہیں قیامت کے دن کی جانب جمع کریگا جس میں شک نہیں ہے۔ لیکن اکثر آدمی اس کا علم نہیں رکھتے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی صاف صاف وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ اور سورۂ مومن کی آیتوں میں مذکور ہے۔ قومی زندگی اور موت کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ ظہورِ محمدی کے ذریعے اب خدا نئی زندگی عطا فرما رہا ہے اور عطا فرمائے گا۔ پھر قوم کو قومی موت دیگا۔ پھر نئے ظہور کے ذریعے زندہ کریگا۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے

کہ لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کے علم سے بے بہرہ ہے۔ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ کا ترجمان الفاظ میں بالکل صحیح ہے۔ کہ اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ اور نہیں جانیں گے۔

قومیں کس طرح مرتی ہیں؟

قانونِ قدرت کا عمل جاری ہے۔ ہر فرد اور ہر قوم بلکہ ہر چیز قانونِ قدرت سے جکڑی ہوئی ہے۔ قانونِ قدرت کے خلاف ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا۔ خدا نے ہر چیز کی زندگی اور موت کا ایک قانون بنایا ہے جس سے باہر نکل جانا کسی چیز کے لئے ممکن ہی نہیں۔

جس طرح افرادِ انسانی کے پیدا ہونے اور مرنے کا ایک قانون ہے جو تمام دنیا کی قوموں پر چھایا ہوا ہے۔ تمام گذشتہ اقوام بھی اسی قانون کے ماتحت زندگی اور موت کے مراحل طے کر چکی ہیں۔ اور موجودہ اقوامِ عالم بھی قانونِ الٰہی کے ماتحت ہیں۔ اس وقت بھی دنیا میں بعض قومیں غالب ہیں بعض مغلوب ہیں۔ بعض قومیں آزاد ہیں۔ بعض غلام ہیں۔ بعض قومیں مر چکی ہیں اور بعض نئی زندگی حاصل کر رہی ہیں۔ اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس قانونِ الٰہی کے ماتحت ہو رہا ہے۔ جو قوموں کی زندگی و موت اور عروج و زوال کا قانون ہے۔ مذہبی اعتبار سے جماعتیں اور فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ اور مرتے ہیں۔

دنیاوی لحاظ سے بعض گروہ دولت و قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور چند روز میں ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام امور بھی قانونِ قدرت کے ہی زیر اثر واقع ہوتے ہیں۔ لیکن ہم یہاں فرقوں اور جماعتوں سے گذر کر قوموں اور امتوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

ایک قوم یا امت ہمیشہ کی بڑی بنیاد پر قائم ہوتی ہے سب سے بڑی بنیاد جو اس عالم میں نئی قوم کے لیئے ہوتی ہے۔ وہ نئی رسالت و شریعت ہے۔ جب ایک عظیم الشان مصلحِ روحانی یا رسول ظاہر ہوا۔ اس نے ایک شریعت کی تشکیل فرمائی۔ اور عالم انسانی میں ایک نئی حرکت پیدا ہوئی۔ رفتہ رفتہ ایک بڑی قوم و امت دنیا میں قائم ہو گئی۔ اور اس نے اپنی نئی زندگی کے زبردست اثرات دکھائے۔ حقیقۃً دنیا کو بدل دیا۔ تاریخ عالم ہمارے اس بیان کی شاہد ہے۔ ہاں جب یہ قوم و امت روبزوال ہوئی۔ اور اپنی زندگی کو ضائع کر بیٹھی۔ تو اس ایک قوم کے سینکڑوں ہزاروں ٹکڑے ہو گئے۔ فرقے اور گروہ پیدا ہو گئے۔ جو ایک دوسرے کے خلاف اپنی طاقتیں خرچ کرنے لگے۔ جیسے ایک تندرست جسم میں جگہ جگہ ناسور پڑ جاتے ہیں۔ اور ان میں بیشمار کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قوم واحد کے جسم میں متضاد اور مہلک گروہوں اور فرقوں کے جراثیم نمودار ہو جاتے ہیں۔

قانونِ قدرت بنانے والا قادرِ مطلق فرماتا ہے۔ کہ وہ قادر ہے۔ سب کچھ اُس کی قدرت کی زیر اثر ہے۔ اور وہ ہر چیز کے لئے ایک مقررہ اندازہ معیّن کر چکا ہے۔ اُسی قانون کے ماتحت سب کچھ وقوع میں آتا ہے۔ وہ تمہارے

اوپر اور تمہارے نیچے سے تم پر عذاب برپا کر سکتا ہے۔ وہ تمہیں اس عذاب میں بھی گرفتار کر سکتا ہے۔ کہ تم مختلف گروہ اور فرقے بن کر ایک دوسرے سے الجھ پڑو۔ اور تمہارا ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو دکھ دیتا رہے۔ تمہارے اندر لڑائی اور فساد جاری رہے۔ اور آپس میں ہی ایک دوسرے کے لئے خطرناک و مہلک بن جاؤ۔ (سورۂ انعام)

در حقیقت قوموں کے لئے تفرقے اور باہمی فساد سب سے بڑا عذاب ہے۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے۔ کہ قوم کے اجزاء کا منتشر اور ایک دوسرے کے مخالف ہو جانا قوم کی موت و فنا ہے۔ جب ایک شکل کے عناصر و اجزا بکھر گئے۔ تو اب اس کی زندگی کہاں ؟ ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

ہر قسم کی نعمتیں دینے والا خداوند عالم کسی قوم کو اپنی نعمت عطا فرما کر بلاوجہ اُن سے اپنی نعمتیں کبھی نہیں چھینتا۔ وہ فیاض ہے۔ لیکن اُس نے یہ قانون مقرر فرما دیا ہے۔ کہ جب کوئی قوم خداداد نعمت کو خراب و برباد کرنے لگتی ہے۔ تو وہ نعمت اس قوم سے چھن جاتی ہے۔ زبانِ قدرت اس قانون کا یوں اعلان فرما چکی ہے:

"حقیقت یہی ہے کہ اللہ کسی قوم کو نعمت دے کر پھر اس میں اس وقت تک ردوبدل نہیں کرتا۔ جب تک وہ قوم خود اس نعمت کو اور اپنے حالات کو بگاڑ نہیں دیتی۔ یقیناً خدا ہر ایک

بات سنتا ہے اور سب کے حالات جانتا ہے"

قوم اس وقت ہلاک ہو جاتی ہے جب وہ پہلی قوموں کا سا طریق اور فرعونی روش اختیار کرتی ہے۔ کہ انہوں نے پالنے اور ترقی دینے والے خدا کے احکام کو جھوٹ قرار دیا۔ ہم نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب سے برباد کر دیا۔ اور فرعون کے ہر نگ لوگوں کو ڈبو دیا۔ کیونکہ وہ سب کے سب ظالم تھے۔ (انفال)

امرِ الٰہی سے سرکشی باعثِ ہلاکت ہے

خداوند عالم کا امر سراسر حکمت ہے۔ جو لوگ اس سے سرکشی کرتے ہیں۔ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے ہیں۔ اسی بات کو یوں فرمایا ہے

"بہت سی بستیوں نے اپنے رب کے امر اور اس کے پیغمبروں سے سرکشی کی۔ ہم نے ان سے سخت حساب لیا۔ اور انہیں ہولناک عذاب دیا۔ تب ان بستیوں نے اپنے کیے کا مزا چکھا اور ان کا انجام سراسر نقصان ہو کر رہا"

کفرانِ نعمت ہلاکت ہے

جب قدرت کے خزانے سے قوم کو نعمت روحانی و جسمانی ملتی ہے۔ اور قوم اس کی قدر نہیں کرتی بلکہ نعمتوں کو بیجا طور پر خراب کر دیتی ہے۔ تو خدا کا قانون یہ نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ کہ وہ قوم نعمتوں سے محروم کر دی جاتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے :-

"اللہ مثال دے کر تمہیں سمجھاتا ہے۔ کہ ایک بستی تھی۔ جب ہر طرح

امن و اطمینان تھا۔ ہر طرف سے خوشگوار خوراک وافر ور یافت اس کو پہنچ جاتی تھیں۔ پھر وہ بستی خدائی نعمتوں کی بے قدری و ناشکری کرنے لگی۔ تب خدا نے اسے قحط اور بھوک کی لپیٹ کا مزہ چکھایا۔ کیونکہ اس کے کرتوت کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا۔

بدعملی سبب ہلاکت ہے

خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ جب تک ہم کوئی پیغمبر مبعوث نہ کریں۔ لوگوں کو عذاب نہیں دیتے۔ کسی بستی کی ہلاکت یوں ہوتی ہے کہ ہم وہاں کے خوشحال لوگوں کو اپنا امر و حکم پہنچاتے ہیں۔ وہ لوگ حکم کے خلاف بدعملی کرتے ہیں تب ان پر الزام ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وہ قانونِ حق کی رو سے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ تب ہم ایسی بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ اور ہم نوح کے بعد بھی بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ پورا خبیر و بصیر ہے۔ (بنی اسرائیل)

"اب تو انہیں کھانے پینے اور دنیاوی فائدہ اٹھانے میں منہمک چھوڑ دے۔ اور ان کی موہوم تمنا انہیں غافل بنائے رہے۔ سو نتیجہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی۔ جب تک کہ اس کے لئے ایک جانی ہوئی کتاب نہ ہو (جس کی تعلیمات سے قوم بے عمل ہو کر مستوجب ہلاکت ہوتی ہے) اور کوئی امت اپنی مقررہ میعاد سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی"۔

"ہم نے کوئی بستی برباد نہ کی بجز اس صورت کے کہ یاد دہانی کرنے کے لئے اس کو ڈرانے والے موجود تھے۔ اور ہم ظالم تو نہیں ہیں"۔ (شعراء)

"اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک بستیوں کے مرکز میں پیغمبر نہ بھیج دے۔ جو خدا کی آیات و احکام لوگوں کو سنائے۔ اور ہم بستیوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتے۔ جب تک وہ ظالم و ستمگار نہ ہوں" (قصص)

"ہم نے گذشتہ قوموں کو تم سے زیادہ قوت اور تسلط عطا فرمایا تھا۔ اور انہیں زبردست سماعت۔ بصارت اور دل دیئے تھے۔ سو اُن کے سمع و بصر اور دل کچھ کام نہ آسکے۔ کیونکہ وہ آیاتِ الہٰی کا انکار کرتے تھے۔ اور جن امور پر وہ مذاق اڑاتے تھے۔ انہیں قوانینِ الہٰی نے عذاب بن کر انہیں گھیر لیا اور ہم نے تمہارے آس پاس رہنے والوں کو بھی ہلاک کیا ہے۔ اور آیات کو بار بار بیان کیا۔ تاکہ وہ اب بھی باز آجائیں"۔ (احقاف)

کیا یہ واقعات انہیں رہنمائی نہیں کرتے۔ کہ ہم ان سے قبل کس قدر جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ جن کے گھروں میں یہ لوگ چلتے ہیں یا ہلاک شدہ جماعتوں کے افراد ان لوگوں کے گھروں میں (گداگری و غلامی وغیرہ کرتے ہوئے) چل پھر رہے ہیں۔ (یٰس)

فانی زندگی میں اترانا ہلاکت کا موجب ہے

"ہم نے کتنی ہی بستیاں تباہ کر ڈالیں جو اپنی زندگی میں اتراتی پھرتی تھیں۔ سو یہ تمہارے سامنے اُن کے گھر پڑے ہوئے ہیں۔ جو اُن کے بعد اب تک بہت ہی کم آباد ہوئے"۔ (قصص)

"اور کتنی ہی بستیاں ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ جب کہ وہ ظالم ہو گئی تھیں۔

بے جا کار روائیوں میں مصروف تھیں۔ سو اب وہ بستیاں ویران ہیں۔ ان کی چھتیں اور مکانات کھنڈر ہیں۔ اور کنوئیں بیکار اور کتنے مضبوط محلات اجاڑ پڑے ہیں"۔ (حج)

"ان سے پہلے ہم کتنی ہی جمعیتوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ جو ان لوگوں کی نسبت بہت زیادہ سخت گیر تھے۔ اور جنہوں نے شہروں کو چھان مارا تھا جب ہمارا عذاب آیا۔ تو انہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ یقیناً ان واقعات میں اس کے لئے ایک عبرت ہے جس کے سینے میں دل ہو یا وہ کان لگا کر بات سنے اور پورے ہوش و حواس سے مشاہدہ کرے"۔ (ق)

دعوتِ حق پر ایمان نہ لانا موجب ہلاکت ہے

پھر ہم نے اپنے پیغمبر پے در پے بھیجے۔ جب کسی امت کے پاس اُس کا رسول آیا۔ لوگوں نے اسے جھوٹا قرار دیا تب ہم نے اُن کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ اور اُن کو افسانہ بنا دیا ایمان نہ لانے والی قوم خدا کی رحمت سے دور ہوئی۔ (مومنون)

"اے مسلمانو! تمہاری تمناؤں سے اور اہلِ کتاب کی تمناؤں سے کچھ نہ ہوگا۔ قانون تو یہ ہے کہ جو برائی کریگا۔ اس کی سزا اسے ملیگی (نساء)

خلاصہ

مرقومہ بالا بیانات الٰہی کو دیکھتے ہوئے اقوام عالم اپنے حالات پر نظر ڈالیں۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ آیات مبارکہ نہایت ہی زبردست تنبیہات ہیں۔ وہ اپنے اعمال اور اُن کے نتائج جو اُس وقت انہیں مل رہے ہیں۔ دیکھیں اور توبہ اور رجوع کے لئے کمربستہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ

ہلاک شدہ قوموں کی طرح وہ بھی سمع و لبصر سے محروم رہ جائیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے۔ کہ اُن کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ وہ اب دعوتِ حق بالکل نہیں سُن سکتے۔ ان کے کان تو ہیں پر نہیں سنتے آنکھیں رکھتے ہیں پر نہیں دیکھتے دل ہیں مگر سوچ بچار نہیں کرتے۔ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ وہ کلامِ حق نہیں سنتے۔ انوارِ حق نہیں دیکھتے۔ حقائقِ الٰہیہ پر دل سے غور نہیں کرتے۔ ورنہ ایسے اپنے دنیا کے کاروبار میں تو پورے طور پر کان۔ آنکھ۔ دل لگاتے ہیں۔ مومن کا امتیاز یہی ہے کہ وہ دینی زندگی کو فراموش نہیں کرتا۔ اور امرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم جھکائے رکھتا ہے

کتاب

قیامت

باب سوم

کیا فنائے عالم قیامت ہے؟ نفخۂ اولیٰ وثانیہ۔ نفخ صور

"کیا قیامت کے دن عالم فنا ہو جائے گا"

دوستوں کی ایک مجلس آراستہ ہے۔ مختلف عقائد کے باعلم لوگ جمع ہیں۔ نہایت تہذیب و شائستگی سے علمی گفتگو ہو رہی ہے پوری آزادی سے سب لوگ اظہار خیال کر رہے ہیں۔ مسئلہ زیر بحث "قیامت" ہے۔

ایک عالم نے فرمایا۔

قیامت کا عقیدہ تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

دوسرے فاضل نے کہا۔

بیشک تمام مذاہب میں مسئلہ قیامت ایک اہم مسئلہ ہے۔ لیکن اہل مذاہب اس کی حقیقت کو بہت ہی کم سمجھ سکے ہیں

عالم۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ قیامت کو مانتا ہے۔

فاضل۔ مگر قیامت کے صحیح مفہوم سے بڑے بڑے لوگ بھی بے خبر ہیں

عالم - یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے۔ کہ ایک وقت تمام عالم جسمانی فنا ہو جائیگا۔ زمین و آسمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔ خدا کے سوا ہر چیز معدوم ہو جائے گی۔ اسی کو قیامت کہا گیا ہے۔ اور اسے سب مانتے ہیں۔

فاضل - بیشک جس چیز کا آغاز ہے۔ اُس کا انجام بھی ہے۔ عالم کی ہر چیز ایک مقررہ عمر رکھتی ہے۔ کوئی چیز اس سے مستثنےٰ نہیں۔ تو یہ ہمارا کُرہ بھی ایک عمر رکھتا ہے۔ اور اپنی عمر کے اختتام پر یہ مر جائیگا۔ اس میں کچھ اختلاف نہیں۔ لیکن اسے قیامت کہنا درست نہیں قیامت اور قیام کے معنی برپا ہونا ہیں نہ کہ گر جانا اور فنا ہو جانا۔ اگر فنائے عالم کو قیامت کہا جائے۔ تو یہ مصرعہ صادق آئیگا کہ ؎

"برعکس نہند نام زنگی کافور"

عالم - تعجب ہے آپ فنائے عالم کو قیامت نہیں کہتے۔ حالانکہ قرآن مجید میں صاف صاف فنائے عالم کو قیامت کہا گیا ہے۔

فاضل - میری تحقیق میں قرآن مجید فنائے عالم کو قیامت نہیں کہتا کوئی ایسی آیت قرآن مجید میں نہیں ہے جس میں فنائے عالم کو قیامت کہا گیا ہو۔

عالم - یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ قرآن مجید میں بیشمار ایسی آیات ہیں جن میں فنائے عالم کو قیامت کہا گیا ہے۔

فاضل - کوئی ایک آیت ہی پیش فرمائیے۔ جس میں فنائے عالم کو قیامت کہا

گیا ہو

عالم۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ ایسی آیت کا مطالبہ کرتے ہیں ایسی آیات بکثرت ہیں۔ لیجئے ایک آیت پڑھتا ہوں کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے بجز ذات خداوندی کے۔ یہ صاف صاف بیان ہے۔ کہ ایک وقت ماسوا اللہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ صرف خدا رہ جائے گا۔ اسی کو قیامت کہتے ہیں۔

فاضل۔ جناب عالی! آپ نے اس مدعا کے لئے آیت سے استدلال فرمایا کہ فنائے عالم کو قیامت کہا گیا ہے۔ آیت مذکورہ میں فنائے عالم کو قیامت کہیں نہیں کہا گیا۔ اس میں تو قیامت کا لفظ بھی نہیں ہے اس آیت سے یہ مدعا تو ثابت نہ ہو سکا۔ کہ فنائے عالم کو قرآن مجید میں قیامت کہا گیا ہے۔ اچھا تو اب کوئی اور آیت پیش کیجئے۔

عالم۔ اگر اس آیت میں قیامت کا لفظ نہیں۔ تو مفہوم تو موجود ہے۔ کہ ایک وقت بجز خدا کے سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔

فاضل۔ مدعا تو یہ تھا۔ کہ فنائے عالم کو قرآن مجید قیامت قرار دیتا ہے۔ جو اس آیت سے ثابت نہ ہو سکا۔ اب رہا یہ امر کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے۔ جب کہ بجز خدا کے سب کچھ فنا ہو جائیگا۔ معاف فرمائیگا۔ مجھے اس لفظ سے بھی اتفاق نہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے۔ جب کہ بجز خدا کے سب کچھ فنا ہو جائیگا۔ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہو۔ کہ ایک وقت

آنے والا ہے یا آیندہ کسی وقت ایسا ہوگا

غور فرمایئے۔ لفظ ہے کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ۔ ہالک کے معنی ہلاک ہونے والا۔ اس ترجمۂ اردو سے جناب کو مغالطہ ہوا۔ کہ سب کچھ آیندہ ہلاک ہونے والا ہے۔ حالانکہ ہالک صیغۂ اسم فاعل ہے۔ جو کیفیت حال کو بتاتا ہے۔ یعنی سب کچھ اب ہلاکت پذیر ہے۔ ہر چیز فنا ہو رہی ہے صرف خدا بقا کا مالک ہے۔ وہ فنا کے اثر سے بچا ہوا ہے اُس کے سوا ہر چیز فنا کے زیر اثر ہے۔ ہر آن فنا کے عمل سے بدل رہی ہے۔ ہر چیز ہالکۃ الذات ہے۔

صیغۂ اسم فاعل حال کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں "زَیْدٌ قَائِمٌ" ۔ زید کھڑا ہوا ہے۔ قائم کے معنی کھڑا ہونے والا کرکے یہ سمجھ لینا۔ کہ آیندہ وقت آئے گا۔ جب کہ زید کھڑا ہوگا۔ بالکل غلط ہے۔ "قائم" صیغۂ اسم فاعل ہے۔ جو معنی حال کے لئے آتا ہے اسی طرح کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ میں لفظ ھَالِکٌ صیغہ اسم فاعل ہے جو معنی حال کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ ہر چیز حال میں ہلاکت پذیر ہے کیونکہ ہر آن تغیّر کے چکر میں ہے۔ کوئی چیز کسی لمحہ بھی تغیّر سے بچی ہوئی نہیں۔

کُلُّ شَیءٍ یَتَغَیَّرُ وَالَّذِیْ لَنْ یَتَغَیَّرَ نَفْسُ الرَّحْمٰن۔ ہر چیز تغیر میں ہے صرف خدا تغیّر سے پاک ہے (کتاب مبین)

آیت کل شیٔ ھالک سے بھی جناب کا کوئی مدعا ثابت نہیں ہوا نہ یہ ثابت ہوا کہ فنائے عالم کو قیامت کہتے ہیں۔ کیونکہ آیت مذکورہ میں کہیں لفظ قیامت نہیں اور نہ یہ ثابت ہوا۔ کہ اس آیت میں کسی آیندہ وقت پر فنائے عالم کا ذکر ہے۔ بلکہ اس آیت میں اشیائے عالم کی فنائے حالی اور ذاتی بے ثباتی کا بیان اور خدا کی بقائے ذاتی کا اظہار ہے۔ یہ فنا اب بھی اشیاء پر طاری ہے۔ اور خداوند کی بقا ظاہر ہے۔

عالم۔ آیت مذکورہ کا سیاق سباق بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ آگے پیچھے کی عبارت سے مطلب خوب واضح ہو جاتا ہے۔

فاضل۔ میں آیت مذکورہ کا سیاق سباق کافی غور سے دیکھ چکا ہوں آپ کے اطمینان کے لیے آیت مع سیاق سباق تلاوت کرتا ہوں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ لَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (سورۂ قصص آیت ۸۸)

ترجمہ:۔ اور تو خدا کے ساتھ دوسرے کسی معبود و محبوب کو نہ پکار اُس کے سوا کوئی معبود و محبوب نہیں۔ سب فانی ہیں۔ وہی ایک باقی ہے۔ اُسی کے لیے حکم ہے۔ اور تم سب اُسی کی جانب لوٹائے جا رہے ہو۔

آیت مبارکہ میں کس قدر خوبصورتی سے توحید معبود کا سبق دیا ہے۔ کہ وہی معبود و محبوب ہے۔ کسی اور کو اپنا معبود و محبوب نہ

نہ بناؤ۔ کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے فانی ہے۔ فنا کے چکر میں ہے۔ بقا اصلی اور وجود ذاتی تو صرف اُسی ایک کا ہے۔ اُسی کی توجہ اور حکم سے باقی چیزیں ہیں۔ اور سب اُسی کے حکم میں محو ہو جاتی ہیں۔ یعنی یہ حالت ایک مسلسل کیفیت ہے۔ کہ ہمیشہ وہ ہے اور اس کا حکم ہے جس کے اثر سے اشیاء عالم کا وجود ہے جو ہمیشہ تغیر پذیر اور فانی ہے۔ اس کا حکم لافانی ہے۔ اسی لئے عالم ہستی میں ہمیشہ ہمیشہ فنا بقا کی لہریں چل رہی ہیں۔ اور چلتی رہیں گی۔

عالم ۔ تو کیا کوئی ایسا وقت نہیں آئے گا۔ جب کہ کل عالم ہستی نابود ہو اور خدا ہی موجود ہو۔

فاضل۔ جی نہیں۔ ایسا وقت کبھی نہ ہوگا۔ کہ حاکم ہو۔ اور حکم و محکوم نہ ہو۔ حاکم بلا حکومت۔ سلطان بلا رعیت متصور نہیں ہو سکتا۔

عالم ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مخلوق کی ابتدائے آفرینش کے بھی قائل نہیں ہوں گے۔

فاضل۔ بے شک پہلے بھی کوئی وقت ایسا نہیں ہوا۔ کہ خالق ہو اور اُس کی مخلوق نہ ہو۔ جب سے قادر ہے تب ہی سے قدرت ہے۔ قادر کی ابتدا نہیں۔ قدرت کی ابتدا نہیں۔ قادر کی انتہا نہیں۔ قدرت کی انتہا نہیں۔

عالم ۔ تو پھر کیا یہ کرۂ عالم بھی فنا نہ ہوگا؟

فاضل۔ جیسے اِس کرۂ خاک میں بیشمار ذرات ہیں۔ ویسے ہی لاانتہا

قدرت میں بے شمار کرات ہیں۔ یہ ہمارا کرہ ان بے شمار کرات کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ قدرت کا بے ابتدا اور بے انتہا لازوال درخت کھڑا ہے۔ اس میں ہر وقت نئی نئی کونپلیں نکلتی رہتی ہیں۔ اور ہر وقت بہتیرے پتے اس میں سے گرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ فنا کے جھونکے برابر چل رہتے ہیں لیکن قدرت، خداوندی لازوال ہے۔ اس لیے درخت کائنات ہمیشہ سرسبز کھڑا رہتا ہے۔ اگرچہ اس کے پتے گرتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ جن کی جگہ اور پتے نکل آتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا کرہ ایک پتہ کی طرح ٹوٹ جائے گا۔ لیکن قدرت کا ازلی ابدی درخت ہستی نہ کبھی گرا اور نہ کبھی گریگا۔ قادر مطلق نے ایسا ہی مقرر کیا ہے۔

عالم ۔ تو آپ قدم عالم کے قائل ہیں ؟

فاضل ۔ بلکہ قدم قدرت کا قائل کہئے ۔

عالم ۔ یونانی فلاسفر اور ہندوستان کے بعض اہل مذاہب بھی قدم عالم کے قائل ہیں ۔

فاضل ۔ کیا مسلمان کسی طرح قدم مخلوق کے قائل نہیں ؟

عالم ۔ جی نہیں وہ تو مانتے ہیں۔ کہ پہلے بھی خلق نہ تھی۔ اور آیندہ وقت آئے گا۔ جبکہ کوئی خلق نہ رہے گی ۔

فاضل ۔ مسلمان یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ جب جنتی جنت میں چلے جائینگے

لوگ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کبھی فنا نہ آسے گی۔ بقا سے ابدی ہوگی۔ تو اُس وقت سے تو قدم عالم لازم آئے گا۔ اور اس قسم کے قدم عالم کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ بات سچ نہیں ہے
عالم۔ بیشک سچ ہے۔ مسلمان جنت دوزخ دونوں کو ابدی و غیر فانی مانتے ہیں۔
فاضل۔ اچھا تو اُس وقت آیت کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ کے معنی آپ کیا کریں گے؟ کیونکہ اب تو یہ فرض کر لیا گیا۔ کہ خدا کے سوا سب فنا ہو جائیگا۔ اور مذکورہ آیت اس پر چسپاں ہوگی۔ لیکن جب خدا کے ساتھ ساتھ مخلوقات جنت و دوزخ ہمیشہ رہے گی۔ کبھی فنا نہ ہوگی۔ تو پھر فرمائیے کہ آپ کے معنی کی رو سے آیت کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ کیسے سچی ہوگی۔ کیونکہ پھر تو کبھی خلق فنا نہ ہوگی۔ سب لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
عالم۔ قدم عالم اور جنت و دوزخ کے قدم میں فرق ہے۔ قدم عالم ہمیشہ سے مانا جاتا ہے۔ اور جنت و دوزخ کی بقا ہمیشہ سے نہیں ہے۔
فاضل۔ جنت و دوزخ کی بقا جبکہ ابدی ہو گئی۔ تو ایسے ابدیت میں ہوتے ہوئے تو ہمیشہ کے لئے قدم حاصل ہو گیا۔ بات وہیں آ جائے گی۔
عالم۔ قدم عالم کا قائل ہونا تو شرک ہے۔ مسلمان جنت و دوزخ کی ابدیت کو خدا کے حکم سے مانتے ہیں۔

فاضل - عالم کو بذاتہٖ قدیم ماننا تو شرک ہے۔ مگر خدا کے حکم سے جیسا جنت و دوزخ والوں کی ابدیت کو ماننا شرک نہیں۔ ویسے خدا ہی کے حکم سے قدم عالم کا ماننا شرک نہیں۔ وجود کو ہی لیجئے۔ یہ ماننا کہ خدا خود ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ تسلیم کرنا۔ کہ اور کوئی چیز بھی بذاتہٖ خود موجود ہے یقیناً شرک ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ خدا خود موجود ہے اور دوسری سب چیزیں خدا کی قدرت سے موجود ہیں۔ شرک نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ خلق کی اصلیت ہی اثرِ خالقیت ہے۔ خالق کا فیض نہ ہو تو کچھ بھی ہو۔ اسی لئے کہنا پڑتا ہے کہ وجود حقیقی ذاتی صرف خدا کا ہے۔ کوئی چیز اس مقام وجود حقیقی پر موجود ہی نہیں ہے۔ نہ آیندہ ہو گی۔ صرف ایک ذات ہے جو وجودِ حقیقی کا مقام رکھتی ہے۔ باقی سب اس کے فیض و اثر کے ماتحت موجود ہیں۔ یہی حقیقتِ خلق ہے۔

عالم - سورۂ رحمٰن میں فرمایا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ اس آیت میں صاف طور پر فنائے عالم کے آنے والے وقت کی خبر دی ہے۔ کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا اور صرف خدا باقی رہ جائے گا۔

فاضل - اس آیت میں لفظِ مَنْ ہے جو صرف ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں کل عالم کی فنا کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔ "عَلَيْهَا" روئے زمین کے لوگ فنا ہوں گے۔ ایسا کہنے میں

زمین کی فنا کا ذکر بھی نہیں ہوا۔ کل عالم کی فنا کا ذکر کیسا۔ میز پر سے چیزیں اٹھا دی گئیں"۔ اس سے یہ سمجھنا کہ میز بھی اٹھا دی گئی ہرگز درست نہیں۔

"فَانٍ" "هَالِكٌ" کی طرح صیغۂ اسم فاعل ہے۔ جو کیفیتِ حال کو بتاتا ہے۔ کہ لوگ اب بھی فنا کے زیر اثر ہیں۔ اس سے کسی خاص آئندہ وقت پر کل عالمِ ہستی کا یکدم فنا ہو جانا۔ ثابت نہیں ہوتا۔ جیسے کُلُّ شَیءٍ هَالِكٌ میں اشیاء کی ذاتی بے ثباتی مراد ہے۔ ویسے ہی کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ میں فنا سے حالی مقصود ہے۔ جو برابر اپنا کام کر رہی ہے۔ ؎

عالم ہستی کے دورے ہیں ازل سے تا ابد
ذاتِ حق باقی رہی سب کچھ فنا ہوتا رہا

"یَبْقیٰ" باقی رہتا ہے۔ خدا کی نسبت استمراری معنی لئے جاتے ہیں کہ وہ سدا باقی رہتا ہے۔ نہ کہ صرف آئندہ وقت میں باقی رہیگا۔ خدا کو اب بھی بقا حاصل ہے۔ اور آئندہ بھی رہیگی۔

وَجْهُ کے معنے توجہ کے ہیں۔ یعنی خدا کی توجہ سے ہی وجودِ خلق ہے اور یہ توجہ سدا سے ہے اور سدا رہے گی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ رَبّ ہے۔ جو پیدا کرتا اور نشو و نما دیتا رہتا ہے۔ اور وہ ذوالجلال ہے۔ اس کا جلال اس کی خلق میں ہمیشہ ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ وہ صاحبِ الاکرام ہے۔ اس کے کرم سے ہمیشہ خلق پیدا ہوتی اور

فنا و تغیر کے ذریعے مختلف درجاتِ وجود حاصل کرتی ہے۔ اُس کا جلال و کرم کبھی معطل اور بند نہیں ہو سکتا۔

پس آیت مذکورہ بالا میں خدا کی دائمی بقا اور مخلوق کی ہر آن فنا کا بیان ہے۔ کسی خاص آیندہ وقت میں ایسا ہونا آیتِ مبارکہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ کہ اس کرّہ کی فنا کو قیامت کہا گیا ہے

کیا قیامت کے دن زمین ٹوٹ جائیگی اور پہاڑ اُڑ جائینگے؟

عالم۔ قرآن مجید میں صاف صاف آیا ہے کہ قیامت کے دن زمین ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہو جائے گی۔

فاضل۔ مجھے تو اس مضمون کی ایک آیت بھی قرآن مجید میں نہیں ملی، آپ کو یاد ہے تو پیش کیجئے۔

عالم۔ بہت سی آیات ہیں۔ ایک آیت یہ ہے۔ كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا۔ یعنی جب زمین ریزہ ریزہ کردی جائیگی۔

فاضل۔ دُكَّتِ الْأَرْضُ کے معنی ریزہ ریزہ کردینے کے نہیں ہیں، ہموار کردینے ہیں۔ زبانِ عرب میں محاورہ ہے۔ اَرْضٌ دَكَّاءُ اسے

مُسواۃ یا دَکّا ء کے معنی ہموار ہیں۔ ہموار ہو جانے سے فنا اور نیست و نابود ہو جانا لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس کا اور بھی عمدہ حالت میں ہو جانا لازم آتا ہے۔ یعنی زمین صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ اس میں راستے کھل جائیں گے۔ سڑکیں بکثرت بن جائیں گی۔ پس آیت دُکّتِ الاَرضُ سے زمین کا فنا ہو جانا نہیں۔ بلکہ اس کا بہتر حالت میں ہو کر موجود رہنا ثابت ہوا۔

عالم۔ قرآن مجید میں ہے۔ یَومَ تُبدّل الارضُ غیر الارضِ جب یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائیگی۔

آیت یوم تبدل الارض غیر الارض کا مفہوم صرف یہ ہے۔ کہ زمین جس حالت میں اب موجود ہے۔ اس حالت سے دوسری حالت میں چلی جائے گی۔ لغت قرآن کی مشہور کتاب مفردات راغب میں ہے۔ ای تغیّر عن حالہا یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ زمین کے حالات بدل جائیں گے۔ اس تبدل سے فنا ثابت نہیں ہوتی بلکہ تبدل میں تو بقا لازم ہے۔

عالم۔ سورۂ زمر کی آیت تو قیامت کے بارے میں بہت مشہور ہے جس میں نفخ صور کا ذکر ہے۔ کہ وہ دو بار ہوگا۔ پہلی بار صور پھونکنے پر تمام کائنات فنا ہو جائے گی۔ اور دوسرے بار صور پھونکنے پر لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سورۂ زمر کا آخری رکوع ملاحظہ ہو۔ جہاں یہ آیت ہے وَنُفِخَ فِی الصّور

فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ
فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُم قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝

فاضل۔ اس آیت سے قیامت میں فنائے عالم کا ذکر سمجھنا بہت عجیب ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں۔ جو فنائے عالم کا بیان کرتا ہو۔ بلکہ متعدد الفاظ ایسے ہیں۔ جو قیامت میں فنائے عالم کے خیال کو رد کرتے ہیں میں شروع سے ایک ایک بات کو لیتا ہوں۔
جب صور پھونکا جائے گا۔ تو کیا ہوگا ؟
"صعق" لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ بے ہوش ہونا یہی ہوتا ہے کہ انسان موجود تو ہے۔ لیکن اس کے حواس کام کرنے سے رک جائیں۔ یہ لفظ فنا کے عین خلاف ہے۔ بیہوشی طاری ہونے سے یہ مطلب نکالنا کہ سب لوگ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ کس قدر حقیقت سے دور ہے۔ پس لفظ صعق اس آیت میں پہلا لفظ ہے۔ جو فنائے عالم کے مطلب کو رد کرتا ہے۔ یہ بہت سے علماء کی نہایت زبردست غلطی ہے۔ کہ انہوں نے لفظ صعق سے یہ مطلب سمجھ لیا۔ کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ حالانکہ بے ہوشی وجود کو چاہتی ہے۔ جو سراسر فنا کے خلاف ہے
دوسری بات اس آیت میں لفظ من ہے۔ جو صرف ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ من سے تمام عالم اور اشیاء عالم سمجھنا غلطی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے۔

لوگ" مطلب یہ کہ صور پھونکنے پر لوگ بیہوش ہوں گے۔ اس سے
فنائے عالم کیوں کر ثابت ہوئی ؟ تیسرے اس آیت میں لفظ
"الا من شاء اللّٰہ" صاف موجود ہے۔ کہ صور پھونکنے پر لوگ بیہوش
ہوں۔ مگر سب بیہوش بھی نہیں ہوں گے۔ بہت لوگ بے ہوشی
سے بھی مستثنیٰ رہیں گے۔ آیت میں فنائے عالم کا ذکر تو در کنار
بلا استثنا ء سب کا بے ہوش ہو جانا بھی مذکور نہیں۔ بلکہ بعض
لوگوں کا بے ہوش ہونا اور بعض کا بیہوش نہ ہونا صریح طور پر
منصوص ہے۔ ایسی حالت میں اس آیت سے یہ سمجھنا کہ سب
ماسوا اللہ کے فنا ہونے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کس قدر
نافہمی ہے۔ ایسی ہی نافہمیوں نے قرآن مجید کے معقول مطالب
کو الٹ پلٹ کر کے سراسر غیر معقول بنا دیا ہے۔

قیامت کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں
وہ اسی قسم کی ہیں۔ کہ قرآن کے الفاظ کچھ کہتے ہیں۔ اور یہ لوگ
کچھ کہتے ہیں۔ اس آیت میں صرف بیہوشی کا ذکر ہے۔ مگر لوگ
اس کو فنا اور عدم بنا رہے ہیں۔ اس آیت میں صرف ذوی العقول
کی بے ہوشی کا ذکر ہے۔ مگر لوگ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے
ہیں۔ کہ خدا کے سوا سب کچھ معدوم و نیست و نابود ہو جائیگا۔
اس آیت میں صرف بعض لوگوں کی بے ہوشی کا ذکر ہے اور
تصریح موجود ہے۔ کہ بعض لوگ بیہوش بھی نہیں ہوں گے۔ مگر

لوگ اس سے یہ نکالنا چاہتے ہیں۔ کہ ساری کائنات عالم محو و نابود ہوجائیگی۔

اب آپ ہی انصاف فرمائیے۔ کہ سورۂ زمر کی آیات سے وہ موہوم قیامت کہاں ثابت ہوئی۔ جو آجکل عالم اہل مذاہب اور مسلمانوں میں مشہور ہے۔ کیا یہ لوگ محض ایک وہم میں مبتلا نہیں ہیں۔ خدا کی کتاب کچھ کہتی ہے اور یہ کچھ عقیدہ بتاتے ہیں۔ اس آیت نفخ صور کو بطور مثال یاد رکھیئے۔ لوگ کس قدر تحریف معنوی کر رہے ہیں۔ کہ صریح الفاظ کے عین خلاف مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ جب امتوں کا آخری وقت ہوتا ہے۔ تو وہ کتاب الٰہی میں ایسی ہی دست برد کرتی ہیں۔ یا یوں کہیئے۔ کہ حقیقت سے بے خبر ہوکر بے بنیاد خیالات میں گرفتار ہوجاتی ہیں

عالم۔ ایک آیت قرآن مجید میں کیسی صریح ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ فقط خدا رہ جائیگا۔ اور قیامت میں سب کچھ معدوم ہوجائیگا آیت یہ ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ خدا قیامت کے دن فرمائے گا۔ کہ آج ملک کس کا ہے۔ کوئی جواب دینے والا بھی نہوگا۔ تو خود خدا فرمائیگا۔ کہ آج ملک خدائے واحد و قہار کا ہی ہے۔

فاضل۔ بہت خوب ذرا خیال تو فرمایئے۔ کہ خدا فرمائیگا۔ آج ملک کس کا ہے۔ تو اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ ملک موجود ہوگا۔ فنا، معدوم

ہو گا۔

کیونکہ اگر ملک ہی نہیں تو یہ فرمانا کہ آج ملک کس کا ہے کیا معنی رکھتا ہے۔ اور جب یہ پوچھا جا رہا ہے۔ کہ آج ملک کس کا ہے۔ تو معلوم اور واضح ہو گیا۔ کہ ملک موجود ہو گا۔ پھر اس سے فنا کا ثبوت کیوں کر ہوا؟

عالم سورۂ واقعہ میں آیا ہے وبست الجبال بسا فکانت ھبا ءً منبثا و کنتم ازواجا ثلثۃ۔ پہاڑ توڑ کر ٹکڑے کر دیئے جائینگے۔ سو وہ بکھرے ہوئے ریت کے ذرے ہو جائیں گے۔ اور تم تین گروہ میں منقسم ہو جاؤ گے۔ اس سے صاف معلوم ہوا۔ کہ پہاڑ مٹ جائیں گے۔ اور فنا ہو جائیں گے۔

فاضل۔ اول تو پہاڑوں کے مٹنے سے کل کائنات کی فنا لازم نہیں آتی۔ دوم۔ ظاہر طور پر اگر یہ پہاڑوں کے ٹوٹنے کا ذکر ہو۔ تو آج کل مشینوں کے ذریعے پہاڑوں کو ایسا ریزہ ریزہ کیا جا رہا ہے۔ کہ وہ پس کر ہوا میں اڑتے ہیں۔ تیسرے یہاں صاف ذکر ہے کہ تم لوگ تین گروہوں میں منقسم ہو جاؤ گے۔ معلوم ہوا کہ لوگ موجود رہیں گے۔ کس قدر صاف بات ہے کہ جب پہاڑ اُڑ جائیں گے تو تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ اگر فنائے عالم مراد ہو۔ تو فرماتا کہ تم مٹ جاؤ گے۔ فنا ہو جاؤ گے۔ کیونکہ زمین اور پہاڑ کے فنا ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ سب آدمی فنا ہو جائیں۔

مگر یہاں فنا کی بجائے لوگوں کا تین گروہوں میں تقسیم ہونا اور باقی رہنا بیان فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ یہاں پہاڑوں سے مراد پتھر کے پہاڑ نہیں ہیں۔ پھر اس آیت کو فنائے عالم سے کیا تعلق؟

بہر حال قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ساری کائنات بیک وقت فنا ہو گی۔ اور اس کا نام قیامت ہے جن آیتوں سے ایسا مطلب سمجھا جاتا ہے۔ وہ سب غلط فہمیاں ہیں۔

عالم - قرآن مجید میں فرعونیوں کی نسبت آتا ہے۔

وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیہا غدوا و عشیا و یوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب

آل فرعون کو برے عذاب نار نے گھیر لیا۔ جس پر وہ صبح شام پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جب ساعۃ قائم ہو تو آل فرعون کو سخت تر عذاب میں داخل کر دو۔

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اب بھی آل فرعون گرفتار عذاب ہیں اور قیامت کے دن سخت عذاب میں داخل کئے جائیں گے۔ ثابت ہو گیا۔ کہ قیامت کا دن اس دنیا کے بعد آنے والا ہے۔

واضح - لفظ یوم تقوم الساعۃ سے یہ کس طرح سمجھا گیا۔ کہ وہ فنائے عالم یا اس کے بعد کسی نئی پیدائش کا زمانہ ہے۔

چونکہ ساعت سے مراد وہی موہوم قیامت لے لی گئی ہے اس لئے

اس آیت سے قلبِ عالم یا اس کے بعد کا کوئی فرضی زمانہ سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سب بے ثبوت باتیں ہیں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے۔ کہ کیا آل فرعون سے مراد اس کی ظاہری نسل ہے۔ تو جو لوگ اس کی نسل میں سے ہوں لیکن وہ ایمان لے آئے ہوں۔ کیا انہیں بھی عذاب ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں وہ اس آیت میں مراد نہیں ہو سکتے۔ پس آل فرعون سے مراد وہی لوگ ہیں۔ جو اس کے نقشِ قدم پر چل کر خدا کے امر کا انکار اور پیغمبر وقت کی مخالفت کرتے ہیں خدا فرماتا ہے۔ کہ فرعونی لوگ اس زندگی میں بھی عذاب پاتے ہیں اور بعد موت سخت عذاب میں جاتے ہیں۔ جیسا کہ منکروں کے حق میں فرماتا ہے۔ ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون ۔ ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب چکھائیں گے تاکہ وہ برے کاموں سے باز آئیں۔

ساعت کے معنی وقت ہیں۔ مطلب یہ ہوا۔ کہ فرعون صفت لوگوں کو اس زندگی میں وقتاً فوقتاً عذاب ملتا رہتا ہے۔ ویوم تقوم الساعۃ اور جب وقت آتا ہے۔ کہ انہیں بڑے عذاب میں ڈال دیا جائے۔ تو اس وقت عذاب شدید میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ خواہ وہ موت کے بعد ہو یا اسی زندگی میں عذاب شدید ۔

"یوم تقوم الساعۃ" سے قیامت یعنی ما سوا اللہ کا فنا ہو جانا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ محض ایک خیال باطل ہے۔ جو لوگوں میں دوسری غلطیوں

کے ساتھ پھیل گیا۔ اب جبکہ ان کے خیال پر تنقید کی جاتی۔ تو وہ حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

عالم۔ ایک اور آیت قرآن مجید میں یہ ہے کہ جب کوئی گنہگار مرتا ہے۔ تو وہ موت کے وقت حسرت کرتا ہے۔ کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹا دیا جاؤں۔ تاکہ اب کے نیک کام کروں۔ خدا فرماتا ہے کلاؔ انہا کلمۃ ھو قائلھا ومن وّراءھم برزخٌ الی یوم یبعثون۔ ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے جو کہ وہ مرنے والا کہتا ہے۔ اور ان لوگوں کے پیچھے ایک روک ہے جس دن تک کہ یہ لوگ مبعوث ہوں۔ اس آیت میں صاف فرمایا ہے۔ کہ جس دن مبعوث ہوں گے"۔ اس دن تک مرنے والے برزخ میں رہتے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ مبعوث ہونے کا ایک دن ہے۔ وہی قیامت کا دن ہے۔

فاضل۔ یہ بھی ایک بڑی غلط فہمی ہے۔ "یوم یبعثون" کے معنی اس فرضی بنیاد پر کیے گئے ہیں۔ کہ فنائے عالم کے بعد ایک دن جی اٹھنے کا آئیگا۔ حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ بعث بعد الموت کیا ہے۔ مرنے کے بعد فوراً انسان اچھی یا بری حالت میں مبعوث ہوتا ہے۔ جیساکہ سورۃ واقعہ کے آخری رکوع میں آیا ہے۔ کہ جب انسان کی روح کا بدن سے قطع تعلق ہو جاتا ہے۔ تو وہ فوراً روح و ریحان اور گلشن نعمت میں یا سوزش عذاب میں چلا جاتا ہے

یہی وقت ہر شخص کے لیے یوم یبعثون ہے "یوم یبعثون" سے یہی

وقت مراد ہے۔ آیت مذکورہ کا مطلب صاف ہے۔ کہ مرنے والا پھر دنیا میں آنے کی تمنا کرتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور مرنے والے کے اور دنیا والوں کے درمیان ایک برزخ یعنی روک ہے کہ دنیا والے مرنے والوں سے اور مرے والے دنیا والوں سے نہیں مل سکتے۔ ہاں جب یہ لوگ جو دنیا میں ہیں مرتے ہیں۔ اس وقت ان مردوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کا باہم ملنا دشوار ہے۔ اور ان کے درمیان ایک قدرتی روک ہے یہ آیت کا مطلب ہے۔ مگر غلط فہمی نے کیا کیا بنا دیا ہے۔ ایک "عالم برزخ" فرض کیا گیا ہے۔ جہاں آدمی فنائے عالم تک رہتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کے دوسرے مسلمات بھی اس کی لغویت ظاہر کرتے ہیں مثلاً یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ فنائے عالم کے وقت خدا کے سوا سب فنا و معدوم ہو جائے گا۔ تو برزخ بھی معدوم ہو جائے گا۔ پھر یہ بات کس طرح سے درست ہوئی۔ کہ یوم بعث تک مرنے والے برزخ میں رہیں گے۔ جب سب ما سوا اللہ فنا ہو گئے۔ تو برزخ کہاں رہیگا۔

عالم۔ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ کہ ابلیس نے رب العلمین سے درخواست کی۔ انظرنی الی یوم یبعثون۔ مجھے اس دن تک مہلت دے۔ جس دن تک کہ لوگ مبعوث ہوں۔ اس سے روز قیامت مراد ہے۔

فاضل۔ اگر اس یوم یبعثون سے قیامت موہوم یعنی فنائے عالم کے وقت

مراد ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ فنائے عالم کے وقت لوگ مبعوث نہیں ہوں گے۔ بلکہ نیست و نابود ہوں گے۔ پس یوم یبعثون سے قیامت یعنی فنائے عالم مراد لینا غلط ہے۔ اور اگر یوم یبعثون سے مراد وہ وقت ہے۔ جبکہ لوگ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ تو اول یہ بات حل طلب ہے۔ کہ قبروں سے اٹھائے جانے کے لئے لازم ہے۔ کہ زمین پہلے موجود ہو۔ قبریں موجود ہوں۔ اور فنائے عالم کے وقت جبکہ زمین اور قبریں سب معدوم ہو چکی ہوں گی۔ تو قبروں سے اٹھائے جانے کے معنی ہی کیا ہوئے؟

دوسرے اگر یوم یبعثون سے مراد فنائے عالم کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کا وقت ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ابلیس کو فنائے عالم کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کے وقت تک مہلت دی گئی ہے اس سے لازم آیا۔ کہ ابلیس فنائے عالم کے وقت بھی زندہ رہیگا حالانکہ یہ بھی مسلمات کے خلاف ہے۔ کیونکہ فنائے عالم کے وقت تمام ماسوا اللہ کا معدوم ہو جانا تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ سب خرابیاں اسی لئے پیدا ہوتی ہیں۔ کہ کلام الٰہی کو اپنی جگہ سے ہٹا کر بگاڑ دیا گیا ہے۔

حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ کہ یوم یبعثون سے مراد وہ وقت ہے۔ کہ انسان مرکر دوسری زندگی میں جاتا ہے

اور یہ ہر شخص کی موت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ موت اور بعث گویا ایک چیز ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہوا ابلیس درخواست کرتا ہے۔ کہ اے خدا مجھے عمر کے آخری وقت تک مہلت دے کہ جب تک کہ میں اور یہ لوگ اس دنیا سے اٹھائے جائیں۔ اس وقت تک میں انہیں غلط کاری میں مبتلا کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں خدا فرماتا ہے انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم تو وقت معلوم تک مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے۔ "وقت معلوم" سے مراد موت کا وقت ہے جو معلوم ہے کہ لازمی طور پر آئے گا۔ اس آیت میں "منظرین" بصیغہ جمع بیان ہوا ہے جس سے ثابت ہوا۔ کہ ابلیس کے سوا بہت سے اور بھی ہیں۔ جنہیں مہلت دی گئی ہے۔ تو اگر اس مہلت سے فنائے عالم یا بعد فنا دوبارہ پیدا ہونے کے وقت تک مہلت مراد ہو۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ایسے بہت سے لوگ ہیں۔ جو اس وقت تک باقی رہیں گے۔ حالانکہ یہ مسلمات کے خلاف ہے۔ کل ما سوا اللہ کے فنا و معدوم ہونے کا عقیدہ پھر کدھر جائے گا؟

عالم۔ حضرت یونسؑ کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے "فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون۔ کہ اگر یونس علیہ السلام خدا کی تسبیح و تقدیس کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ تو مچھلی کے

پیٹ میں اس دن تک پڑے رہتے۔ جس دن کہ لوگ مبعوث ہوں گے۔ معلوم ہؤا مبعوث ہونے کا ایک دن ہے۔

فاضل۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ بھی معلوم ہؤا۔ کہ اس دن تک حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں ہی پڑے رہتے۔ تو نہ صرف حضرت یونسؑ بلکہ وہ مچھلی بھی لوگوں کے مبعوث ہونے کے دن تک باقی رہتی۔ جس کے پیٹ میں حضرت یونسؑ رہتے۔ ایسی غیر معقول صورتیں اسی لئے پیدا ہوتی ہیں۔ کہ کلام کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا ہے یوم یبعثون سے مراد موت کا وقت ہے۔ جب لوگ مر کر دنیا سے اٹھ جاتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اگر حضرت یونسؑ خدا کی پاکی بیان کرنے والے نہ ہوتے تو وہیں ہلاک ہو جاتے۔ اور وہیں مر کر رہ جاتے۔ مگر چونکہ وہ خدا کی پاکی بیان کرنے والے تھے۔ اور خدا کے دین کی تبلیغ کرنے والے تھے۔ خدا نے ان کے سپرد جو کام کیا تھا۔ اسے پورا کرنے کے لئے حضرت یونسؑ کو قوم میں رہنا تھا۔ اس لئے خدا نے انہیں اور زندہ رکھا۔ اس آیت میں بھی یوم یبعثون سے مراد یوم موت ہے۔ کیونکہ موت کے ساتھ انسان دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ بہر حال کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ایک وقت کل کائنات معدوم ہو جائے گی۔ اور اس کا نام قیامت ہے۔ جو جو آیتیں اس مدعا کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں

ان سے یہ مدعا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

کیا مردے مٹی کی قبروں میں سے ہی اٹھینگے؟

کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے جی اٹھیں گے اور میدان محشر کی طرف چلیں گے"۔

اس کے متعلق بنیادی بات تو یہی ہے۔ کہ اول فنائے عالم اور اس کا م قیامت قرآن مجید سے ثابت کیا جائے۔ پھر یہ بھی ثابت کیا جائے کہ مر کر سب لوگ قبروں میں پڑے رہتے ہیں۔ کیا تمام جہان کا یہ مشاہدہ نہیں۔ کہ مردے قبروں میں خاک ہو جاتے ہیں۔ اور خاک کہاں کہاں چلی جاتی ہے۔ جب معلوم و مسلم ہے۔ کہ قبروں میں مردے دھرے نہیں رہتے۔ تو پھر قبروں سے ان کا نکلنا کیا معنی رکھتا ہے؟

پھر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ جب قیامت کے پہلے حصے میں دنیا کی سب چیزیں فنا ہو جائیں گی"۔ تو تمام قبریں بھی فنا ہو جائیں گی۔ کیونکہ جب ساری زمین ہی معدوم ہو گئی۔ تو پھر قبریں کہاں رہیں۔ اس صورت میں مردوں کا قبروں سے جی اٹھنا ایک بے پایہ بات نہیں

تو اور کیا ہے؟ جب زمین ہی ندارد ہو گئی۔ تو قبریں کہاں ہونگی۔ اور جب قبریں ہی مفقود ہو گئیں۔ تو قبروں میں سے مردے کیونکر نکلیں گے؟ کیا دوبارہ قبریں بنائی جائیں گی؟ اور ان میں از سرِ نو مردے ڈالے جائیں گے؟ اور پھر نکالے جائیں گے؟

ایسی موہومات سے دین کو کیا تعلق ہے اور خدا کے کلام سے ایسی باتیں کہاں ثابت ہوتی ہیں؟

یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جیسے حیات زندگی کو کہتے ہیں۔ ویسے ہی موت زوالِ حیات کو کہتے ہیں۔ عدم ہو جانے کا نام موت نہیں ہے۔ جو چیز معدوم ہے۔ اسے مردہ نہیں کہہ سکتے مردہ قالبِ بے روح کا نام ہے۔ نہ کہ اس چیز کا جس کا نہ جسم ہے نہ روح۔ اسی لئے وہ جسم مردہ کہلاتا ہے جس میں روح نہ رہی ہو۔ اس روح کو تو مردہ نہیں کہتے جو موجود ہے۔ مگر اس کا تعلق بدن سے منقطع ہو گیا ہے۔ وہ روح تو زندہ ہے جب بدن سے تعلق تھا تو بھی زندہ تھی۔ اور بدن سے تعلق منقطع ہو جانے پر بھی زندہ ہے۔ بلکہ روح کے تعلق کی بنا پر ہی جسم کو بھی زندہ کہا جاتا ہے۔

روح بہرحال زندہ ہے۔ جسم بے روح مردہ ہے۔ اور یہ جسم بھی اس وقت تک مردہ کہلا سکتا ہے۔ جب تک اس کی ہیئت زندگی کے ایام کی سی ہے۔ مگر اس میں روح نہیں۔ جب یہ جسم ذرّے ذرّے ہو کر

ہوا میں اڑ جائے گا۔ تو پھر مردہ بھی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ تجسم بالکل معدوم ہو گیا۔ نتیجہ یہ کہ مردہ جسم بے روح کو کہتے ہیں۔ شئی معدوم کو مردہ نہیں کہتے۔

جبکہ یہ عقیدہ ہے۔ کہ کل کائنات قیامت میں پہلے فنا اور معدوم ہو جائے گی۔ تو پھر یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ کہ مردے جی اٹھیں گے۔ مردے تو فنا اور معدوم ہو چکے ہونگے۔ یوں کہنا چاہیے۔ کہ تم مر جاؤ گے قیامت کے دن فنا اور معدوم ہو جاؤ گے پھر خدا تمہیں عدم وجود میں لائیگا مگر ایسا نہیں کہا گیا یہی کہا گیا۔ کہ مردے زندہ کئے جائیں گے جس سے لازم آتا ہے۔ کہ قالب بے روح موجود رہیں گے۔ جن میں روح ڈالی جائے گی۔ اس سے بھی واضح ہو گیا۔ کہ فنائے کلی کا اعتقاد درست نہیں چونکہ قرآن مجید کی بعض آیات پیش کی جاتی ہیں۔ جس سے ثابت کیا جاتا ہے۔ کہ قیامت کے دن مردے قبروں سے جی اٹھیں گے۔ اس لئے ہم ان آیات پر بھی ایک نظر ڈالتے ہیں۔

(۱) اذا القبور بعثرت۔ علمت نفس ما قدمت واخرت (پ۔ ع) جب اہلِ قبور اٹھائے جائیں گے۔ ہر نفس اپنے اگلے پچھلے اعمال کو جان لیگا۔

(۲) یوم یخرجون من الاجداث سراعاً کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع یقول الکفرون ھذا یوم عسر (پ۲۷۔ ع) جس دن لوگ قبروں سے نکلیں گے۔ تو کثرت تعداد کی وجہ سے پھیلی ہوئی ٹڈیوں کی طرح نظر آئیں گے

پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جائیں گے۔ کافر کہیں گے یہ دن تو بڑا سخت ہے (۲) و نفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون ہ (پ۲۳ - ع) جب قرنا میں پھونکا جائے گا۔ تو لوگ فوراً اپنے پروردگار کی طرف بھاگ کھڑے ہوں گے۔ ان تینوں آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات ان معنی میں نص صریح ہیں۔ کہ قیامت کے روز مردے قبروں سے زندہ نکل کھڑے ہوں گے۔

پہلی آیت پر غور اب ہم ہر ایک آیت پر غور کرتے ہیں۔ آیت اذا القبور بعثرت کے معنی یہ کئے گئے ہیں۔ کہ "جب اہلِ قبور اٹھائے جائیں گے"۔ قابل غور بات یہ ہے۔ کہ کیا یہ ترجمہ الفاظ کے مطابق ہے؟ ہر شخص کہیگا کہ ہرگز نہیں۔ اس میں قبور کا ترجمہ اہلِ قبور کیا گیا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ اپنے عقیدہ کے مطابق مفہوم پیدا کرنا تھا اس لئے قبور کا ترجمہ اہلِ قبور کر دیا۔ بعثرت کے معنے کئے ہیں۔ اٹھائے جائیں گے۔ زبانِ عرب اس معنی کی تائید نہیں کرتی۔ بعثر کے معنی لغت میں لکھے ہیں "بعثرہٗ ای فرقہٗ۔ وقلب بعضہٗ علی بعض" (منتخب الصحاح) اسے جدا جدا کیا اور الٹ پلٹ کیا۔

آیت اذا القبور بعثرت کے معنی مفرداتِ راغب میں کئے ہیں۔ قلب ترابھا واثیر مافیھا قبروں کی مٹی الٹ پلٹ کر دی جائے گی۔ اور جو کچھ ان میں ہے اسے اکھیڑ دیا جائے گا۔ یقال بعثرت الحوض اذا قلبت فجعلت

اسفلہٗ اعلاہٗ (کما بین حاشیہ جلالین)

عربی میں محاورہ ہے بعثرت الحوض جب تو نے حوض کے نچلے حصہ کو اوپر کر دیا۔ اسی لئے اس آیت کا ترجمہ مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے ترجمۂ قرآن میں یوں کیا ہے۔ کہ جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی۔ یہ ترجمہ لغت اور آیت کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ اس آیت کی نص صریح یہ کہتی ہے۔ کہ ایک وقت آئے گا۔ جب قبریں بکثرت اکھاڑ دی جائیں گی سو موجودہ زمانے میں تمدن و تعمیرات کی روز افزوں ترقی کے باعث بکثرت قبریں روزانہ اکھاڑ دی جاتی ہیں۔ ان کی مٹی الٹ پلٹ کر دی جاتی ہے۔ ان کے اندر جو کچھ ہڈیاں وغیرہ ملتی ہیں۔ وہ نکال کر پھینک دی جاتی ہیں۔ خدا کی یہ پیشگوئی حرف بحرف ظاہری اور صریح مادی طور پر بھی پوری ہو رہی ہے۔ اور ہم سب آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

رہی یہ بات کہ علمت نفس ما قدمت واخرت۔ سو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ جب قیامت سے بیداری کا دور آئے گا۔ تو لوگ اپنی گذشتہ اور آئندہ کارروائیوں کا علم حاصل کریں گے۔ لفظ نفس کا ترجمہ یہاں کل نفس کے معنی میں لینا کسی قاعدے سے ضروری نہیں ہے چونکہ کلام الٰہی جامع ہوتا ہے۔ اور اس میں حقائق عصر سے رہتے ہیں۔ اسلئے اذا القبور بعثرت کا ظہور اور پہلوؤں سے بھی مشہور ہو رہا ہے۔ جو یہ ہے کہ قبور تمام وہ زمینی مقامات ہیں۔ جس میں کوئی چیز مقبور یعنی مستور و مدفون ہو۔ اس لحاظ سے زمین کے دفینے اور معدنیات جو بڑے زور سے آج کل نمودار ہو رہے ہیں۔ وہ بھی اسی

کلمہ الٰہیہ کے احاطہ میں داخل ہیں۔ کان کنی کا نظام جو اس زمانہ میں ہے۔ وہ دنیا کی آنکھ نے اس سے پہلے ایسے ساز و سامان اور قوت و شان کے ساتھ کبھی نہ دیکھا تھا۔ تمام پوشیدہ دفینے کھولے جا رہے ہیں۔ اور قیمتی معدنیات۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ لوہا وغیرہ اس کثرت سے نکل رہا ہے۔ جو اپنی جگہ خود ایک قدرت کا تماشہ ہے۔ اور جس کی وجہ سے دنیا کا تمدن بدل رہا ہے۔ تمام جہان کے حالات پر اس کا عظیم الشان اثر ہے۔ اس سلسلہ میں کوئلہ۔ پٹرول۔ کراسن آئیل وغیرہ جو موجودہ تمدن و ترقی میں بہت گہرا اثر رکھتی ہیں۔ زمین کے دفینے ہی ہیں۔ جو خدا نے آج انسان کے لئے کھول دیئے ہیں۔ پہلے ان چیزوں کی دنیا کو خبر بھی نہ تھی۔ اسی بات کو یوں فرمایا ہے۔ اذا الارض مدت والقت ما فیھا وتخلت۔ جس وقت زمین پھیل جائے گی۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ سب دفینے نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اور اپنا پیٹ خالی کر دی جائے گی۔ اس بات کو یوں بھی بیان فرمایا ہے۔ وبعثر مافی القبور کہ زمین کے دفینوں میں جو کچھ چیزیں ہیں۔ وہ باہر نکال دی جائیں گی۔ کیونکہ بعثر کا معنی یہی ہیں۔ کہ وہ الٹ پلٹ کر کے باہر نکال دی جائیں گی۔ اس بات کو یوں بیان فرمایا ہے کہ اخرجت الارض اثقالہا۔ زمین اپنے بوجھوں کو باہر نکال دے گی۔

امام راغب اصفہانی مفردات قرآن میں لکھتے ہیں۔ کہ اذا القبور بعثرت کے معنے یہ بھی کئے گئے ہیں۔ پوشیدہ چیزیں ظاہر کر دی جائینگی۔

بات یہ ہے کہ جہاں تک کلمات کی درست ہے۔ وہاں تک وہ کلمات مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوتے ہیں۔ مختلف پہلو بھی دراصل ایک حقیقت کے متعدد مظاہر

ہیں۔ یعنی لفظ کے معنی ایک ہی ہیں۔ مگر وہ متعدد صورتوں میں۔ متعدد مقامات پر ظاہر ہوتے ہیں۔ تو سب معنی درست تسلیم کئے جائیں گے۔ گویا ایک پھول کی کئی پنکھڑیاں ہیں۔ ہاں اگر اصولِ الٰہی یا قانونِ قدرت کے خلاف کوئی معنیٰ ہوں۔ تو ناقابلِ قبول ہوں گے۔ یا متعدد معنیٰ باہم متناقض ہوں گے۔ تو ضرور ایک معنیٰ قابلِ تسلیم ہوں گے۔ باقی رد ہو نگے۔

دوسری آیت پر غور الداع سے مراد داعیِ الٰہی پیغمبر ہے۔ آیتِ مذکورہ کی صرف عبارت کہتی ہے۔ کہ جس دن داعیِ الٰہی لوگوں کو پکارے گا۔ ایک ایسی چیز کی طرف دعوت دیگا۔ جس سے لوگ ناآشنا ہوں گے (چنانچہ اب لوگ دینِ جدید کی دعوت اور اعلانِ قیامت سے اچنبے میں ہیں۔ اور ان کی عقلیں اور آنکھیں حیرت زدہ ہیں) لوگ اپنے پستی کے گڑھوں سے بکثرت نکلیں گے۔ جب کہ وہ داعیِ الٰہی کی جانب لپکیں گے۔ اور اس حقیقت کا انکار کرنے والے کہیں گے۔ کہ بڑا خراب زمانہ آگیا ہے۔ اور ہم لوگ نہایت تنگ حالت میں ہیں۔ چنانچہ یہ واقعات رونما ہیں۔ حتیٰ کہ آج کل وہ مردہ اور پژمردہ قومیں جو ہزاروں سال سے قعرِ پستی میں پڑی ہوئی تھی۔ جیسے اچھوت اقوام۔ وہ بھی تو پستی سے نکل رہی ہیں۔ نئے زمانے کی ہلچل سے متاثر ہو کر اپنی اصلاح کی کوشش کر رہی ہیں۔ کیا قرآن مجید کی یہ پیشگوئی دورِ حاضر میں واقعہ نہیں بن رہی ہے۔ یخرجون من الاجداث پر اصرار کرنا کہ اس سے مراد وہی قبریں ہیں۔ جن میں مردے دفن کئے جاتے ہیں۔ ایک بیجا اصرار ہے۔ عام خیال کے مطابق فنائے عالم میں قبریں بھی معدوم

ہو جائیں۔ اصل یہ ہے کہ قرآن کے محاورات کو سمجھنے والے بآسانی اس حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ خدا نے امتِ محمدیہ کے بارے میں بھی فرمایا ہے۔ کنتم علیٰ شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منھا۔ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے خدا نے تمہیں اس میں سے نکال لیا۔ فرماتا ہے۔ کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس۔ تم وہ بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے۔ اس معنیٰ میں آج بھی لوگ گڑھوں سے نکل رہے ہیں۔ اور یخرجون من الاجداث کا نظارہ واقعات عالم پر نظر کرنے والوں کے سامنے آشکار ہے۔ یہ وہ معنیٰ ہیں۔ جو آیت مبارکہ کے الفاظ سے صاف صاف ظاہر ہیں۔ پھر کسی بات کی طرف جانے کی گنجائش نہیں ہے

تیسری آیت پر غور

تیسری آیت سورۂ یٰسین کی آیت ونفخ فی الصور ہے۔ جسے اپنے خیال سے فنائے عالم کے بعد مردوں کے جی اٹھنے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس آیت کو بھی فنائے عالم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ اس فنا کے بعد قبروں سے مردوں کے جی اٹھنے کا ذکر ہے۔ چونکہ عقیدہ یہ بنا لیا گیا ہے۔ کہ فنائے عالم اور اس کے بعد مردوں کا اٹھنا قیامت ہے۔ اس لئے تمام آیت کو اسی ایک خیالی دائرے میں گھمایا جاتا ہے۔ حالانکہ قیامت کا یہ مفہوم ہی قرآن مجید سے ثابت نہیں

قیامت کی حقیقت ہم مفصل طور پر ثابت کر چکے ہیں۔ کہ خدا کسی قوم کی حوائج سے ایک صاحبِ امر پیغمبر قیام کرتا ہے۔ جس کے ذریعے انسان

نئی زندگی میں برپا ہوتے ہیں۔ ہر پیغمبر کا ظہور قیامت ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور مبارک بھی قیامت تھا۔ خود آنحضور فرمایا کرتے تھے۔ انا الحاشر یعنی میں حشر برپا کرنے والا ہوں۔ سورۂ یٰسین کی آیت و نفخ فی الصور میں نفخۂ محمدیہ کا ذکر ہے۔ الفاظ و عبارات کو دیکھئے۔ اور سیاق و سباق پر نظر ڈالئے اور ملاحظہ کیجئے۔ کہ کس خوبی سے خدائے تعالیٰ نے اس نفخۂ محمدیہ کا بیان فرمایا ہے۔ جس کا اثر لوگوں پر غالب چلا جا رہا تھا۔

پہلے تو مرسلین حق کی آمد اور ان کے مومن اور منکروں کا ذکر کرکے فرماتا ہے کہ ان کانت الا صیحۃ واحدۃ" یہ دعوت حق بس ایک پکار تھی۔ فاذا ھم خامدون تب یہ پکار سن کر وہ لوگ جمود و خمود میں بجھ کر رہ گئے۔ یحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون بندوں پر افسوس کہ ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا۔ مگر یہ لوگ ضرور اسے ہنسی میں اڑاتے ہیں۔ اولم یروکم اھلکنا قبلھم من القرون انھم الیھم لا یرجعون۔ یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہم برباد کر چکے ہیں۔ وہ تباہ شدہ قومیں ان بعد کی امتوں کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کر رہی ہیں۔ کسی نئی تحریک کو قبول نہیں کرتی ہیں۔ اپنی پرانی بربادی میں ہی اب تک مبتلا اور مگن ہیں۔ اور سب کے سب ہمارے سامنے حاضر اور ماخوذ ہیں۔

اس کے آگے چل کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تبلیغ لوگوں کو کہا گیا ہے کہ ہوشیار رہو۔ جیسے پہلی قوموں کا بیڑا غرق ہو چکا ہے۔ تمہارا بھی اسی

طرح بیڑا غرق نہ ہو جائے۔ اس حالت میں ہمارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ البتہ رحمتِ پروردگار سے امید رکھنی چاہیے۔ اس پر یہ لوگ سوال کرتے ہیں۔ ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صدقین۔ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ بربادی جو ہمیں دیا جا رہا ہے۔ کب پورا ہوگا۔ اگر تم سچے ہو تو ہمیں بتاؤ۔ اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے۔ ما ینظرون الا صیحۃ واحدۃ وھم یخصمون کہ یہ منکر و غافل لوگ بس ایک ایسی سخت آواز کے منتظر ہیں۔ جو انہیں آکر پکڑ لیں (جیسا کہ موہوم قیامت کے انتظار کرنے والوں کا خیال ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اور اہل حق سے جھگڑ رہے ہیں۔ فلا یستطیعون توصیۃ ولا الی اھلھم یرجعون۔ سو اب یہ لوگ اس حالت میں نہ تو حق باتوں کی نصیحت کر سکتے ہیں۔ نہ اپنے لوگوں کی طرف کچھ توجہ کرتے ہیں۔ حق سے غافل اور اصلاح قوم سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ اور ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون ٥ "حالانکہ صور پھونک دیا گیا ہے۔ اب لوگ اپنے گڑھوں سے نکلے ہوئے اپنے مربی کی طرف بڑھ رہی ہیں"۔

اس ہلچل سے متاثر ہو کر قالوا یویلنا من بعثنا من مرقدنا انہوں نے کہا۔ ہائے ہائے ہمیں کس نے ہماری خوابگاہوں (آرامگاہوں) سے اٹھا دیا۔

خداوند عالم جواب میں فرماتا ہے

ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون ٥ یہ واقعہ وہی ہے، جس کا

خدا نے وعدہ دیا۔ اور پیغمبروں نے سچ بیان کیا۔ یعنی اس ظہور کی بشارت سچے پیغمبروں نے دی۔ جواب واقعات کی شکل میں نمودار ہے۔

ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ہم جمیع لدینا محضرون	یہ وقت ایک پکار ہی تو ہے۔ تو یہ لوگ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر و موجود ہیں۔
فالیوم لا تظلم نفس شیئا ولا تجزون الا ما کنتم تعملون	سو آج کسی نفس پر ظلم نہ ہوگا۔ اور تمہارے اعمال کا ہی ثمرہ تمہیں ملیگا۔
ان اصحب الجنۃ الیوم فی شغل فاکہون	اہل جنت (مومن) آج اپنے شغل (ایمان و عمل صالح) میں خوش و خورم ہیں

مختصر یہ کہ سورۂ یسین کی آیت نفخ فی الصور میں نفخہ محمدیہ کا بیان ہے۔ اور اس کا ظاہری علمی ثبوت یہ ہے۔ کہ ان آیات میں صیغہ ماضی استعمال ہوئے ہیں۔ اور کوئی اذا و خبر بھی ان پر داخل نہیں۔ کہ ماضی کو اپنی جگہ سے ہٹا کر مضارع کے معنی کر دیتے ہیں۔ پھر لفظ الیوم وارد ہے۔ جس کے معنی ہیں آج یعنی موجود زمانہ جس میں یہ کلام نازل ہو رہا ہے۔ جو وقت ظہور محمدی ہے۔

سورۂ یسین کی مذکورہ آیت میں یہ جو فرمایا۔ کہ آج کسی نفس پر ظلم نہ ہوگا۔ یہ وہی بات ہے۔ جو دوسری جگہ یوں بیان کی ہے۔ کہ ہر امت کے لئے رسول ہے جب ان کا رسول آتا ہے۔ ان لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا (یونس ع ۵)

ظہور محمدی کے وقت فیصلہ حق ہونے کا اعلان سورۂ جاثیہ میں بھی اس طرح

کیا گیا ہے کہ

"ہم بنی اسرائیل کو کتاب۔ حکم۔ نبوت عطا کر چکے ہیں۔ اور انہیں ہم نے پاکیزہ نعمتیں بخشی تھیں۔ اور اہلِ جہان پر انہیں برتری دی تھی۔ اور امر کی بینات بھی عنایت فرمائیں۔ تو انہوں نے اس وقت تک اختلاف نہ کیا۔ جب تک کہ ان میں علم سرکشی بن کر نہ آیا۔ یعنی جب تک علماء بگڑ نہ گئے۔ جب علماء یہود بدعمل اور جھگڑالو ہو کر آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ تو یہودیوں میں بھی اختلافات پھیل گئے۔ یقیناً تیرا رب بنی اسرائیل کے مابین یوم قیامت (ظہور محمدی) میں فیصلہ کر رہا ہے۔ ان باتوں کا جن میں وہ لوگ اختلاف کر رہے تھے۔ اسی بات کو صاف صاف محکم طور پر صیغہ حال بنا کر یوں فرمایا ہے۔

انما جعل السبت علی الذین اختلفوا فیہ وان ربک لیحکم بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون (نحل ع ۱۶) "سبت انہی لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جن لوگوں نے اس میں اختلاف کر لیا ہے۔ اور یقیناً تیرا پروردگار روزِ قیامت میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر رہا ہے۔"

اس آیت میں صریح طور پر لیحکم میں لام حال سے خداوند عالم نے منصوص اور قطعی اظہار فرما دیا۔ کہ اب موجودہ زمانہ ظہورِ محمدی یوم قیامت ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ اختلافات کا فیصلہ کر رہا ہے۔

رہی یہ بات کہ جہاں جہاں قیامت کا ذکر ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ بنی آدم کے نیک و بداعمال کا فیصلہ اور اس کا نتیجہ جنت و دوزخ بھی مذکور ہے سو یاد رہے کہ رسول کے آنے پر لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جاتا ہے

اور خدائے تعالیٰ مومنوں کے حق میں خوبی اور رحمت کا فیصلہ اور منکروں کے حق میں خرابی و بربادی کا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ اور یہ ان کے گذشتہ و موجودہ اعمال کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ مومنین رضائے الٰہی میں مقام پاتے ہیں۔ جو حقیقی جنت ہے اور ہر جنت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور منکرین حق غضب الٰہی میں جاتے ہیں۔ جو حقیقت جہنم ہے۔ اور ہر جہنم اسی سے نمودار ہوتی ہے یوم البعث میں خداوند عالم فرماتا ہے "اے محمد! تو مردوں کو اپنا پیغام نہیں سنا سکتا۔ اور نہ بہروں کو اپنی دعوت و تبلیغ سنا سکتا ہے۔ جبکہ یہ مردے اور بہرے منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اور نہ تو اندھوں کو ان کی ضلالت سے نکال کر راہ دکھا سکتا ہے۔ تو انہی لوگوں کو پیغام حق سنا سکتا ہے۔ جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ اور حق کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ خدا ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا۔ پھر کمزوری کے بعد قوت دی۔ اور پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ علیم کل اور ہر چیز کا ٹھیک اندازہ کرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے:۔

ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعۃ کذلک کانوا یؤفکون ۝

اور جس دن الساعۃ برپا ہوگی۔ مجرم لوگ کہیں گے۔ کہ ہم تو ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے (یعنی ہماری قومی عمر بہت جلد ختم ہو گئی) اسی طرح کی باتوں سے وہ چکر میں ڈالے جاتے تھے۔ یہ تو قیامت یعنی ظہور موعود کے وقت منکروں کا ذکر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اب ظہور موعود حق پر ایمان لانے والوں کا ذکر فرماتا ہے:۔

وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث

فیھذا یوم البعث ولٰکنکم کنتم لا تعلمون ٥ (روم) اور وہ لوگ جنہیں علم و ایمان عطا کیا گیا کہینگے کہ اے لوگو! تم کتاب اللہ میں روزِ بعث تک ٹھہرے رہے سو یہ ہے روزِ بعثت لیکن تم نہیں جانتے تھے۔"

اس آیتِ مبارکہ میں صاف صاف فرمایا ہے۔ کہ علم و ایمان والے کہینگے کہ یہ یوم بعث ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم بعث کا اقرار و عرفان ایک علمی و ایمانی راز ہے۔ جسے علم حق رکھنے والے مومن ہی پاسکیں گے۔ باقی لوگ اس حقیقت کی شناخت سے محجوب رہیں گے۔ اگر قیامت کا میدان ایسا ہو کہ وہاں نوع انسان کے تمام افراد قبروں سے دھڑا دھڑ نکلیں گے۔ اور اولین و آخرین کا ہجوم ہوگا۔ تو وہاں کیا صرف علم و ایمان والے ہی اس کا مشاہدہ کرسکیں گے؟ اور باقی لوگوں کو کچھ نظر نہ آئیگا؟ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ یہ شہود یوم قیامت علمِ ربانی اور اسرارِ ایمانی کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جسے خدا کی طرف سے علم و ایمان پانے والے چشمِ یقین سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اسرارِ حقیقت سے بیگانہ لوگ اسے محسوس بھی نہیں کرسکتے۔

اب ہم یہی گفتگو کر رہے ہیں۔ کہ یہی زمانہ یوم البعث ہے۔ جس میں حضرت باب اور حضرت بہاءاللہ کی بعثت ہوئی۔ اور بہت سے لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں لفظ "لبثتم" نہایت قابل غور ہے۔ لغت میں لکھا ہے۔ "لبث بالمکان اقام به ملازما له" (مفردات راغب)

لبثت کے معنی ہیں کسی جگہ مسلسل ٹھہرے رہنا۔ آیت میں فرماتا ہے لقد

لبثتم فی کتاب اللّٰہ الیٰ یوم البعث تم کتاب اللّٰہ میں یوم بعث تک ٹھہرے رہے۔ کتاب میں ٹھہرنے کا مطلب واضح ہے۔ کہ تم کتابِ خدا (قرآن) کے دائرہ عمل میں اس وقت تک رہے۔ جب تک یوم بعث یعنی ظہور موعود حق کا زمانہ آیا۔ اور اب یوم بعث ہے۔ نیا دور شروع ہے۔ اگر کتاب اللّٰہ میں ٹھہرے رہنے سے یہ مطلب لیا جائے۔ کہ خدا کے ثبت کردہ حکم کے مطابق تم لوگ یوم بعث تک ٹھہرے رہو۔ تو بھی ایک نہایت اہم تفسیص یہاں موجود ہے۔ کہ تم لوگ یوم بعث تک ٹھہرے رہے۔ کہاں ٹھہرے رہے؟ اگر کہیں دنیا میں ٹھہرے رہے۔ تو بھی قطعی طور پر معلوم ہؤا۔ کہ لوگ دنیا میں اس وقت تک رہیں گے۔ جب تک یوم بعث آئے۔ اور یوم بعث بخیال عام فنائے عالم کے بعد آئے گا۔ تو یوم بعث تک دنیا میں ٹھہرے رہنا کیونکر ممکن ہے۔ جبکہ یوم بعث سے طویل عرصہ قبل دنیا و مافیہا بکلی فنا ہو جائے گی۔ اس صورت میں لوگ یوم بعث تک دنیا میں نہیں ٹھہر سکتے۔ یا پھر یہی ماننا پڑے گا۔ کہ فنائے عالم کے بعد یوم بعث کا خیال غلط ہے۔ اور یوم بعث سے مراد مرسل من اللّٰہ کی بعثت ہے۔ جو موعود قرآن ہے۔ اگر کہا جائے۔ کہ ٹھہرے رہنے سے مراد یہاں کسی برزخ یا قبر میں ٹھہرے رہنا ہے۔ تو بھی صریح نص آیت کی بنا پر ماننا پڑیگا۔ کہ لوگ برزخ یا قبر میں یوم بعث تک پڑے رہیں گے۔ تو اس سے بھی یہ بات قطعاً غلط ٹھہری۔ کہ نفخہ اول کے وقت سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔ بہر حال یوم بعث تک لوگوں کا ٹھہرا رہنا ایک قطعی اور منصوص

امر ہے۔ اس کا انکار محال ہے۔ پس یوم بعث سے پہلے فنائے کلی کا عقیدہ اس نصِ قطعی نے بالکل رد و باطل کر دیا۔

نفخۂ اولیٰ و نفخۂ ثانیہ

قیامت کی بے ہوشی

کہتے ہیں پہلے حصہ میں دنیا کی سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔ دوسرے حصے میں انسانی اجساد کا حشر نشر ہو گا۔ قرآن مجید میں پہلے حصہ کو نفخۂ اولیٰ اور دوسرے کو نفخۂ ثانیہ سے تعبیر کیا گیا ہے"۔

جواب دو نفخوں کا ذکر سورۂ زمر میں ہے۔ نفخۂ اولیٰ کے بارے میں فرمایا ہے وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ صور پھونکا جائے گا۔ تو بلندیوں اور پستی کے لوگ سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ ہاں جسے خدا چاہے۔ وہ بے ہوش بھی نہ ہوگا۔ ہم اس آیت پر تفصیل سے پہلے مضامین میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب

پھر خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ کہ اس آیت میں چار صریح الفاظ ایسے ہیں۔ جو قیامت میں فنائے عالم کے بالکل خلاف، اشیاء عالم کی موجودگی کا اعلان کر رہے ہیں

(۱) صعق جس کے معنی بے ہوش ہونا ہیں۔ فنا اور معدوم ہونا یا ذرات میں تبدیل ہو جانا نہیں ہیں۔ بیہوشی کا لفظ کھلا ثبوت ہیں۔ کہ لوگ موجود رہینگے فنا نہ ہوں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں تجلی طور کے ذکر میں فرمایا ہے وخرّ موسٰی صعقا۔ کہ حضرت موسٰی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ تو کیا بیہوش ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ حضرت موسٰیؑ کا وجود فنا ہو کر ذرات میں تبدیل ہو گیا۔ اور وہ معدوم ہو گئے تھے۔ ہرگز نہیں۔ حضرت موسٰیؑ ویسے ہی موجود تھے جیسے پہلے تھے۔ پس لفظ صعق عقیدۂ فنا کے خلاف چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے۔ کہ قیامت کے نفخۂ اولٰی میں فنا ہرگز ہرگز نہیں ہو گی۔

(۲) اس آیت مبارکہ میں دوسرا منصوص اور صریح لفظ من ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ صعقۂ قیامت کا تعلق صرف ذوی العقول سے ہے کیونکہ لفظ من لسان عرب میں ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ تو یہ من بھی کا پتھر ہے۔ جو نفخۂ اولٰی میں اشیاء عالم کی فنا کے خیالی سوراخ کو بند کر رہا ہے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ یہاں اشیائے عالم کی فنا کا ذکر تک نہیں۔

(۳) اس آیتِ مبارکہ میں لفظ اِلَّا استثنائیہ تیغ برہنہ کی طرح فنائے عالم کے عقیدۂ موہومہ کا سر کاٹ رہا ہے۔ اور بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ نفخۂ اولٰی میں اشیائے عالم تو درکنار سب انسانوں کے بے ہوش ہونے کا خیال

بھی سراسر غلط ہے بلکہ بہت لوگ ہوں گے۔ جو مشیت الٰہی کے ماتحت با ہوش و مطمئن ہوں گے۔ چنانچہ اس امر کی تخصیص و تصریح قرآن مجید نے یوں فرما دی ہے۔

و یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوٰت و من فی الارض الا من شاء اللہ (سورۂ نحل۔ ع۷) "اور جس دن صور پھونکا جائے گا۔ تو بلندیوں اور پستی والے گھبرا جائیں گے۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے۔ جو خدا کی مشیت کے ماتحت گھبرائیں گے بھی نہیں"۔

اس آیت مبارکہ میں صعق کی تفسیر فزع فرما دی۔ یعنی گھبراہٹ ہوگی۔ گھبراہٹ تو جبھی ہو سکتی ہے۔ جب لوگ زندہ موجود ہوں۔ بلکہ گھبراہٹ سے محفوظ رہنے والوں کی نسبت اسی آیت کے آگے فرماتا ہے وھم من فزع یومئذ آمنون ○ کہ وہ اس وقت گھبراہٹ سے مامون و مصئون ہوں گے۔ (اور ظاہر ہے کہ جب پرانے دین کے زمین آسمان ٹوٹتے ہیں۔ اور نئی شریعت کا نظام جدیدہ برپا ہوتا ہے۔ تو تمام چھوٹے بڑے گھبرا اٹھتے ہیں) اس وقت مابہ ہے۔ کہ صعق کی تفسیر ففزع خود خداوند عالم نے فرما دی ہے اب نتیجہ خوب یاد رکھئے۔ کہ وہ آیت مبارکہ جس میں دو نفخوں کا ذکر ہے۔ نفخۂ اولیٰ کے متعلق یہ تصریحات کرتی ہے۔

(۱) اشیائے عالم کی فنا کا ذکر کچھ نہیں صرف ذوی العقول کا ذکر ہے

(۲) ذوی العقول کی فنا کا ذکر نہیں۔ صرف بیہوشی یا گھبراہٹ کا ذکر ہے

(۳) سب لوگوں کی گھبراہٹ کا ذکر بھی نہیں بلکہ بعض لوگوں کی گھبراہٹ

کا ذکر ہے۔ مختصر لفظوں میں یوں ہؤا کہ نفخۂ اولیٰ میں کچھ لوگ گھبرائیں گے۔ اور کچھ لوگ اطمینان سے رہیں گے۔ اس سے فنائے عالم یا اشیاء موجودہ کی اشکال و ہیئات کا فنا ہوجانا کہاں اور کیسے ثابت ہؤا۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جب اس آیت مبارکہ میں جس میں نفخۂ اولیٰ و نفخۂ ثانیہ کا ذکر ہے۔ ایسے صریح الفاظ موجود ہیں۔ جو نفخۂ اولیٰ میں فنا کے خلاف اور لوگوں کے موجود اور مطمئن رہنے کا اعلان ہیں۔ تو ایسی نص قطعی کے مقابلے میں یہ کہنا کہ نفخۂ اولیٰ میں دنیا کی سب چیزیں فنا ہوجائیں گی۔ نہایت بے بنیاد اور سراسر غلط ہے۔

اب جبکہ یہ ثابت ہوگیا۔ کہ نفخۂ اولیٰ میں بھی لوگ زندہ۔ موجود و مطمئن رہینگے تو یہ تفریق ہرگز تسلیم کے قابل نہیں۔ کہ نفخۂ اولیٰ میں فنا ہوگی۔ اور نفخۂ ثانیہ میں حشر نشر۔ چونکہ یہ بنیادی منہدم ہوگئی۔ اس لئے قرآن مجید میں جس قدر آیات نفخِ صور کے متعلق ہیں۔ ان میں دو حصے کرنا کہ بعض تو فنا کا بیان کرتی ہیں۔ اور بعض حشر نشر کا۔ یہ خیال کسی طرح درست نہیں۔ فنا کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ للّٰہ۔ قرآن مجید پر آزاد غور کیجئے۔ کلام الٰہی کے صریح الفاظ ہوتے ہوئے ایسی غلط فہمیاں واللہ قیامت کی بے ہوشی ہے۔ پھر ہم نفخ صور کی دیگر آیات قرآنیہ کو مدِ نظر رکھ کر دیکھتے ہیں۔ تو صاف واضح اور ثابت ہوتا ہے۔ کہ نفخِ صور اس دنیا کے موجود ہوتے ہوئے واقع ہوگا۔ اور اس کا فنا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ کہف میں فرمایا۔ کہ یاجوج ماجوج ذوالقرنین کی لگائی ہوئی روک میں قیامت تک رہینگے۔ اور یوم موعود میں وہ ایک دوسرے پر ریل پیل کرینگے

اور صور پھونکا جائے گا۔ تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے"۔ اس آیت میں بیان ہے کہ ان قوموں کے دنیا میں رہتے ہوئے یہ نفخ صور ہو گا۔ جو مسلمہ طور پر نفخہ اولیٰ ہے۔ مگر یہاں نفخۂ اولیٰ میں فنا کا ذکر مطلق نہیں۔ سب کو جمع کرنے کا ذکر ہے۔

انصعاق کی حقیقت صور پھونکنے سے ندائے الٰہی کا بلند ہونا مراد ہے۔ جو منادی حق یعنی پیغمبر وقت کے ذریعے ہوتا ہے چنانچہ سورۂ ق میں صور کی جگہ ندائے منادی اور آوازِ حق کہہ کر صور کی تفسیر فرمادی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

واستمع یوم ینادِ المنادِ من مکانٍ قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذالک یوم الخروج۔ خوب توجہ سے سننا جس دن منادی الٰہی ندا بلند کرے گا۔ قریب جگہ سے جس دن لوگ آوازِ حق سنیں گے۔ یہی ظہور کا دن ہے

اسی حقیقت کو دعوتِ داعی کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورۂ قمر میں ارشاد ہے

"یوم یدع الداع الی شیءٍ نکر" جس دن داعی ایک نرالی چیز کی طرف دعوت دیگا"

منادی سے مراد پیغمبر وقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مومنوں کی زبانی کہا گیا ہے۔ "ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان" اے ہمارے مولیٰ! ہم نے اس منادی کی آواز کو سن لیا جو ایمان کے لئے بلا رہا ہے۔ یہی ندائے الٰہی کو سن کر قبول کرنے والے مومن فزع اکبر سے مستثنیٰ اور بے ہوشی و بیخبری سے محفوظ ہیں۔ اور باقی لوگ بڑی گھبراہٹ میں گرفتار اور بے خبری و بے حسی کا شکار ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ "فذرهم فی سکرتهم یعمهون۔ اے رسول! انہیں ان کی بے ہوشی میں چکراتا ہوا چھوڑ دے"۔ اسی بات کو قیامت کبریٰ کی نسبت سورۂ حج میں یوں ذکر فرماتا ہے۔ "وتری الناس سکٰری وما هم بسکٰری ولکن عذاب اللّٰہ شدید۔" اور تو لوگوں کو بے ہوش دیکھیگا۔ اور وہ بیہوش نہ ہوں گے۔ مگر خدا کا عذاب نہایت سخت ہوگا"۔ یعنی خدا سے دوری و مہجوری اور غفلت ایک عالمگیر عذاب کی صورت میں نمایاں ہوگی۔

"کلا انهم عن ربهم یومئذٍ لمحجوبون" ہرگز نہیں وہ لوگ اپنے پروردگار سے محجوب و محروم ہوں گے"

خداوند عالم سے بُعد اور محرومی سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ سب عذابوں کا اصل عذاب یہی ہے۔ لیکن منافق اور سکاری جو غفلت کے نشے میں چور ہیں حیرت کے چکر میں پڑے ہوئے اس حقیقت کا احساس نہیں کر سکتے۔ یہی انسانی کی حقیقت ہے عجیب بات ہے۔ کہ اس حقیقت کو ہر بعد والی امت اپنے سے قبل کی امت سے متعلق خوب سمجھتی اور اعلان کرتی ہے۔ مگر اپنے حق میں اس احساس سے محروم ہی رہتی ہے۔ یہودیوں کو۔ مسلمان عیسائیوں کو

سے بے ہوش نہ پایا اور مان رہے ہیں۔ کہ انہوں نے حضرت مسیح اور حضرت رسول کے ظہور بر حق کو نہ پہچانا۔ اسی لئے انہیں قرآن مجید میں صمٌ بکمٌ عمیٌ اور بے ہوش کہا گیا ہے۔

نفخۂ اولیٰ پر ایک اور نظرا کہتے ہیں کہ قیامت کے پہلے حصے کا ذکر اصرح طور پر مندرجہ ذیل آیات میں ملتا ہے:۔ فاذا نفخ فی الصّور نفخۃٌ واحدۃٌ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃً واحدۃً فیومئذٍ وقعت الواقعۃ (پ ۲۹ ع ۵) اس بیان سے اصرح طور پر معلوم ہوا۔ کہ دکّ الارض کا واقعہ نفخۂ اولیٰ میں ہوگا۔

جواب یہ آیت مبارکہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کلّا اذا دکّت الارض دکًّا دکًّا وجاء ربّک والملک صفًّا صفًّا وجیٓء یومئذٍ بجھنّم (سورۂ فجر) خبردار جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائیگی۔ اور تیرا رب اور فرشتے صف بصف آئیں گے۔ اور اس دن جہنّم لائی جائے گی۔ اس آیت میں دکت الارض کے ساتھ ہی رب اور فرشتوں کا آنا۔ اور جہنّم کا لایا جانا مذکور ہے۔ جو مسلمانوں کے نزدیک نفخۂ ثانیہ میں ہوگا۔ مگر نفخۂ اولیٰ میں جو چیز اصرح ہے۔ یعنی دکت الارض وہ یہاں نفخۂ ثانیہ کے حالات میں ذکر ہو رہی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوا۔ کہ نفخۂ اولیٰ و نفخۂ ثانیہ میں یہ تفریق کہ نفخۂ اولیٰ فنا کا نفخہ ہے۔ اور نفخۂ ثانیہ میں جنت و جہنم ہوگا۔ درست نہیں ہے۔ اور جب فنائے عالم قطعاً ثابت نہیں تو دکت الارض والجبال سے فنا ہرگز مراد نہیں ہو سکتی۔

لغتِ عرب کی میزان

اب ہم قرآن مجید کے لفظ دکّ پر لغت عرب سے روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت بتاتے ہیں۔ عربی کی مشہور اور نیدہ سنت کتاب لغت "لسان العرب" کے حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

" واصل الدک الکسر" دک اصل میں توڑنے کو کہتے ہیں الدّکۃ والدّکان الذی یقعد علیہ" دکہ اور دکان چبوترے کو کہتے ہیں "ارض مد کوکۃ اذ اکثر بھا النّاس"۔ اس زمین کو مدکوکہ کہتے ہیں جس پر آدمی بہت ہوں " تداک علیہ القوم اذ ازدحموا" تداک جو دک سے ہی بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ لوگوں کا اژدحام ہو گیا۔

عربی لغت کی معروف کتاب قاموس المحیط کے حوالے ملاحظہ فرمایئے۔

"الدّک الدق والھدم" دک یعنی کوٹنا اور گرانا' والمستوی من المکان" ہموار جگہ' و تسویۃ صعود الارض وھبوطھا زمین کی اونچی نیچی جگہ کو برابر اور ہموار کر دینا۔ والدّکّۃ والدکان بناء' یسطح اعلاہ للمقعد' دکہ اور دکان وہ جگہ جس کا اونچا حصہ بیٹھنے کے لئے سطح مستوی یعنی ہموار بنایا جاتا ہے

پھر ملاحظہ ہو کتاب مختار الصحاح :۔

الدّک الدق وقد دکہ ضربہ وکسرہ حتّی سوّاہ بالارض" دک یعنی کوٹنا۔ دکہ کے معنی یہ ہیں کہ اس پر چوٹ لگائی اور اسے توڑا یہاں تک کہ اسے زمین سے ملا دیا۔

قرآن مجید کی لغات پر امام راغب کی خاص کتاب المفردات فی

غریب القرآن" میں لفظ دک کے معنی ملاحظہ فرمایئے۔

الدك الارض اللينة السهلة وقد دكه دكا۔ قال تعالیٰ وحملت الارض والجبال فدكتا دكة واحدة وقال ودكت الجبال دكا؟ ای بمنزلة الارض اللينة وقال الله تعالیٰ فلما تجلّی ربه للجبل جعله دكا ومنه الدكان والدكداك رمل لينة وارض دكاء مسواة والجمع الدك وناقة ودكاء لا سنام لها تشبيها بالارض الدكاء"

"دک" نرم و خوش آئند زمین "دکہ دکا" یعنی اسے نرم کر دیا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اور ارض و جبال اٹھائے جائینگے۔ تو وہ یکساں نرم کر دیئے جائیں گے اور فرمایا ہے دکت الجبال دکا یعنی پہاڑ نرم زمین جیسے کر دیئے جائیں گے۔ اور فرمایا ہے جب خدا نے پہاڑ پر تجلی فرمائی۔ اسے نرم کر دیا اور اسی لفظ دک سے دکان ہے اور "دکداک" نرم ریت کو کہتے ہیں اور "ارض دکا" یعنی ہموار زمین اس کی جمع دک ہے اور اس اونٹنی کو بھی دکاء کہتے ہیں جس کے کوہان نہ ہو۔ "ارض دکاء" ہموار زمین سے تشبیہ کی بنا پر ایسی اونٹنی کو دکاء کہا جاتا ہے۔

خلاصہ لغات

"دک" کے معنی توڑنا۔ کوٹنا۔ گرانا۔ ہموار کرنا۔ نرم و خوش آئند۔ ارض مدکوکہ" ہموار زمین اور وہ زمین جس پر بہت آدمی جمع ہو جائیں۔ اب اس بناء پر قرآن مجید میں جہاں جہاں ارض و جبال کے متعلق دک آیا ہے۔ وہاں لغوی ظاہری مادی معنی یہ ہوئے۔ کہ زمانہ موعود میں زمین کی اونچائی نیچائی توڑ کر ہموار کر دی جائے گی زمین ہموار ہو جائے گی۔ اور اُس پر آدمیوں کی کثرت ہو جائے گی۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جو لغت عرب میں صاف و صریح ہیں۔ تمدن کے بڑھنے اور زمین اور پہاڑوں

کے صاف و ہموار اور آباد ہونے کی خبر ہے۔ جو اس زمانہ موعود میں تمام دنیا کی آنکھوں کے سامنے واقعہ بن کر رونما ہے۔ مترجمین قرآن نے لفظ دک پر گہری نظر نہیں رکھی۔ دک میں توڑنے اور کوٹنے کے ساتھ یہ مفہوم بھی ہے۔ کہ ہموار بنا دیا جائے۔ نرم و خوش آیند کر دیا جائے۔ اس پر آدمی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن عام غلط عقیدے کی بنا پر نہ صرف آیت قرآن کے مفہوم پر حجاب ڈال دیا گیا۔ بلکہ حقیقت لغت کو بھی مد نظر نہ رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ قیامت کا مسئلہ ایک گورکھ دھندہ بنا دیا گیا۔ جسے قرآن سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ جو لغت عرب کی میزان پر بالکل وزن سے خارج ہے۔

لغت عرب کا ایک اور پہلو

ملاحظہ فرمایئے کتاب "اقرب الموارد":۔

ارض۔ کل ما سفل فھو ارض۔ ہر نیچی چیز کو "ارض" کہتے ہیں۔ محاورہ عرب ہے۔ یقال من اطاعنی کنت لہ ارضاً۔ جو میری مان لیگا۔ میں اس کے لئے "زمین" ہو جاؤں گا۔ اردو فارسی میں ایسے موقع کے لئے کہا جاتا ہے۔ "دیدۂ دل فرش راہ" کل ما سفل کا ایک مفہوم "ماتحت" بھی ہے۔ ارض ہر نچلی چیز کو کہتے ہیں۔ تو یہ لفظ روحانی اور دینی پستی پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ ہماری مشیت کے مطابق ہوتا۔ تو ہم اسے آیات کے ذریعے بلند مقام دیتے۔ لیکن وہ شخص خود ہی پستی کی طرف جھک گیا یعنی نفسانی خواہشوں کا تابع ہو گیا۔

جبال۔ جس طرح زمین کو ارض اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ قدموں کے نیچے

رہتی ہے۔ کیونکہ ارض کے اصل معنیٰ کل ما اسفل یعنی ہر نیچی چیز ہیں۔ زمین بھی اس کا ایک مورد و مصداق ہے۔ اسی طرح لفظ جبل پر غور فرمائیے۔ جبل کے اصل معنی ہیں مضبوط اور بڑے ہونے کا مفہوم ہے۔ اسی مفہوم و حقیقت کے لحاظ سے پہاڑ کو بھی جبل کہا جاتا ہے۔ یقال للرجل اذا کان غلیظا انہ لذو جبلۃ (لسان العرب) "ذو جبلۃ" اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو موٹا ہو۔ الجبل کل وتد عظم وطال۔ و سید القوم و عالمھم (قاموس المحیط) "جبل" زمین کے ہر ایک اس حصے کو کہتے ہیں۔ جو بڑا اور اونچا ہو۔ اور قومی سردار اور عالم کو بھی کہتے ہیں۔ سید القوم و عالمھم فلان جبل قومہ (محیط المحیط) سردار قوم اور عالم قوم کو جبل کہتے ہیں۔ محاورہ ہے۔ کہ فلاں آدمی اپنی قوم کا جبل ہے۔ یقال فلانٌ من الجبال اذا کان عزیزاً (لسان العرب) عرب میں محاورہ ہے۔ کہ معزز انسان کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ فلاں آدمی پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ کیونکہ لفظ جبل کی حقیقت بڑائی اور مضبوطی ہے۔ جو مادی طور پر پہاڑوں میں پائی جاتی ہے اسی لئے پہاڑوں کو جبال کہتے ہیں۔ اور معنوی طور پر سردارانِ قوم میں پائی جاتی ہے انہیں زبانِ عرب میں جبال کہتے ہیں۔ چنانچہ معنوی مضبوطی اور اخلاقی بلندی کی بنا پر مومنوں کو خداوند عالم نے جبال کہا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے:۔

وان کان مکرھم	مخالفین دین کی ساری مکر اور تدابیر اسی لئے ہے۔
لتزول منہ الجبال	کہ اس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں

یہاں مسلمہ طور پر جبال سے مراد مومنین ہیں۔ کیونکہ زمینی پہاڑوں کو گرانے کے لئے کافروں نے کوئی مکر و فریب کبھی نہیں کیا تھا۔ اس آیت میں جبال سے

احکام شریعت اسلام بھی مراد لیئے گئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں لکھا ہے :۔

وقیل شرائع الاسلام المشبھۃ بھا فی القرار والثبات (سورۂ ابراہیم) } اس آیت میں جبال یعنی پہاڑوں سے مراد احکام شریعت اسلام بھی لیئے گئے ہیں جو قرار ثبات میں پہاڑوں کی مانند ہے۔

خلاصۂ لغات } ارض کے معنی پستی۔ نچلی چیز۔ ماتحت۔ جبال سے مراد سرداران قوم یا علماء و مومن۔ احکام شریعت،

لغاتِ ذیل بھی یاد رکھئے } رج ۔ التحریک والاھتزاز والحبس و بناء الباب (قاموس) رج کے معنی ہیں ہلانا۔ ہلنا۔ جھومنا۔ بند کرنا۔ دروازہ بنانا۔ تحریک الشیٔ وازعاجہ ورجۃ الاضطراب (مفردات راغب) کسی چیز کو ہلا کر اکھیڑنا۔ رجہ رجہ اضطراب کو کہتے ہیں۔

بس۔ السوق اللین۔ اتخاذ البسیسۃ وارسال المال فی البلاد وتفریقھا (قاموس) بس کے معنی ہیں آہستہ ہانکنا۔ جیسے پانی میں ستو ملاتے ہیں۔ کسی چیز کی ساتی بنانا۔ شہروں میں مال بھیجنا اور جگہ جگہ کرنا۔

وفی الحدیث جاء اھل الیمن یبسون عیالھم ای کانو یسوقونھم (مفردات راغب)

حدیث میں ہے اہلِ یمن اپنے اہل و عیال کو ہانکتے ہوئے لائے جس کے لیئے یہاں لفظ "یبسون" استعمال ہوا ہے۔

بست الجبال بسّا ای فتّتت او سُیّرت و سیقت کما تُبس الابل (کنز العلوم واللغۃ) پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے یا چلائے جائیں - جیسے اونٹ ہانکے جاتے ہیں

نسف - نسفت الریح اقتلعتہ وازالتہ (مفردات راغب) نسف کے معنی اکھیڑنا اور جگہ سے ہٹانا ہیں۔

قاع - المستوی من الارض (مختار الصحاح)

صفصف - المستوی من الارض کانہ علی صف واحد (مفردات راغب)

قاع اور صفصف کے معنی ہیں سیدھی زمین اور ہموار جگہ۔

لغت عرب کے مطابق آیت کے معانی

اب ہم ذیل کی آیات کو لے کر جنہیں فنائے عالم کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ لغت عرب کے مطابق ان کے معانی لکھتے ہیں۔ وہ آیات یہ ہیں:-

(۱) فاذا نفخ فی الصّور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ (حاقّہ)

(۲) اذا رجّت الارض رجّا وبسّت الجبال بسّا وکانت ھباءً منبثًا (واقعہ)

(۳) ویسئلونک من الجبال فقل ینسفھا ربّی نسفا فیذرھا قاعاً صفصفًا لا تریٰ فیھا عوجا ولا امتا (پ ۱۶ - ع ۶)

اب ہم ان آیات مبارکہ کے معانی و مطالب لغت عرب کے ماتحت

لکھتے ہیں۔ لغات جو ہم سطور گذشتہ میں لکھ چکے ہیں۔ انہیں خوب توجہ سے سامنے رکھئے اور کلام حق کو سمجھئے۔

پہلی آیت کے معنی :۔ جب ایک بار صور پھونکا جائے گا۔ اور مٹی اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے۔ لادے جائیں گے۔ تو دونوں کوٹ کر یکساں ہموار کر دیئے جائیں گے۔ نرم و خوش آیند بنا دیئے جائیں گے۔ اور ان پر آدمیوں کی آبادی زیادہ ہو جائیں گے۔

دوسرے پہلو سے یہ معنی ہوئے۔ جب ماتحت لوگ اور سرداران قوم اپنی اپنی جگہ سے اٹھائے جائیں گے۔ ان کی قوت توڑ دی جائے گی سلاطین اور علماء اپنی جگہ سے گرا دیئے جائیں گے۔ احکام شریعت سابقہ زائل ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ واقعات آج کل دنیا کی نظر کے سامنے ہیں ہمارے دیکھتے دیکھتے بادشاہ گر گئے۔ شریعت اسلام کے احکام زائل اور ساقط العمل ہو گئے۔ روز بروز یہ واقعات شدت حاصل کرتے جا رہے ہیں

دوسری آیت کے معنی :۔ جب زمین کو ہلا کر اکھیڑا جائے گا۔ اس کے دروازے کھولے جائیں گے۔ اور پہاڑوں کو عھوڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے اور باریک ذرے کر دیئے جائیں گے۔ کسی چیز میں لتھیڑ کر زمین سے ہموار کر دیئے جائیں گے۔ جیسے پہاڑ سے پھوڑے ہوئے پتھروں کو ڈامر یا سیمنٹ میں لتھیڑ کر سڑکوں اور تعمیرات میں لگا رہے ہیں۔ سیمنٹ خود پہاڑ کے پتھروں سے بنتی ہیں۔ ان پہاڑوں کے ٹکڑے مال کی طرح مختلف شہروں میں بھیجے جائیں گے۔ اور جگہ جگہ کر دیئے

جائیں گے۔ جیساکہ آج کل بڑے زور سے یہ کام ہو رہا ہے۔ ایسا کہ دنیا کی آنکھ نے آج تک اس شان سے یہ کام کبھی ہوتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ دوسرے پہلو سے یہ معنیٰ ہوئے۔ کہ ماتحت اور پست لوگ عوام مضطرب ہونگے۔ اور بڑے بڑے لوگ ہانکے جائیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں کتنے بادشاہ ہانک دیئے گئے۔ اور آئندہ بھی ہانکے جائینگے ابھی تو ابتدائے قیامت ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

تیسری آیت کے معنیٰ:۔ تجھ سے پہاڑوں کی نسبت دریافت کرتے ہیں ان سے کہدو کہ میرا رب پہاڑوں کو اکھیڑ دے گا۔ اور ان کی جگہ سے ہٹا دیگا۔ سو ان اکھیڑے ہوئے اور اٹھائے ہوئے پہاڑوں کو ایسی ہموار جگہ بنا دے گا جس میں اونچ نیچ گڑھے اور بل پڑے ہوئے دکھائی نہ دینگے چنانچہ موجودہ تمدن و تعمیرات میں ان باتوں کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

دوسرے پہلو سے یہ معنیٰ ہوئے کہ یہ بڑے بڑے لوگ جو دعوت حق کی راہ میں حائل ہیں کیسے ہٹیں گے۔ جواب میں فرمایا۔ میرا رب انہیں جڑ سے اکھیڑ دیگا۔ اور زائل کر دیگا۔ پھر انہیں کو ہموار بنا دیگا۔ ان کے سب بل نکال کر سیدھا کر دیگا۔ ان میں ٹیڑھا پن نہ رہے گا۔ وہ نہ ذلت سے کسی کے سامنے سر جھکائیں گے۔ نہ تکبر سے سر اٹھائیں گے۔ تمام اعمال میں طریق مسنون پر ہوں گے۔ چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ آیت میں فرمانا ہے۔ یومئذ یتبعون الداعی لا عوج له اس دن وہ راست کارروائی کی پیروی کریں گے۔

چند اور آیات اس سلسلہ میں اب ہم چند اور آیات کے حقائق پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ سورۂ قارعہ میں فرمایا۔ کہ قارعہ یعنی دنیا کی بڑی مصیبت جب آئے گی (جو اب عالمگیر جنگ کی صورت میں آ رہی ہے) تو لوگ پھیلے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے۔ جو اکٹھے ہو ہو کر آگ میں جا پڑتے ہیں۔ آج کل یہی حال جنگ میں آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے۔

"قارعۃ" کے معنی ہیں الشدیدۃ من شدائد الدھر (مفردات راغب)
عالم کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت (تصیبھم بما صنعوا قارعۃ)
(رعد ۴) ان کی دستکاریوں اور کرتوتوں کی وجہ سے انہیں مصیبت آئے گی۔
سورۂ قارعہ کی آیت میں یہ فرمانے کے ساتھ کہ لوگ پتنگ کی طرح پھیلے ہونگے فرماتا ہے اور جبال یعنی بڑے بڑے لوگ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے

کالصوف المندوف فی خفۃ سیرھا حتی تستوی مع الارض (تفسیر جلالین) } جو اپنی حرکت میں ہلکی ہو کر زمین سے لگ جاتی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے لوگ عوام اور پست لوگوں کے برابر ہو جائیں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے۔ جس کی میزانیں بھاری ہوں گی۔ وہ خوش زندگی میں رہیگا۔ اور جس کی میزانیں ہلکی ہونگی۔ تو اس کی ماں ہاویہ ہونگی۔ اور جانتے ہو۔ ہاویہ کیا ہے؟ سخت بھڑکتی ہوئی آگ ہے "میزان" کے معنی ہیں جس سے چیزوں کی مقدار معلوم کی جائے۔ ہر شخص کی میزانیں اس کی ادراکی قوتیں ہیں جن سے وہ سب چیزوں کی مقدار معلوم کرتا ہے۔ اس مصیبت کے زمانے میں

جس شخص کی ادراکی قوتیں وزن دار ہونگی۔ وہ معاملات میں کامیاب ہوگا۔ اور
جس کی ادراکی قوتیں بے وزن ہوں گی۔ وہ مصیبت کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑیگا
اور وہ آگ اس کی ماں ہوگی۔ یعنی اس کی گود میں پل کر اُسے ہوش آئیگا یا
مرجائیگا۔

پ۳۰ سورۂ نبأ میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ فیصلہ کا دن ایک مقرر وقت
ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ سو تم لوگ فوجیں بن کر آؤ گے اور فضائے
بلند کی بندش اور مشکل دور کر دی جائے گی۔ تب بلندی میں دروازے ہو جائینگے
یعنی مختلف مقامات پر پہنچنے اور جانے کے فضائی راستے بن جائیں گے۔ اور
پہاڑ اپنی جگہ سے چلا دیئے جائیں گے۔ تو وہ سراب ہو جائیں گے۔

تمدنی حالات کے لحاظ سے لغوی اور ظاہری معنی میں سماء کے کھلنے
کا نظارہ بلندی پر ہوائی جہازوں کے پرواز کی صورت میں نمودار ہے۔ سماء
کے لغوی معنی بلندی قرآن مجید میں بھی ہیں۔ "کانما یصعد فی السماء" گویا وہ
شخص بڑی محنت سے بلندی میں اونچا چڑھ رہا ہے۔ باب کے معنی کسی جگہ
جانے کا راستہ و ذریعہ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے "فتحنا علیھم ابواب کل شی"
ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی راستے اور ذریعے
جن سے چیز حاصل ہو۔ روحانی پہلو سے یہ معنی ہوئے۔ کہ آسمانِ فیضِ الٰہی
کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اور جبال پہاڑ اپنی جگہ سے چلائے
جائیں گے۔ تو وہ سراب ہو جائیں گے۔ جبال بڑے بڑے لوگ جن میں
علمائے امتِ مرحومہ بھی داخل ہیں۔ جن کی ہستیاں سراب کی مانند رہ گئی ہیں۔

سراب اُس ریگ زار کو کہتے ہیں۔ جسے پیاسا دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے۔ مگر پاس جاکر دیکھتا ہے تو نرا ریت ہی ریت ہے۔ یہی کیفیت آج علمائے زمانہ کی ہے۔ کہ تحقیق اور علم حق کے پیاسے دور سے ان میں علم و عرفان کا پانی دیکھتا ہوا خیال کرتے ہیں۔ مگر جب ان کے پاس جاتے ہیں۔ تو ریگ زار اوہام کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ پیاسے محروم و مایوس اور تشنہ ہی رہ جاتے ہیں۔ آج تمام اقوام کے لیڈروں کا یہی حال ہے۔ کہ نہایت چمکتا ہوا قومی پیاس کو بجھانے والا پانی لوگوں کو دور سے ان کے پاس دکھائی دیتا ہے۔ مگر تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ریت کو پانی سمجھ رہے تھے مختلف اقوام کی تحریکات اور ان کے علماء اور لیڈروں کی تدابیر و تجاویز و عملیات بھی مایوس کن سرابی ثابت ہوئی ہیں۔ جو دھوکہ دے دے کر جلد معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور قومیں ان ہنگامی و بے حقیقت تحریکات کے ریگستان میں سرگردان رہ جاتی ہیں۔

اسی حقیقت کو بہ رنگِ دیگر خداوند عالم نے قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے ملاحظہ ہو (پ ۲۰ سورۂ نمل ع ۷) کہ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ تو بلندیوں اور پستی کے لوگ گھبرا اٹھیں گے بجز ان کے جنہیں خدا کی مشیت گھبراہٹ سے محفوظ رکھیگی۔ اور سب کے سب خدا کے سامنے درماندہ ہوں گے۔ اور تم بڑے بڑے لوگوں کو دیکھ کر انہیں اپنی جگہ سے اٹل خیال کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بدلیوں کی مانند حرکت میں ہوں گے۔ یہ خدا کی قدرت کا کام ہوگا۔ بے شک وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ جو شخص بھلائی اختیار کریگا۔ اسے اُس بھلائی سے

خیر و خوبی ملیگی، اور یہ لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ رہیں گے۔
اور برائی اختیار کرنے والے اوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جائیں گے
سورۂ نبا میں اقوام کے لیڈروں کی سرابی کیفیت کو بیان فرمایا تھا۔ سورۂ نمل
کی اس آیۂ مبارکہ میں بھی ان کے متعلق یہی فرمایا ہے۔ وہ دیکھنے میں تو
جمے ہوئے دکھائی دینگے۔ لیکن درحقیقت وہ ہلکے بادل کی طرح ہوا میں
اڑتے ہوں گے۔ فی الحقیقت آج علمائے زمانہ کی یہی حالت ہے۔ نیز جبال
سے مراد احکامِ شریعتِ سابقہ بھی ہیں۔ ان کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ دیکھنے
میں تو بڑے مضبوط اور قائم۔ کتابوں اور لوگوں کی زبان پر جمے ہوئے ہیں۔
مگر حقیقت میں وہ ابر کے ٹکڑوں کی طرح پراگندہ ہو کر موجودہ زمانہ کی فضا
سے اڑے چلے جا رہے ہیں۔ اسی سورۂ نمل کو خداوند عالم نے ان الفاظ
پر ختم کیا ہے سیریکم آیاتہ فتعرفونھا فرماتا ہے۔ خدا اپنے نشانات
تمہیں مستقبل قریب میں دکھائے گا۔ تب تم انہیں پہچان لوگے۔ الحمدللہ
کہ ہم نے ان نشانات کو پہچان لیا۔ اور جن لوگوں کی چشمِ بصیرت کھل
جائے گی۔ وہ بھی عنقریب پہچان جائیں گے۔

والصور فی اللغۃ القرن واستشھد   صور لغت عرب میں سینگ کو کہتے ہیں

فی اللسان بقول الزاجی

لقد نطحنا هم عداة الجمعين
نطحا شديدا كنطح الصورين

وقد ثقب الناس قرون الوعول والظباء وغيرها فجعلوا منها ابواقاً ينفخون فيها فيكون لها صوت شديد يدعى به الناس الى الاجتماع ويعزفون به كغيره من آلات السماع وقد ورد ذكره فى سفر الايام الاول من كتب العهد العتيق قال (۵ : ۲۸) فكان جميع اسرائيل يصعدون تابوت عهد الرب بهتاف وبصوت الاصوار والابواق والصنوج يصوتون بالرباب والعيدان وقال

اور کتاب لسان العرب میں شہادت کے طور پر زاجر شاعر کا یہ شعر پیش کیا گیا ہے ؎

ہم سویرے سے جب کہ دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ انہیں ایسا سخت رونددا جو سینگھوں سے روندنے کے مقابلہ میں بڑا سخت تھا۔

لوگ بیلوں وغیرہ کے سینگوں کو اندر سے کھرچ کر بوق یعنی سنکھ بناتے ہیں۔ (جیسے ناد اور نرسنگھا بھی کہتے ہیں) اسے پھونکتے ہیں جس کی آواز بڑے زور کی ہوتی ہے لوگوں کو اجتماع کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اور اسے بجایا جاتا ہے۔ جیسے آواز سنانے کے اور آلات بجائے جاتے ہیں۔ بائبل میں ا تواریخ باب ۵-۲۸ میں ذکر آتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل نعرے مارتے ہوئے اور صور وغیرہ پھونکتے ہوئے عہد کے صندوق کو اوپر لئے جا

بعض المفسرین ان الصور جمع صورۃ کبسرۃ وبسر وصوف وصوفۃ وقیل فی سور المدینۃ ایضاً انہ جمع سورۃ ونقلوا ھذا التفسیر عن ابی عبیدۃ من رواۃ اللغۃ	بعض مفسرین کہتے ہیں کہ صور جمع ہے صورۃ کی جیسے بسرۃ کی جمع بسر اور صوفۃ کی جمع صوف ہے۔ لفظ سور کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ وہ سورۃ کی جمع ہے۔ صور کو صورۃ کی جمع بتانا ابو عبیدہ کا قول ہے جو راویان لغت میں ایک ہے
واما الاخبار المرفوعۃ فی الصور فقد اخرجھا اصحاب السنن والتفسیر الماثور وغیرھم باسانید لم یصح منھا شئی علی شرط الشیخین ولذلک لم یخرجا منھا شیئاً	اور صور کے متعلق جو احادیث و روایات وارد ہوئی ہیں۔ حدیث اور تفسیر کی کتابوں سے لائی گئی ہیں ان سے امام بخاری و مسلم کے شرائط کے مطابق کوئی بھی صحیح نہیں ہے اسلئے مسلم و بخاری نے یہ حدیثیں نقل نہیں کی ہیں
وورد فی وصف ملک الصور و فی صفۃ الصور و النفخ وتاثیرہ ومایتعلق بہ ومایکون یومئذ وما روایات منکرۃ بعضھا ماخوذ من الاسرائیلیات	صور اور فرشتۂ صور اور نفخ صور کے بعد اس کی تاثیر کے متعلق جو روایات ہیں، وہ منکر روایات ہیں اور بعض تو اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں
(ص ۵۳۱-۵۳۲) الجزء السابع من تفسیر المنار)	(یہ قابل اعتبار نہیں)

نفخ صور کی حقیقت پر شہادت لوگوں کو اکٹھا کرنے کا پرانا دستور چلا آتا ہے کہ نرسنگا پھونکا کرتے ہیں۔ آشوریوں مصریوں۔ سندھ وستانیوں ایرانیوں چینیوں میں یہ طریقہ پایا گیا ہے۔ اسلئے نرسنگا پھونکنے کا مطلب یہ ہو گیا کہ جمع ہونے کی پکار بلند ہوئی۔ تورات اور انجیل کی یہ عام اصطلاح ہے۔ اور قرآن نے بھی جابجا "نفخ فی الصور" کی ترکیب استعمال کی ہے۔

(ترجمان القرآن جلد دوم ص ۲۸۵ ابو الکلام آزاد)

عصر حاضر کے عالم مصری کی شہادت

یوم ینفخ فی الصور" والنفخ فی الصور تمثیل لبعث اللّٰہ الناس یوم القیامۃ لسرعۃ" لا یمثلھا الا نفخ فی بوق (عبد الکریم الخطیب – تفسیر القرآن عبد الکریم الخطیب المصری)

دور موسوی میں نفخ صور کا حکم

پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اپنے لئے دو نرسنگھے روپے سے (یعنی چاندی کے) بنا ایک ہی ٹکڑے سے انہیں بنانا ہوگا۔ وہ تیری جماعت کو اکٹھا کرنے کے لئے اور لشکروں کے کوچ کے لئے ہوں گے۔ سو جب وہ پھونکیں چاہیئے کہ ساری قوم جماعت کے خیمے کے دروازے کے پاس جمع ہو۔ اور جب تو اپنے ملک میں دشمنوں سے جو تم سے مقابلہ کرنے پر ہیں لڑنے نکلو تو تم نرسنگھے چھوٹی بڑی آواز سے پھونکو۔ اور تم اپنی خوشی کے دن اور اپنی عیدوں کے دن اور اپنے مہینوں کے شروع میں اپنی سوختنی قربانیوں اور اپنی سلامتی کی قربانیوں پر نرسنگھے پھونکو۔

اس حکم پر بنی اسرائیل عمل کرتے رہے ہیں جس کے تذکرے بائبل میں

بکثرت موجود ہیں ملاحظہ فرمایئے۔ زبور (۹۸-۶) ۲ سلاطین۔ ۱۱-۱۲۔ انوار یخ ۱۵-۱۴۔ عزرا ۳-۱۰۔ یوایل۔ ۲-۱۵۔ عموس ۳-۶۔ حزقیل ۷-۱۴۔

ظہور موعود میں نفخ صور حضرت ذکریا علیہ السلام کی کتاب باب ۹۔ آیت ۱۴ میں لکھا ہے۔ ہاں خداوند یہوہ ترھی پھونکیگا۔

یسعیاہ باب ۲۷ آیت ۱۳ میں بشارت دی گئی ہے۔ اور تم اے اسرائیل ایک ایک کرکے جمع کئے جاؤگے اور اس دن ایسا ہوگا۔ کہ بڑا نرسنگھا پھونکا جائے گا۔

عہد جدید کی اول تھسلینکیوں میں مسیح کی آمد پر مردوں کی قیامت کے بارے میں لکھتا ہے۔

خداوند خود آسمان سے اتر آئے گا۔ اس وقت للکار اور مقرب فرشتے کی آواز سنائی دیگی۔ اور خدا کا نرسنگھا پھونکا جائے گا۔

انجیل متی باب ۲۴۔ آیت ۳۰-۳۱ "ابن آدم کا ظہور" جب ہوگا۔ تو وہ نرسنگھے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا۔

نفخ صور ندائے الٰہی اس کو قرآن مجید میں نفخ فی الصور فرمایا ہے اور پھر یوم ینادِ المناد کہہ کر خود ہی تفسیر فرمادی۔ کہ نفخ صور سے مراد خدا کی ندا کا بلند ہونا مقصود ہے۔ جو منادی و داعی الٰہی یعنی پیغمبر کے ذریعے بلند

ہوگی۔ یہی ہے حقیقت نفخِ صور۔ اس کے سوا سب باتیں بے ثبوت اور اوہام ہیں۔ جواب اُلٹے جا رہے ہیں۔

"دنیا اور آخرت" - جنت دوزخ - پُل صراط"

دنیا اور آخرت

خدا نے اپنے کلام میں دنیا و آخرت کو مقابلے میں رکھ کر بتایا ہے۔ کہ دنیا اور آخرت دو متقابل چیزیں ہیں۔ اس کے متعلق چند آیات لکھی جاتی ہیں:-

مومنوں کے بارے میں

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ و لاجر الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ○
(پ ۱۴ نحل آیت ۴۱)

اور جو لوگ راہ خدا میں ترک وطن کرتے ہیں بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دینگے اور آخرت کا اجر اس سے بھی بڑھکر ہے کاش یہ لوگ جانتے۔

منکروں کے بارے میں

فاذاقھم اللہ الخزی فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون
(پ ۲۴ زمر آیت ۲۶)

خدا نے انہیں الحیوۃ الدنیا میں رسوائی کا عذاب چکھایا۔ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش یہ لوگ جانتے۔

لنذیقہم عذاب الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اخزیٰ حم سجدہ آیت لہم عذاب فی الحیوٰۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اشق (پ رعد آیت ۳۴)	ہم انہیں الحیوٰۃ الدنیا میں ذلت کا عذاب چکھائیں گے۔ اور آخرت کا عذاب اور بھی زیادہ رسوا کن ہے انہیں حیٰوۃ دنیا میں عذاب ہے۔ اور آخرت کا عذاب اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

ان تمام آیات مبارکہ میں نہایت صاف صاف دنیا کے مقابل آخرت کو رکھا ہے جس سے عیاں ہو گیا۔ کہ آخرت دنیا سے الگ چیز ہے۔ آخرت سے یہاں کیا مراد ہے؟ یہ بھی قرآن مجید واضح فرماتا ہے۔ کہ آخرت سے ان آیات میں عالم مابعد الموت مراد ہے۔ فرعون کے متعلق فرماتا ہے:۔

فاخذہ اللہ نکال الاخرۃ والاولیٰ	خدا نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر دیا۔

ظاہر ہے کہ آخرت سے یہاں مراد مابعد الموت ہے۔ کیونکہ فرعون کو دنیاوی لحاظ سے بھی نامرادی نصیب ہوئی۔ اور مرنے کے بعد بھی وہ غضب الٰہی میں رہا۔

اس بات کو خوب ملحوظ نظر رکھئے کہ دنیا کے مقابلہ پر آخرت سے مراد مابعد الموت ہے جو دنیا کی زندگی کے بعد واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ الحیٰوۃ الدنیا نے مقابل الحیٰوۃ الاخرۃ ہے۔ یعنی اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی جو بعد موت اور اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ہوتی ہے۔

اب سورۃ طٰہٰ کی وہ آیات تلاوت فرمائیے جن میں یہ فرمایا ہے۔ کہ ہم ... اور کو قیامت کے روز اندھا کر دیں گے۔ یہ تو ہوگا روز قیامت کا اندھا اور

آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہوگا اس مقابلہ سے کہ قیامت کے دن اندھا کر دیں گے۔ اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ صاف معلوم ہوگیا کہ قیامت دنیا میں ہوگی۔ اور آخرت دنیا سے گذر جانے کے بعد۔ پوری آیت اول سے آخر تک غور کے ساتھ دیکھیے۔ تو یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ حضرت آدم اور اولاد آدم سے خطاب کرکے فرماتا ہے :-

فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیمۃ اعمی قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا قال کذلک اتتک ایاتنا فنسیتھا وکذلک الیوم تنسی وکذلک نجزی من اسرف ولم یومن بایات ربہ ولعذاب الاخرۃ اشد وابقی (پ۱۶ سورۃ طٰہٰ ۱۲۳ تا ۱۲۷)

سو میری طرف سے تمہیں ہدایت آتی رہیگی جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کریگا۔ وہ گمراہ اور نامراد نہ ہوگا۔ اور جو کوئی میرے ذکر سے اعراض کریگا۔ اُس کی زندگی تنگ ہوگی۔ اور ہم اُسے روز قیامت اندھا محشور کریں گے۔ وہ کہیگا اے رب تو نے مجھے کیوں اندھا محشور کیا۔ حالانکہ میں بینا تھا۔ خدا فرمائیگا۔ اسی طرح ہونا ہے۔ ہماری آیات تیرے پاس آئیں۔ سو تو نے اُنہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلا دیا جائے گا۔ اور ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں اُن مسرفوں کو جو آیات الٰہی پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا عذاب اس عذاب قیامت سے بھی زیادہ شدید اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں کس قدر واضح طور پر عذاب قیامت اور آخرت کو مقابلہ کر کے دکھایا ہے۔ جس کا نتیجہ عیاں ہے۔ کہ قیامت اسی دنیا میں ہے اور آخرت مابعد الموت کا نام ہے۔

اندھے ہونے کی حقیقت بھی اسی آیت میں بیان فرما دی ہے۔ کہ خدا کی آیات کو بھلا دینا اندھا ہونا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں تو نے انہیں بھلا دیا۔

اسی طرح دوسری آیات میں اندھے ہونے کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ کہ بات یہ ہے آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں" (سورۂ حج آیت ۴۶) بالفاظ دیگر گمراہی کو اندھا پن کہا ہے۔ اما ثمود فھدینٰھم فاستحبوا العمٰی علی الھدیٰ (حٰم سجدہ) ثمود کو ہم نے ہدایت دی مگر انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی اور فرماتا ہے: منھم من ینظر الیک افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون (یونس آیت ۴۳)

اے رسول! بعض لوگ تیری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تو اندھوں کو ہدایت کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ بصیرت سے کام نہ لیتے ہوں۔ قیامت جو ایک صاحب شریعت پیغمبر کے قیام سے برپا ہوتی ہے۔ اس وقت لوگ پہلے رسول کی تعلیم کو بھی فراموش کر دیتے ہیں۔ یہی حقیقت ہے کہ وہ قیامت کے روز اندھے ہوتے ہیں۔

رسول کے ذریعے دنیا میں قیامت کا مزید ثبوت اس معاملہ کے ثبوت میں ہم چند اور آیات جو خدا کی

فیصلہ کے ہی متعلق ہیں ذکر کرتے ہیں جن سے اس مبحث پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ واللّٰہ یقضی بالحق والذین یدعون من دونہ لا یقضون بشیٔ ان اللّٰہ ھو السمیع البصیر (مومن آیت ۲۱)

"اور اللہ ہی سچا فیصلہ کرتا ہے اور جو لوگ خدا سے الگ ہو کر پکارتے وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ یقیناً اللہ ہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے"

اس آیت میں فرماتا ہے۔ کہ خدا ہی سچا فیصلہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ خدا سے الگ ہو کر اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ لوگوں کو باطل کی طرف بلاتے ہیں ان کا فیصلہ کچھ چیز نہیں۔ خدا کا فیصلہ ہی حقیقی معنی میں فیصلہ ہوتا ہے۔ اور فرماتا ہے:۔ وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ فاذا جاء امر اللہ قضی بالحق وخسر ھنالک المبطلون (خدا السبیل آیت ۷۸)

کوئی پیغمبر ایک آیت بھی بغیر حکم خدا نہیں لا سکتا۔ سو جب خدا کا امر آجاتا ہے۔ سچا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس مقام پر باطل پرست خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔ ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالحق وھم لا یظلمون (یونس آیت ۴۲)

ہر امت کے لئے پیغمبر ہوتا ہے جب اُن کا پیغمبر آجاتا ہے۔ اُن میں سچا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اُن پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

ان آیات مذکورہ سے یہ صاف معلوم ہو گیا۔ کہ فیصلہ وہی ہے جو خدائی فیصلہ ہے۔ اس کے سوا کوئی فیصلہ۔ فیصلہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ خدائی فیصلہ امر اللہ کے ظاہر ہونے پر نمودار ہوتا ہے۔ خدائی فیصلہ رسول کے ظاہر ہونے

پر انتشار ہوتا ہے۔ خدا اپنا فیصلہ اپنے کلام اور اپنے رسول کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرماتا ہے۔ کہ آج ظہور محمدی میں خدا سے تعالیٰ بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ کر رہا ہے۔ ان ھٰذا القراٰن یقص علیٰ بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون وانہ لھدی ورحمۃ للمؤمنین ○ ان ربک یقضی بینھم بحکمہ وھو العزیز العلیم (نمل آیت ۸)

(ترجمہ) یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے اکثر اختلافات بیان کرتا ہے اور یہ قرآن مؤمنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ یقیناً تیرا رب اپنے حکم کے ذریعے بنی اسرائیل میں فیصلہ کر رہا ہے۔ اور خدا ہی غالب اور علیم ہے۔ اسی بات کو ذیل کی آیت میں۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے:-

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت دی۔ اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائیں۔ اور ہم نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔ اور امر کے بینات انہیں دیئے۔ سو انہوں نے اختلاف نہ کیا۔ مگر جب کہ ان میں علم سرکشی بن کر آیا۔ پس علما سے بنی اسرائیل نے آپس ہی علم کو باہمی جھگڑوں کا ذریعہ بنا لیا۔ یقیناً اسے محمد تیرا رب ان کے درمیان یوم قیامت میں فیصلہ کر رہا ہے۔ جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ پھر یہ کہ ہم نے اسے محمد تجھے اپنے امر سے شریعت پر قائم کیا ہے۔ تو اسی کی پیروی کر اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چل (جاثیہ آیت ۱۵-۱۶)

مقصد یہ کہ آیت ان ربک یحکم بینھم یوم القیمۃ نے اس امر کی توضیح و تفصیل کر دی ہے جس میں محمدی طور پر لا مم حال لا کر بتا دیا۔ کہ اب ظہور محمدی ہی وہ

یوم قیامت ہے۔ خدائے تعالیٰ فیصلہ کر رہا ہے۔ ہاں آنے والی قیامت کبرا کی خبر صاف صاف مستقبل کے صیغوں میں دی گئی ہے۔

جنّت دوزخ (پُل) صراط

اعمال کی جزا سزا دنیا میں

فما جزاء من یفعل ذلک منکم الا خزیٌ فی الحیٰوۃ الدنیا (بقرہ ع)	تم میں سے جو یہ کام کرتا ہے۔ اس کی سزا حیاتِ دنیا میں رسوائی ہے۔
جزاءھم ان علیھم لعنۃ اللّٰہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لا یخفف عنھم العذاب (آل عمران ع ۹)	ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر خدا۔ ملائکہ اور سب لوگوں کی پھٹکار ہے۔ اور ان کا دکھ ہلکا نہ کیا جائے گا۔
فاما الذین کفروا فاعذبھم عذاباً شدیداً فی الدنیا والاخرۃ (آل عمران ع ۶)	میں کافروں کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں
وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکٰفرین (توبہ ع)	اور خدا نے کافروں کو عذاب دیا۔ اور یہ کافروں کی سزا ہی ہے۔
یرید اللّٰہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا (توبہ ع ۱۱)	خدا چاہتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو ان چیزوں

کے ذریعے دنیا میں عذاب دے

ذالك جزينٰهم بما كفروا (سبا ع۲)	ہم نے ان کے کفر کی سزا انہیں دی
كمثل الذين كفروا من قبلهم قريباً ذاقوا وبال امرهم (حشر ع۲)	اُن کافروں کی طرح جو ان سے پہلے قریب ہی ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے کرتوت کا مزا چکھا۔
كاين من قرية عتت عن امر ربها و رسله فحاسبنٰها حساباً شديداً و عذبنٰها عذاباً نكراً (طلاق ع۲)	کتنی ہی بستیوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اُس کے رسولوں سے سرکشی کی ہم نے اُن کا سخت حساب لیا اور انہیں بھاری عذاب دیا۔
وظلموا انفسهم فجعلنٰهم احاديث ومزقنٰهم كل ممزق (سبا ع۲)	ان لوگوں نے اپنے آپ پر ستم کیا ہم نے انہیں فسانہ بنا دیا۔ اور اُن کا شیرازہ بکھیر دیا
وضرب الله مثلاً قرية كانت آمنة مطمئنة ياتيها رزقها رغداً من كل مكان فكفرت بانعم الله فاذاقها الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يصنعون ولقد جاءهم رسول منهم فكذبوه فاخذهم العذاب وهم ظلمون (نحل ع۱۵)	خدا نے تمہارے سامنے مثال رکھ دی ہے کہ ایک بستی جو امن، داطمینان سے رہتی تھی۔ خوشگوار رزق ہر جگہ سے اس میں آتا تھا۔ اُس بستی نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ خدا نے اُسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ جو اُن کے کرتوتوں کا نتیجہ تھا۔ اور ان کے پاس پیغمبر آیا۔ تو انہوں نے اُسے جھٹلا دیا۔ تب عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔ اور وہ لوگ ظالم تھے۔

قومیں دنیا میں عذاب الٰہی سے ہلاک ہوتی رہتی ہیں

ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتھم رسلھم بالبینات وما کانوا لیؤمنوا۔ کذلک نجزی القوم المجرمین (یونس ع۲)

تم سے پہلے ظالم جماعتوں کو ہم تباہ کر چکے ہیں ان کے پاس ان کے رسول آئے اور وہ لوگ ایمان لانے کے اہل نہ تھے۔ ہم مجرم قوموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

فاصبحوا لا یریٰ الا مساکنھم کذلک نجزی القوم المجرمین (احقاف ع۳)

(وہ تباہ ہو گئے) ان کے ویران گھر رہ گئے ہم مجرم قوموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح (بنی اسرائیل ع۲)

ہم نوح کے بعد کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں

ولقد اھلکنا اشیاعکم فھل من مدکر (قمر ع۳)

تمہارے گروہوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں کیا تم میں کوئی سوچنے والا ہے؟

الم نھلک الاولین ثم نتبعھم الاخرین کذلک نفعل بالمجرمین (مرسلات ع۱)

کیا ہم نے اگلوں کو تباہ نہیں کیا؟ پھر اب پچھلوں کو بھی ان کے ساتھ لگا دیں گے ہم مجرموں سے ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں

مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے عیاں ہیں۔ کہ دنیا میں بھی اعمال کی جزا سزا ملتی ہے پھر یہ کہنا کہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں۔ خلاف قرآن ہے۔ دنیا دار العمل ہے اور دار الجزا بھی۔ اور بعد الموت بھی انسان کو جزا سزا ملتی ہے۔ جب دنیا میں بھی سزا ملتی ہے تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ دنیا دار الجزا نہیں۔

جنت دنیا میں اور آخرت میں

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر ع)	خداوند عالم ہر ایسے انسان کو جو حقیقت سے مطمئن ہو چکا ہے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اے نفس مطمئن! تو اپنے ترقی دینے والے کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر راجع و متوجہ ہو۔ سو اب تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ حکم موجودہ زندگی میں ہی دیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے

لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ (یونس ع)	مومنوں کے لئے حیات دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔"

کیونکہ یہ خدا کا عام قانون ہے کہ

من عمل صالحا من ذکر او انثی فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (نحل ع)	جس مرد یا عورت نے عمل صالح کیا۔ ہم اسے پاکیزہ زندگی میں زندہ رکھیں گے۔ اور ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔

دنیاوی نعمتوں پر بھی مومنوں کا ہی اصل استحقاق ہے۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبت من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ	کہہ دو خدا کی بنائی ہوئی زینت اور پاکیزہ رزق کون حرام کر سکتا ہے۔ کہہ دو کہ یہ چیزیں حیات دنیا میں قومی زندگی کے وقت خالص

یوم القیٰمۃ (اعراف ع ۴) ۔ حالت میں مومنوں کو ہی ملتی ہیں۔

اور یہ دنیا بھی مومنوں کے لئے جنت ہوتی ہے کیونکہ :۔

ولمن خاف مقام ربہٖ جنّٰتٰن (رحمٰن ع ۳)	جو کوئی خدا کی حضوری میں کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے۔ اُسے دو جنتیں ملتی ہیں یعنی دنیا میں بھی جنت اور آخرت میں بھی جنت
ان الذین قالو ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ٥ نحن اولیاءکم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ (حٰم سجدہ ع ۴)	یقیناً جو لوگ اللہ کو رب مان کر مستقیم رہتے ہیں اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ کہ خوف نہ کرو۔ غم نہ کرو۔ اور اُس جنت میں خوشیاں مناؤ جس کا وعدہ تم سے تھا۔ ہم حیاتِ دنیا میں تمہارے دلی دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔
اور فرماتا ہے:۔	
واما من خاف مقام ربہٖ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی المأوٰی (نزعات ع ۲)	جو کوئی اپنے نفس کو بُری ہوئی خواہش سے روک لیتا ہے تو جنت ہی پناہ گاہ ہے (خوفِ خدا اور حفاظتِ نفس کی پناہ گاہ انسان کے لئے جنت ہے)
فاثابھم اللّٰہ بما قالوا جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا وذٰلک جزآء المحسنین (آل عمران ع ۱۷) قیل ادخل الجنۃ (یٰس ع ۲)	اُن کی اچھی باتوں کے بدلے میں خدا نے انہیں جنتیں دیں۔ جن کے تحت نہریں بہتی ہیں وہ ان میں سدا رہتے ہیں خدا پرستوں کی جزا یہی ہے خدا پرست مومن سے کہا گیا۔ تو داخلِ جنت رہو۔

الذین تتوفھم الملائکۃ طیبین یقولون سلٰم علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (نحل ع ۴)	جن پاکیزہ انسانوں کو ملائکہ وفات دیتے ہیں، تو اُن سے کہتے ہیں، تم پر سلامتی ہو، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔

ان آیات مبارکہ سے واضح و عیاں ہے۔ کہ ایمان و ایقان اور عمل صالح رکھنے والے نفس سے جنت کی حقیقت نمودار ہوتی ہے۔ اہل حقیقت تمام عمر ساکنین جنت ہوتے ہیں۔ انہیں موت کے وقت بھی مابعد الموت کی جنت میں داخل کیا جاتا ہے جو ابدی جنت ہے۔

جہنم دنیا میں اور آخرت میں

کلا لینبذن فی الحطمۃ وما ادرٰک ما الحطمۃ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ انھا علیھم موصدۃ فی عمد ممددۃ (ھمزہ)	خبردار وہ روندنے والی میں پھینک دیا جائیگا اور تم سمجھے کہ روندنے والی کیا ہے؟ اللہ کی سلگائی ہوئی آگ جو انسانوں کے ضمیر پر نمودار ہوتی ہے۔ دراز ستونوں میں اُن پر موندی گئی ہے۔ اس طرح منکرین حق نار میں ہیں۔
بلیٰ من کسب سیئۃ و احاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون (بقرہ ع ۹)	کیوں نہیں جو کوئی بدی کرتا ہے اور اس کی خطاکاری اُسے پورے طور پر گھیر لیتی ہے پس یہی لوگ صاحبانِ نار ہیں۔ اس میں سدا رہتے ہیں۔
وان جھنم لمحیطۃ بالکٰفرین	اور کچھ شک نہیں کہ جہنم اب بھی کافروں کو

گھیرے ہوئے ہے اور آیت بھی (محیط اسم فعل یعنی حال و استقبال دونوں کے لیے جامع ہے۔

انا اعتدنا للظلمین نارا احاط بھم سرادقھا (بنی اسرائیل ع)	ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ مہیا کر دی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر چکی ہیں۔
افمن حق علیہ کلمۃ العذاب افانت تنقذ من فی النار (زمر ع)	سو جس پر عذاب کی بات واقع ہو چکی ہے تو کیا تو آگ میں پڑے ہوئے کو نکال سکتا ہے؟
کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا (آل عمران ع)	تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اس سے خدا ہی نے تمہیں چھڑایا۔
مما خطیئتھم اغرقوا فادخلوا نارا (نوح ع)	کافر اپنی خطاکاریوں کے سبب ڈبو دیئے گئے۔ پھر فوراً آگ میں داخل کر دیئے گئے۔
ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن ایاتہ تستکبرون (انعام ع)	کاش تمہیں اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے۔ جبکہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ملائکہ ہاتھ بڑھا کر ان سے کہتے ہیں۔ اپنی جانیں نکالو۔ آج ہی تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائیگا خدا کے متعلق ناحق باتوں کا اور اسی کے احکام سے تکبر کرنے کا بدلہ ملیگا۔
الذین تتوفھم الملئکۃ ظالمی انفسھم فادخلوا ابواب جھنم خالدین فیھا (نحل ع)	اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں کو ملائکہ جب وفات دیتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ اسی میں رہا کرو۔

ان آیاتِ مبارکہ سے واضح و آشکار ہے۔ کہ جہنم انسان کے نفسِ شریر سے نمودار ہو کر تمام عمر انسان کے ساتھ ہی لگی رہتی ہے اور وہ مرنے کے وقت مابعد الموت کی جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

جنت و دوزخ جن میں لوگ داخل ہوتے اور نکلتے رہتے ہیں

ذیل کی آیات میں تفصیل و تخصیص کے ساتھ خدا نے بتایا ہے۔ کہ پاکباز انسانوں کے لئے یہی وسعتِ ارض و سما تمام جنت ہے:-

سارعوا الی مغفرۃٍ من ربکم و	اپنے ترقی بخشنے والے خدا کی بخشش اور ایسی
جنۃٍ عرضہا السمٰوٰت والارض	جنت کی طرف تیز گام ہو جاؤ۔ جس کا پھیلاؤ
اعدت للمتقین (آل عمران ع۱۴)	آسمان و زمین ہیں۔ وہ پرہیزگاروں کے لئے
	مہیا کی گئی ہے۔

پھر سورۂ ہود ع۹ میں تصریح سے فرماتا ہے۔ کہ جب تک یہ آسمان زمین قائم ہیں لوگ اس جنت و دوزخ میں داخل ہوتے اور نکلتے رہتے ہیں۔

فاما الذین شقوا ففی النار لہم	شقی آگ میں ہیں۔ آہ و نالہ کرتے ہیں جب
فیہا زفیر و شہیق خلدین فیہا	تک آسمان زمین قائم ہیں آگ میں رہینگے۔
ما دامت السمٰوٰت والارض الا	مگر جسے خدا چاہے وہ آگ میں نہ رہیگا۔
ما شاء ربک ان ربک فعال	تیرا رب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور سعید لوگ
لما یرید۔ و اما الذین سعدو	جنت میں ہیں جب تک آسمان زمین ہیں۔

ففی الجنۃ خٰلدین فیھا مادامت السّمٰوٰت والارض الا ما شاءَ ربک	اس میں رہیں گے۔ مگر جسے خدا چاہے وہ جنت میں نہ رہیگا۔

یہ دوزخ و جنت وہی ہیں۔ جو دنیا میں افراد و اقوام کو حاصل ہوتی ہے۔ اور ان میں لوگ داخل ہوتے اور نکلتے بھی رہتے ہیں۔ از آدم تا ایندم یہی ہوتا رہا ہے۔ کہ افراد نیک و صالح بن کر جنتِ سعادت میں داخل ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے پھر بدعملی و شقاوت کے جہنم میں جا پڑتے ہیں اقوام و امم ظہورِ حق پر ایمان لاتی ہے اور پھر جب لیٹ کو ظہورِ حق ہوتا ہے۔ تو انکار کر دیتی ہیں۔ اور بعض منکر اقوام ایمان لاتی ہیں۔ مادامت السّمٰوٰت والارض اور الا ما شاءَ ربک سے بصراحت یہی مفہوم و مقصود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ مابعد الموت کی جنت و دوزخ کا صرف جب تک آسمان زمین قائم ہیں۔ تب ہی تک رہنا محدود نہیں اور جنتِ آخرت کا ابدی ہونا قطعی مسلّم اور منصوص ہے۔ اور جنتِ آخرت میں کوئی موت کا شکار نہ ہوگا۔ اس جنت میں جو دنیا میں مومنوں کو دنیا میں ملتی ہے۔ بیشک مومن مرکر دنیا سے انتقال کر جاتے ہیں۔ اسی کا ذکر آیت ذیل میں فرمایا ہے۔

لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ (سورۂ دخان ع ۲)	مومن جنت میں مرتے نہیں مگر موتِ اولیٰ یعنی جسمانی موت ضرور آتی ہے۔

مومن دنیا میں بھی جنت میں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بالکل واضح و آشکار ہے۔ کہ جنت میں ایک بار صرف جسمانی موت مرتا ہے۔ مابعد الموت کی جنت

میں پہنچنے کے بعد کسی قسم کی موت نہیں ہے۔ اس بیان سے اہلِ حدیث کا یہ سوال حل ہوگیا۔ کہ جنت دوزخ میں تو لوگ مریں گے نہیں۔ اور دنیا میں اگر جنت دوزخ ہے۔ تو یہاں موت کا شکار کیوں ہوتے ہیں۔ سطور بالا سے عیاں ہوگیا۔ دنیا کی جنت دوزخ میں لوگ مرتے بھی ہیں اور ان سے نکلتے بھی رہتے ہیں۔ مابعدالموت کی جنت میں نہیں مرتے ہیں اور نہ جنت سے نکالے جاتے ہیں۔ مابعدالموت کی جنت دوزخ مرنے کے بعد فوراً بعد ہی مل جاتی ہے۔ کسی موہوم قیامت پر موقوف نہیں رہتی۔

(پُل) صراط) } پُل صراط کے متعلق سورۂ مریم کی آیت ذیل پیش کی جاتی ہے۔ ان منکم الا واردھا کان علیٰ ربک حتماً مقضیاً ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظٰلمین فیھا جثیا ٥

اس آیت میں قطعاً کوئی لفظ نہیں ہے۔ جس سے یہ سمجھا جائے۔ کہ جہنم کے اوپر ایک پُل ہوگا۔ اور اُس کا نام پُل صراط ہوگا

پھر سوال یہ ہے کہ انبیاء اولیاء صلحاء سب ہی انسان بے قصور آتش جہنم پر کیوں گذارے جائیں گے۔ حالانکہ قول حق تعالیٰ ہے۔ ان اللّٰہ لا یظلم الناس مثقال ذرۃ خدا ذرہ بھر کسی آدمی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور اس کا کوئی کام غیر معقول نہیں ہو سکتا

"ان منکم" میں خطاب تمام نوع انسان سے اس لئے درست نہیں۔ کہ سورۃ الانبیاء میں قطعی طور پر فرمایا ہے :۔

ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ } جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی

اولٰئک عنھا مبعدون لا یسمعون حسیسھا (ع) | مقرر ہو چکی ہے۔ وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ اس کی بھنک بھی نہ سنیں گے

اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ ہر آدمی جہنم کو عبور کریگا۔ رہی کوئی روایت و حکایت وہ بشرطِ صحت بھی ظنی ہے۔ اور عقائد کی بنیاد ظنی چیز پر نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید میں ایسے پل صراط کا جو عوام میں مشہور ہے کوئی ذکر نہیں ہے۔ صراط یعنی راہ جس سے مراد شریعت خداوندی ہے قرآن میں بار بار مذکور ہے۔ اس کو اگر ایک پل سے تشبیہ دیکر بیان کر دیا جائے۔ تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

ارض وسما کی حقیقت۔ حقیقت ومجاز

باب پنجم

ارض و سماء

آیات الٰہی پر تدبر و تفکر بہت بڑی عبادت ہے۔ آزاد وجدان کے ساتھ مضمون پڑھیئے۔ موجودہ زمانہ میں قیامت و حشر کے حقائق پر بصیرت کی نظر ڈالنا نئی زندگی میں داخل ہونا اور اسرار الٰہی کا مکاشفہ و شہود حاصل کرنا ہے۔

جب کسی لفظ کی حقیقت پر بحث مطلوب ہو۔ تو اس کی لغوی تحقیق کرنی چاہیئے۔ تاکہ لفظ کی وضع اصلی معلوم ہو جائے۔ اور پھر اس کے اطلاقات کی صحت کا صحیح علم حاصل ہو۔ "ارض" و "سماء" قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ سماء کے متعلق جو خیالات ہیں۔ ہم ان پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کلام الٰہی میں ارض و سماء کا اطلاق کن کن چیزوں پر ہوا ہے۔ اور سماء یا آسمان دراصل کیا چیز ہے۔

اس بحث کا تعلق مسئلہ قیامت سے بہت گہرا ہے۔ جہاں "انشقاق سماء" "انفطار سماء" "طی سماء" وغیرہ امور کے حقائق کا انکشاف ضروری ہے۔ اور اس بارے میں جو جو غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں۔ انہیں دور کرنا لازم و واجب ہے۔

لغت میں لفظ ارض و سماء کی حقیقت! ہم لغت کی کتابوں سے اس امر پر روشنی

دالے لیتے ہیں کہ ارض و سماء زبان عرب میں کس حقیقت کے لئے مستعمل ہیں
سما الشئی یسمو سموا علا وارتفع (کنز العلوم واللغۃ)
"سماء الشئی" کے معنی ہیں وہ چیز اونچی اور بلند ہو گئی۔
السمو الارتفاع والعلو (مختار الصحاح) سمو یعنی اونچائی اور بلندی
السماء کل ما علاک واظلک (کلیات ابی البقاء) سماء ہر وہ چیز جو بلند
اور چھائی ہوئی ہو۔ خلاصہ یہ کہ بلندی یا بلند چیز کو سماء کہتے ہیں۔ اب لیجئے ارض۔
کل ما سفل فھو ارض (اقرب الموارد۔ کلیات ابی البقاء) ہر نیچی چیز کو ارض کہتے
ہیں۔ اسی لئے ہر مافوق سماء اور ہر ماتحت ارض ہے۔

کل سماء بالاضافۃ الی مادونھا فسماء و بالاضافۃ الی ما فوقھا فارض (مفردات راغب)	ہر سماء اپنے ماتحت کی نسبت سے سماء یعنی علی ہے اور اپنے مافوق کی نسبت سے ارض یعنی نچلی چیز ہے۔

کیونکہ سماء کے اصل معنی بلندی اور بلند چیز ہیں۔ اور ارض کے معنی پستی
اور پست چیز ہے۔ یہ بنیادی حقیقت ہے۔ اسی لئے

و یعبر بھا عن اسفل الشئی کما یعبر بالسماء عن اعلاہ (مفردات راغب)	ہر چیز کے نچلے حصے کو ارض کہتے ہیں۔ جیسا کہ اونچے حصے کو سماء کہتے ہیں۔

چنانچہ جوتی کے اوپر والے حصے کو "سماء النعل" اور تلے کو "ارض النعل" کہا
جاتا ہے۔ اردو میں "سماء" اور "ارض" کے لئے سادہ لفظ ہیں "اوپر" "تلے"
قرآن مجید میں بھی سماء کے لغوی معنی بلندی آئے ہیں چنانچہ فرمایا کانما یصعد
فی السماء۔ گویا وہ شخص بڑی دقت سے اونچائی پر چڑھ رہا ہے۔ (پ انعام ع)

اسی طرح فلیمدد بسبب الی السماء اُسے اوپر کی طرف ایک رسی باندھنی چاہیئے (پ ۱۷ حج ع ۲)

ان دونوں آیات میں سماء سے مراد اونچائی اور اونچی جگہ ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے ضرب اللّٰہ مثلاً کلمۃً طیبۃً کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السماء (پ ۱۳ ابراہیم ع ۲) خدا نے پاکیزہ کلام کو پاکیزہ درخت قرار دیا ہے جس کی جڑ اپنی جگہ خوب جمی ہوئی ہے۔ اور اس کی شاخیں بلندی میں پھیلی ہوئی ہیں"۔ یہاں بھی لفظ سماء سے اونچائی مراد ہے۔ چونکہ لفظ ارض و سماء کے لغوی معنی بلندی و پستی یا بلند و پست چیز ہیں۔ اس لئے جہاں جہاں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ وہاں بلندی و پستی کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔ اور اسی حقیقت کی بناء پر زمین کو ارض کہتے ہیں۔ کیونکہ زمین ہمارے پاؤں تلے رہتی ہے۔ نیز فضائے بلند کے مقابلہ میں نیچی ہے۔ اسی حقیقت کے لحاظ سے کسی کے سامنے جھک جانے والا اپنے آپ کو ارض کہتا ہے۔ چنانچہ عربی میں محاورہ ہے۔

یقال من اطاعنی فکنت لہ ارضاً (محیط المحیط)	جو میری بات مان لے گا۔ میں اس کے لئے ارض ہو جاؤں گا یعنی اس کے سامنے جھک جاؤنگا

ارض کے اصل معنی پستی ہیں۔ جو مادی چیزوں میں بھی ظاہر ہیں۔ اور معنوی پہلو سے جو پستی ہے وہ بھی ارض ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ عالم تعلیمات حق سے روگردانی کرنے والے انسان کی نسبت ارشاد فرماتا ہے۔

ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ (پ ۹ اعراف ع ۲۲)	ہماری مشیت کے مطابق ہوتا تو ہم اپنی آیات و تعلیمات کے ذریعے اسے اونچا کر دیتے۔ لیکن وہ خود ہی پستی کی طرف

جھک گیا اور گرانے والی خواہش کے پیچھے ہو لیا۔

یہاں مسلمہ طور پر ارض سے مراد روحانی پستی ہے۔ جو منکرِ حق بدعمل انسان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی پستی کو اسفل سافلین " سے تعبیر کیا ہے۔ بدکردار آدمی کے عمل کا نتیجہ انتہائی پستی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل نیک کردار انسان کو بلندی ملتی ہے۔

یرفع اللّٰہ الذین اٰمنو منکم والذین اوتوالعلم درجات (پ ۲۸ مجادلہ ع)	تم لوگوں میں سے ایمان والوں کو خدا رفعت دیتا ہے اور اہلِ علم کے درجات بلند کرتا ہے۔

لفظِ سماء کے چند اطلاقات

یہ تو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ سماء کے معنیٰ بلندی اور بلند چیز ہے۔ اسی حقیقت کے لحاظ سے لفظ سماء بہت سی ایسی چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں بلندی پائی جاتی ہے۔ ازانجملہ چند چیزوں کا یہاں حوالہ دیا جاتا ہے۔

وسمّی المطر سماءً لخروجہٖ منہا قال بعضہم انما سمّی سماءً مالم یقع علی الارض اعتبارًا بما تقدّم و سمّی النبات سماءً اما لکونہ من المطر الذی ھو سماءٌ واما لارتفاعہ علی الارض	بارش کو بھی سماء کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ سماء یعنی بادل سے آتی ہے۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں۔ کہ بارش جبتک زمین پر نہ پہنچے سماء کہلاتی ہے کیونکہ وہ اوپر ہوتی ہے۔ اور سبزہ بھی سماء کہلاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ سماء یعنی بارش کے ذریعے اگتا ہے یا اس لئے سماء کہلاتا ہے کہ زمین سے نکل کر اوپر کو اٹھتا ہے۔ (مفردات راغب)

قرآن مجید میں بھی بادل کو سماء فرمایا ہے۔

انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا (پ ۱۳ رعد ع ۲)	خدا نے بادل سے پانی برسایا۔ تو اپنی اپنی مقدار پر نالے بہنے لگے
انزل من السماء ماءً فسلکہ ینابیع فی الارض (پ ۲۳ زمر ع ۳)	بادل سے پانی برسایا جس سے زمین میں چشمے بہا دیئے۔

سماء کے معنی بارش بھی قرآن مجید میں آئے ہیں۔

یرسل السماء علیکم مدرارا (پ ۲۹ نوح ع ۱)	خدا تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا۔
وارسلنا السماء علیھم مدرارا (پ ۷ انعام ع ۱)	ہم نے ان پر موسلا دھار مینہ برسایا

شاعر کہتا ہے "اذا نزل السماء بارض قوم" جب قوم کی زمین پر سماء یعنی مینہ برستا ہے۔ سبزہ زار کو بھی سماء کہتے ہیں عربی میں محاورہ ہے "مازلنا نطئی السماء حتی اتینکم" ہم سبزہ زار کو روندتے ہوئے آپ کے پاس آ پہنچے۔

اوپر یا اونچے اٹھنے کے مفہوم کی بناء پر عربی میں کہا جاتا ہے "سما الیہ بصری" میری نظر اس کی طرف اٹھی۔ جریر شاعر کہتا ہے "سمت لی نظرۃ فرأیت برقا" یعنی وہ

اٹھی جو نظر میری بجلی سی نظر آئی

نیز محاورہ ہے "ھمتہ تسمو" اس کی ہمت بلند ہے۔

حقیقتِ لفظ کے لحاظ سے موارد استعمال | لغت سے ثابت ہو چکا کہ سماء کے معنی بلندی یا بلند چیز کے ہیں اور اس حقیقت یعنی بلندی کے لحاظ سے لفظ سماء کے بہت سے موارد

استعمال ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں۔ حقیقت لغت اور موارد استعمال کی دو مثالیں ہم اور بھی عرض کرتے ہیں۔ لفظ نور کو لیجئے جس کے لغوی معنی ہیں۔ وہ روشنی جو دیکھنے میں مددگار ہو۔ بصیرتِ باطنی سے نظر آنے والی روشنیاں بھی نور کا مصداق ہیں۔ جیسے نورِ عقل۔ نورِ قرآن۔ اور بصرِ ظاہری سے نظر آنے والی روشنیاں بھی نور کا مصداق ہیں۔ جیسے نورِ شمس و نورِ قمر۔

قد جاءکم من اللّٰہ نورٌ و کتابٌ مبین۔ | خدا کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور روشن کتاب آئی ہے۔

جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً | خدا نے آفتاب کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا ہے

پس نور کا اطلاق ظاہری نور اور باطنی نور دونوں پر ہوا ہے۔

(خلاصہ از مفرداتِ راغب لفظِ نور)

اسی طرح لفظِ سبیل کو لیجئے۔ جس کے معنی راستہ ہیں۔ ظاہری زمین کے راستے یعنی سڑک کو بھی سبیل کہتے ہیں۔

وجعل لکم فیہا سبلا | خدا نے زمین میں تمہارے لئے راستے بنائے ہیں

روحانی پہلو سے دینِ حق کو سبیل کہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے۔

انا ھدینٰہ السبیل | ہم نے انسان کو راستہ دکھایا (یعنی دینِ حق)

سبیل کے معنی راستہ ہیں۔ راستہ ظاہری بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی ہوتا ہے ایک حقیقت کو دو موارد استعمال ہیں (خلاصہ از مفرداتِ راغب)

خداوند عالم نے انسان کو دونوں قسم کی یعنی

اسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃً و باطنۃً (پ ۲۱ لقمان۔ ع ۳) | ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں

جامعیتِ لفظ پر نظر اس لئے الفاظ جو کتاب اللہ میں وارد ہوئے ہیں۔ ان کی لغوی حقیقت پر نظر رکھتے ہوئے ظاہری اور باطنی یا مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں سے جامع معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔ جب تک کوئی زبردست وجہ ایک ہی پہلو کو مخصوص کرنے کی نہ ہو تب تک جامعیت کو مدِ نظر رکھنا کلام کے لفظ اور معنیٰ کے جمال و کمال کا ضروری و لازمی تقاضا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اس آیۂ مبارکہ پر تدبر فرمائیے۔

وفی السماء رزقکم وما توعدون (پ ۲۷ والذّٰریٰت ع ۱) | تمہارا رزق اور جو تمہیں وعدہ دیا جارہا ہے سماء میں ہے۔

یہاں لفظِ سماء سے بارش مراد لی جائے۔ تو ظاہری پہلو سے یہ مفہوم ہوا۔ کہ بارش میں تمہاری زندگی و خوراک اور جن چیزوں کا وعدہ ہے۔ یعنی سامان معیشت وہ بارش سے ہی وابستہ ہیں۔ تمام خوراک ولباس و تعمیرات وغیرہ کے سامان بارش کے ذریعے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اور سماء کے معنیٰ بلندی کے لحاظ سے روحانی رفعت مراد لی جائے تو مفہوم یہ ہوا کہ انسانی زندگی کا سرمایۂ حیاتِ حقیقی رفعتِ روحانی میں ہی مضمر ہے۔ اور آئندہ ترقیات کے جو وعدے دیئے جارہے ہیں۔ وہ بھی سب انسان کی روحانی رفعت سے ہی وابستہ ہیں۔ یہاں مادی اور معنوی دونوں پہلو جمع ہیں۔ اور یہ کلام کی خوبی اور جامعیت ہے۔ ایک ہی آئینے میں اسبابِ حیات کی تصویر کے دونوں رخ صاف صاف دکھا دیئے گئے ہیں۔

الحمد للّٰہ الذی خلق السّمٰوٰت | خدا کی تعریف جس نے تمام بلندیوں اور پستی

والارض وجعل الظلمت والنور   پیدا کی ہیں۔ اور اندھیرے اور روشنی کو
(پ انعام ع)   بنایا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں لفظِ سموٰت والارض ہر بلندی و پستی پر حاوی ہے خواہ جسمانی بلندی و پستی ہو۔ یا روحانی بلندی و پستی ہو۔ کیونکہ دونوں کو خدا نے ہی بنایا ہے۔ بلاوجہ کلمات کی جامعیت کو بھول کر صرف ایک ہی قسم کی بلندی و پستی مراد لینا غلطی ہے۔ جب لفظ جامع ہے۔ تو سب بلندیاں اور ہر پستی مراد ہے اسی طرح اس آیت میں ظلمت و نور بھی جامع الفاظ ہیں۔ ظاہری اندھیرے اور اجالے اور باطنی تاریکی اور روشنی دونوں پر حاوی ہیں۔ اس لئے یہاں دونوں مراد ہیں۔

موضوعِ قرآن۔ روحانی بلندی و پستی کا بیان یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر علم کا ایک موضوع ہوتا ہے۔ جس علم کی کتاب ہوتی ہے۔ اسی علم سے متعلق بحث کرتی ہے۔ قرآن مجید عقائد و اعمالِ حق کی تعلیم اور اصلاحِ نفس کی تلقین کے لئے آیا ہے قرآن مجید اور ہر دینی الہامی کتاب کا مقصد روحانی ترقیات کی رہنمائی ہے وہ شفاءٌ لما فی الصدور یعنی امراضِ روحانی کے لئے نسخہ شفا ہے۔ امراض ظاہری بخار، جاڑے۔ دردِ سر، دردِ شکم کا علاج یا زخموں کی مرہم پٹی سکھانے نہیں آیا۔

اسی طرح قرآن مجید منطق و فلسفہ کی کتاب نہیں ہے۔ علم ہیئت و فلکیات اس کا موضوع نہیں ہے۔ جو

اس میں اجرام سماوی کے متعلق تفصیلات مذکور ہیں۔ وہ تو روحانی رفعت پیدا کرنے اور پستی سے بچانے کے لیئے صحیح علم و عمل کی روشنی دیتا ہے۔ یہی اس کا موضوع ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اس کے موضوع سے باہر کی چیزیں اس میں تلاش نہ کریں۔ بلکہ اس کے موضوع کے متعلق تمام کلی و جزی امور اس میں ڈھونڈیں۔

اگر ظاہری کرّاتِ سماوی کا وہ ذکر بھی کرتا ہے۔ تو نہایت مجمل اور وہ بھی اس غرض سے کہ انسان ان قدرتی مظاہر کو دیکھ کر قادرِ مطلق سے تعلق پیدا کر کے رفعتِ حقیقی روحانی حاصل کرے۔

پس موضوعِ کتاب کے مطابق اصولی طور پر یہ تسلیم کرنا لازم ہے کہ قرآن مجید میں روحانی رفعت و پستی کی حقیقت تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے نزول کی غرض و غایت یہی ہے۔ اس بنا پر روحانی بلندی و پستی کے حقائق کا بیان قرآن مجید کا دائرۂ موضوع ہے۔ ہمیں بھی اس کے بیانات کو اس کے دائرۂ موضوع میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے

جہاں جہاں سماء۔ سموات یا ارض کا ذکر ہو۔ وہاں لازمی طور پر وہی مفہوم لینا چاہیئے۔ جو قرآن کے مقصد و موضوع کا مرکز ہے۔ جہاں مادی ارض و سماء مراد لینے کا قرینہ ہو۔ وہاں مادی ارض و سماء مراد ہوں گے۔ لیکن خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کے ذکر کی غرض بھی انسان کو حقیقی رفعت کی جانب متوجہ کرنا ہے جو حق پرستی و دینداری سے پیدا ہوتی ہے۔

اصل موضوعِ قرآن کی وجہ سے روحانی معانی مقدم ہونگے۔ خصوصاً جب

آیت میں کوئی لفظ ایسا ہو۔ جو روحانی پہلو کو واضح اور متعین کرتا ہو۔ تو یقیناً وہاں روحانی معانی مراد ہوں گے۔

سمٰوات دین آیت مبارکہ ذیل پر غور فرمایئے:۔
ام یقولون بہ جنۃ بل جاءھم بالحق واکثرھم للحق کارھون ولو اتبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوٰت والارض ومن فیھن (پ۱۸ مومنون ع۴)
کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے؟ نہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ آنحضرت تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور ان لوگوں کی اکثریت کو حق ناگوار ہے۔ اور اگر یہ حق ان لوگوں کی گری ہوئی خواہشوں کا تابع ہو جاتے۔ تو یقیناً سمٰوات وارض" اور وہ جو ان میں ہیں سب خراب ہو جائیں۔
اس آیت مبارکہ میں سمٰوات سے مراد اجرام سماوی ہرگز نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر حق یعنی دین اسلام کافروں کی خواہشوں کی متابعت کرے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اجرام سماوی کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے جیسا کہ خود کافروں کی اکثریت کے باوجود اجرام سماوی اور کرات فضائی کو کچھ نقصان نہیں پہنچ رہا ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر حق یعنی دین اسلام جو اصلاح و تربیت کا نظام ہے۔ کافروں کی پیروی کرے۔ تو روحانی بلندیاں تمام برباد ہو جائیں گی۔ بلکہ بلندی و پستی کا سارا نظام روحانی بگڑ جائے گا۔ اور اس نظام روحانی میں رہنے والے بھی فاسد و خراب ہو جائیں گے اب واضح و آشکار ہے۔ کہ آیت مبارکہ میں سمٰوٰت سے مراد روحانی رفعتیں اور دین حق کی بلند تعلیمات ہیں۔ جن کا قائم کرنا کتاب الٰہی کا مقصد اصلی ہے

حق و صداقت کے سمٰوات و ارض حق و صداقت کے سمٰوات وارض یعنی

روحانی نظام اصلاح سب سے بڑی چیز ہے۔ انسان کے لئے یہی سب سے عظیم ترین نعمت ہے۔ اگر انسان نعمت اصلاح دروحانیت سے بے بہرہ ہو۔ تو سب کچھ اس کے لئے بیکار ہے۔ بلکہ یہ عالم حقیقت میں اس کے لئے ہلاکت خانہ ہے۔

قرآن مجید معنی وصداقت کے سموات وارض یعنی نظام روحانی کا بیان ان الفاظ میں بھی کرتا ہے۔

خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض بالحق ان فی ذٰلک لاٰیۃ للمؤمنین (پ۲۱ عنکبوت ع۴)	خدا نے حق وصداقت کے ذریعے بلندیاں اور پستی بنائی ہیں اس امر میں ایمان لانے والے کیلئے ایک نشان ہے۔

جیسے فرماتا ہے کہ یحق اللّٰہ الحق بکلماتہ۔ خدا اپنے کلمات کے ذریعے حق کو حق ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح "خلق السمٰوٰت والارض بالحق" کے معنی یہ ہیں کہ حق کے ذریعے بلندیاں اور پستی کو وجود کو پیدا فرمایا ہے۔ احکام حق بلند ہیں۔ اور اس کے مقابل منکروں کی باتیں سراسر پست ہیں۔

جعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللّٰہ ھی العلیا (پ۱۰ توبہ ع۶)	خدا نے منکرین حق کی بات کو نیچا کر دیا اور خدا کی بات جو ہے وہی بلند ہے۔

پس حق کے ذریعے بلندیاں اور پستی جو بنائی ہیں۔ وہ نظام دینی کا ظہور ہے۔ جو دین کے نظام کو قبول کرتا ہے بلند ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ حق کی وجہ سے اور حق کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ دینِ حق نے کتنی قوموں کو ترقیات کی بلند چوٹیوں پر پہنچا دیا۔ اور کتنی قوموں کو انکارِ حق کی سزا میں پست کر دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

الم تروا ان اللہ خلق السمٰوٰت والارض بالحق (پ۱۳ ابراہیم ع۳)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے حق و صداقت کے ذریعے بلندیاں اور پستی بنادی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ نظام روحانی جسے دین کہتے ہیں۔ اسی کو حق و صداقت کے آسمان و زمین کہا ہے۔ اسی نظام دینی کے لئے قرآن مجید نازل ہوا۔ اور اس نے اپنے مقررہ دور کے لئے پروگرام مرتب کر کے جاری کیا جس نے اب اپنا کام پورا کر لیا ہے۔ انہیں حق و صداقت کے سموات و ارض کا بیان بار بار کئی طرح تفصیل سے قرآن مجید میں آتا ہے

انہیں سموات و ارض حق یعنی نظام دینی کے متعلق سورہ رحمٰن میں فرماتا ہے۔ کہ جب تک خود خدا نظام کو نہ بدل دے کوئی نہیں بدل سکتا۔

یمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان ۰

اے گروہ جن و انس! اگر تم ان سموات و ارض سے نکل سکتے ہو۔ تو نکل جاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے مگر ہاں سند و قوت کے ساتھ نکل سکتے ہو۔

اس جگہ سموات و ارض سے اگر فضائے لامتناہی کے کرات علویہ و سفلیہ مراد لئے جائیں تو ظاہر ہے کہ انسان ان میں سے کسی طرح بھی نکل کر باہر نہیں جا سکتا۔ کائنات کے دائرہ سے نکلنا محال ہے۔ مگر خدا فرماتا ہے کہ تم سند و قوت حاصل کر کے نکل سکتے ہو۔ اسی لفظ سے ثابت ہوا۔ کہ یہاں سموات و ارض سے مراد نظام دینی ہیں۔ جس میں سے انسان جب کہ خدا اسے سند اور قوت عطا فرمائے۔ نکل سکتا ہے۔ یعنی جب پہلی شریعت کو خدا منسوخ کر دے۔ تو اس کے دائرہ سے

سے انسان خدائی سند و قوت پاکر باہر نکل آتا ہے۔

دورِ اسلام کا آغاز و انجام

قرآن مجید میں خداوند عالم نے محکم قانون بیان فرمایا ہے کہ "لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ" ہر امت کا دور معین ہوتا ہے اور ہر دور کے لئے ایک کتاب شریعت ہوتی ہے "لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ" ہر دورِ معین کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ ہر کتاب کے لئے بھی ایک معین دور ہوتا ہے۔ لغت کی کتاب "کلیات ابی البقاء" میں لکھا ہے "قلب اسنادٍ نحو لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ای لِکُلِّ کِتَابٍ اَجَلٌ" اس آیت میں قلب اسناد ہے یعنی لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ کے معنی یہ ہیں کہ ہر کتاب کے لئے ایک اجل یعنی مدت مقرر ہے۔ چنانچہ یہی قانون تھا جس کے باعث کتاب کے بعد کتاب اور امت کے بعد امت خدا نے نازل و برپا فرمائی۔ قرآن جو اس قانون کو بیان کرتا ہے خود اس قانون کے وجود ہی سے کیونکر توڑ سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ بلا استثنا وہ بھی اسی قانون کے اثر میں ہے۔ چنانچہ دورِ اسلام کا آغاز و انجام آیتِ ذیل میں بیان فرمایا ہے:-

اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ اللہ وہ ہے جس نے ان سموات شرائع اور بساطِ امم اور ان کی ہر چیز کے لئے چھ ہزار سال یعنی موجودہ دور تاریخ میں ایک اندازہ مقرر کیا۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر وہ اس عرش قلب محمدی پر جلوہ گر ہوا۔ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اس کے سوا تمہارا کوئی دوست و شفیع نہیں اور نہ کوئی

کیا تم غور نہیں کرتے یدبر الامر من السماء الی الارض وہ آسمانِ شریعت سے لے کر
بساطِ امت تک سارے کام کی تدبیر و تنظیم کر رہا ہے یعنی احکام نازل فرما کر ان
کی تدوین و ترتیب کر رہا ہے اور امت کے قلوب میں انہیں قائم کر رہا ہے ثم یعرج
الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون اس تدوین و تنظیم کے بعد یہ امر نظام
اسلام خدا کی طرف ایک دن میں اٹھ جائے گا جس کی مقدار ایک ہزار برس تمہارے
حساب سے ہوگی۔ یعنی تدبیر و تنظیم کے قرونِ اولیٰ گذر جانے پر نظام اسلام میں تدریجی
خلل واقع ہوگا۔ یہاں تک کہ پھر ایک ہزار سال پورے ہونے پر دورِ اسلام ختم
ہو جائے گا۔ قرونِ اولیٰ کے دو سو ساٹھ سال ہیں ان میں ہزار سال ملا کر ۱۲۶۰
سال ہوئے۔ جبکہ قیامت کا صور پھونک دیا گیا۔ اور ملتِ اسلام کے مہدی
موعود حضرت سید علی محمد باب نے حکمِ خداوندی سے نئے دور کے آغاز کا
مژدہ سنایا۔ چونکہ ان باتوں کی تفصیل بہائی لٹریچر میں کافی موجود ہے یہاں تمام
دلائل لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

طالبانِ حقیقت بہائی لٹریچر پڑھ کر مفصل علم حاصل کر سکتے ہیں۔

نظامِ قدیم کے بعد نظامِ جدید

سورۂ انبیاء میں خداوند عالم نے یہ عظیم الشان خبر دی ہے۔ کہ جو قوم بنی

زندگی کے اعتبار سے مر چکی ہیں۔ وہ اُس زمانے تک دینِ حق کی طرف رجوع نہ کریں گے جس زمانے میں فسادی یا جوج ماجوج اقوام کھل جائیں گے۔ اور دنیا میں بڑا غلبہ حاصل کریں گی اور وعدۂ حق کے ظہور کا زمانہ آ جائے گا۔ اور اہلِ غفلت قہرِ الٰہی کی جہنم میں بلبلاتیں گے اور آہیں بھریں گے اور اس حالت میں رہتے ہوئے تبلیغ حق کی آواز نہ سنیں گے۔ ہاں مومن اس بڑی گھبراہٹ سے محزون نہ ہوں گے۔ انہیں بشارت دی جائے گی۔ کہ یہی تو وہ زمانہ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ یہ اس زمانے میں ہوگا۔ "یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب" جس دن ہم آسمانِ شریعت اسلام کو ایسے لپیٹ دیں گے۔ جیسے دفتری کاغذوں کا فائل لپیٹ دیا جاتا ہے۔

"السجل" الدفتر الذی تکتب فیہ صور الدعاوی (کنز العلوم واللغتہ)
سجل اس فائل کو کہتے ہیں جس میں مقدمات کی فلیں لکھی جاتی ہیں "سجل الحاکم کتب السجل و منہ تسجیل الاوراق وھو تفیین ھا ، فان الحاکم (کنز العلوم واللغتہ)
سجل الحاکم کے معنی یہ ہیں کہ حاکم نے فائل لکھا۔ اور اسی لفظ سے "تسجیل اوراق" ہے۔ یعنی محکموں کے فائلوں میں کاغذات کا نتھی کر کے رکھ دینا
لفظ طیّ جو مصدر ہے اگر مصدر مجہول لیا جائے۔ تو آیت مبارکہ کے معنی یوں ہوئے کہ

عہ کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ینسلون (علامہ اقبال)

ہم آسمانِ شریعتِ اسلام کو ایسے لپیٹ دیں گے۔ جیسے لکھے ہوئے کاغذات کا فائل لپیٹ دیا جاتا ہے۔

"طی" مصدرِ معلوم کیا جائے تو معنی یوں ہوں گے:۔

"ہم آسمانِ شریعتِ اسلام کو ایسے لپیٹ لیں گے۔ جیسے کاتب لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ دیتا ہے"۔

کیونکہ سجل کے معنی فائل بھی ہیں۔ اور سجل کے معنی کاتب بھی ہیں۔ لغت میں لکھا ہے۔ وھوایضاً الکاتب (قاموس المحیط) یعنی سجل لکھنے والے کو بھی کہتے ہیں دونوں صورتوں میں مقصد ایک ہی ہے۔ کہ آسمانِ شریعت اسلام اس طرح لپیٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ جیسے پرانی فائلیں اکٹھی کر کے داخل دفتر کی جاتی ہیں۔ اتنا فرمانے کے بعد پھر خداوند عالم ساتھ فرماتا ہے:۔

کما بدأنا اول خلق نعیدہٗ وعداً علینا انا کنا فاعلین	جیسے ہم نے آغاز کیا تھا پھر سے نیا آغاز کریں گے یہ ہمارا لازمی وعدہ ہے یقیناً ہم یہ کام کر کے رہیں گے

یہ خداوندِ بے نیاز کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ قوموں کی تاریخ میں بار بار ایسا ہو چکا ہے۔ خداوندِ بے نیاز کس صفائی سے خبر دیتا ہے۔

وربک الغنی ذوالرحمۃ ان یشأ یذھبکم ویستخلف من بعدکم ما یشاء کما انشأکم من ذریۃ قوم اٰخرین۔ انما توعدون لاٰت وما انتم بمعجزین (پ ع)	اور اے رسول! تیرا رب بے نیاز صاحبِ رحمت ہے جب چاہیگا تمہیں ہٹا دیگا۔ اور تمہاری جگہ جنہیں چاہتا ہے لے آئیگا۔ جس طرح تمہیں بھی ایک اور قوم کی نسل سے برپا کیا ہے۔ بات تو یہی ہے کہ تمہیں جس امر کا وعدہ دیا جا رہا ہے وہ یقیناً آکر رہیگا اور تم روک نہیں سکتے

اب ہم اپنے پیارے مسلمان عزیزوں سے کیا عرض کریں۔ دل میں جذبات محبت کے سمندر موجزن ہیں، جن کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے۔ مختصراً ایک نعرۂ حق سنائے دیتے ہیں ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

سمٰوات اور قیامت

جس یوم قیامت یعنی نئے نظام روحانی کا وعدہ قرآن مجید میں بارہا آیا ہے اس یوم موعود میں سمٰوات کی مختلف کیفیتیں ہوں گی از انجملہ ارشاد ہے کہ

والارض جمیعا قبضتہ یوم القیمۃ والسمٰوٰت مطویٰت بیمینہ سبحٰنہ وتعالیٰ عما یشرکون ۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوٰت ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ہم قیام ینظرون ۔ واشرقت الارض بنور ربہا ووضع الکتٰب وجایء بالنبین والشہداء وقضی بینہم بالحق وہم لا یظلمون
(پ ۲۴ زمر ع)

اور ارض یعنی بساطِ امت سب کی سب خدا کے قبضۂ اقتدار میں اور سمٰوات یعنی تمام شرائع اور رفعتیں تہ ہو کر خدا کے دستِ قدرت میں ہوں گی۔ خدا کی ساجھ لوگ جو دوسروں کو ملا رہے ہیں اس سے وہ پاک و برتر ہے۔ اور ندائے حق بلند ہوگی۔ تب بلندیوں اور پستی والے گھبرائیں گے۔ بجز ان کے جنہیں خدا بچائے اور دوسری بار ندائے الٰہی بلند ہوگی۔ تو لوگ نئی قوت سے کھڑے ہو کر غور و فکر کریں گے۔ اور جلوۂ حق دیکھیں گے اور زمین یعنی قلوبِ انسانی اپنے تربیت دینے والے کی روشنی سے منور ہو جائیں گے

اور نئی کتاب الہٰی لاکر رکھ دی جائے گی اور خدائی خبریں دینے والے مبلغ اور حق کی شہادت دینے والے لوگ وجود میں لائے جائیں گے۔ اور ان کے درمیان حق کے ذریعے معاملات چکا دیئے جائیں گے اور کوئی کمی بیشی نہ کی جائے گی۔"

ہماری تحقیق میں یوم قیامت ظاہر ہو گیا۔ پہلی بار حضرت باب نے اس دور میں ندائے الہٰی بلند فرمائی۔ دوسری بار حضرت بہاء اللہ نے اور اب ہم ایک نئے دور میں ہیں۔ خداوند عالم نے اپنی حکمت بالغہ سے جیسے شرائع سابقہ کے نظام کو شق کر کے شریعت اسلام کا اظہار فرمایا تھا۔ اور اسی میں سب حقائق قدیمہ کو محقق و موجود کر دیا تھا۔ بالکل اسی طرح اب اسلام کے آسمان رفعت کو پھاڑ کر اس میں سے نظام جدید جلوۂ ارتقاء کے ساتھ نمودار فرمایا ہے۔ جس کا وعدہ یوں بھی کیا تھا کہ اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت۔ جب آسمان رفعت اسلام شق ہو جائیگا۔ اور اپنے ترقی دینے والے کا حکم سنیگا۔ اور دوبارہ نئے وجود میں موجود کر دیا جائے گا۔ چنانچہ نئی شریعت کی شکل میں وہ دین قدیم و قدیمہ جلوہ گر ہو گیا ہے۔ واذا الارض مدت والقت ما فیها وتخلت واذنت لربها وحقت۔ اور جب دلوں کی زمین وسیع کر دی جائے گی۔ اور اپنے جواہر و خزائن اور حقائق و اسرار کو جو اس کے اندر مضمر ہیں برملا کر کے سبکدوش اور اپنے ترقی دینے والے کے حکم پر ہمہ تن گوش ہو جائیگی اور وہ وجود حقیقی پائے گی۔"

لفظ حقت جو سماء و ارض کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔ وہ قیامت کے اس خیال موہوم کو جو فنائے عالم کے رنگ میں سمجھا گیا ہے۔ صاف صاف رد کرتا ہے حق یحق کے معنی ہیں ثبت یثبت۔ پس حقت کے معنی ہوئے وہ ثابت و محقق کی جائیگی

کہیں فنا اور کہاں ثابت و محقق کیا جانا۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا مفہوم قیام و بقاء ہے نہ کہ عدم و فنا۔ ہر امت، جو بعد میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ پہلی امت کا جوہرِ وجود ہوتی ہے۔ جیسے بعد کا پھل پہلے پھل کا جوہرِ وجود ہوتا ہے اسی طرح ہر دین پہلے دین کی حقیقت کا مظہر ارتقائی ہوتا ہے۔ اس آیت میں آسمانِ اسلام و سرزمینِ ملت کا بدل کر نیا وجود اختیار کرنا نمایاں ہے۔ اسی صورت انشقاق میں خداوند تعالیٰ شفق شام، تاریکی شب اور روشنی ماہتاب کے نشانِ قدرت سے ملت کی شام، رات اور پھر چاندنی یعنی عروج و زوال اور پھر ارتقاء کے پہلو کو پیش فرماتا ہوا ارشاد فرماتا ہے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ۔ تم ایک درجہ سے ضرور دوسرے بلند درجے پر ارتقاء کرو گے

اِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ

موعودہ زمانے کے واقعات کے سلسلے میں خداوند عالم نے یہ بھی فرمایا ہے۔
اِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ" جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔
ظاہر ہے کہ نہ آسمان کوئی ٹھوس چیز ہے۔ اور نہ اس پر کوئی کھال چڑھی ہوئی ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہم اصلاح قرآن سے ثابت کر چکے ہیں کہ سماء سے مراد دینِ حق ہے۔ اور یہ کہ قدیم آسمانِ دین شق ہو کر جدید آسمانِ حق نمودار ہوگا۔ یہی بات آیت اِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ میں بیان فرمائی ہے۔ کہ دینِ حق اپنا جامہ بدل دیگا۔ اور اپنی پوشیدہ

صورت نئی تجلی کے ساتھ دکھائے گا۔ چنانچہ وہ پوری آیت مع ترجمہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

اذا الشمس کورت۔ واذا النجوم انکدرت۔ واذا الجبال سیرت۔ واذا العشار عطلت واذا الوحوش حشرت واذا البحار سجرت واذا النفوس زوجت واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔ واذا الصحف نشرت۔ واذا السماء کشطت۔ واذا الجحیم سعرت واذا الجنۃ ازلفت علمت نفس ما احضرت ٥ (تکویر ع)

جب آفتاب رسالت لپیٹ لیا جائے گا اور ستارے یعنی علماء ماند پڑ جائینگے اور جب پہاڑ (سرداران قوم) اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جائیں گے اور تکیلیں بیکار چھوڑ دی جائیں گی۔ وحشیوں کو جمع کیا جائے گا۔ سمندروں میں آگ بھڑکائی جائے گی۔ لوگ آپس میں ملا دیئے جائیں گے، زندہ درگور (پردہ اور غلامی کی قید میں پڑی ہوئی) صنف نازک کے متعلق مطالبہ کیا جائے گا کہ بتاؤ کس گناہ میں ہلاک کر دی گئی۔ اور جب صحف الٰہیہ اور عام کتابیں اور اخبارات شائع کئے جائیں گے۔ اور جب دین کے حقائق ظاہر کئے جائیں گے اور جب آگ بھڑکائی جائے گی (موجودہ جنگ کی آتشباری دیکھئے) اور جب جنت حقیقت بھی بہت قریب لائی جائے گی۔ اس وقت آدمی اپنے فراہم کردہ سرمایہ کو بھی جان لے گا

اب یہ واقعات عام آشکار ہیں، اور روز بروز زیادہ منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ وقت آ رہا ہے جب ایک نفس بھی ان سے بے خبر اور منکر نہ رہیگا۔

شق و انشقاق کے لغوی معنی خوب سمجھ لیجئے۔ لغت کہتی ہے:۔

الشق۔ الخرم الواقع فی الشئ (مفردات راغب) شق۔ کسی چیز میں سوراخ یا پھٹن

کو کہتے ہیں الشق واحد الشقوق وھو فی الاصل مصدر و تقول بید فلان وبرجلہ شقوق (مختار الصحاح)

شق جس کی جمع شقوق ہے وہ اصل میں مصدر ہے۔ تم کہتے ہو کہ فلاں شخص کے ہاتھ یا پاؤں میں شقوق یعنی پھٹن ہیں۔

سورۂ عبس میں آتا ہے انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا بہ حبا و عنبا و قضبا ہم نے اوپر سے اچھی طرح پانی ڈالا۔ پھر ہم نے زمین کو پھاڑ دیا۔ سوا ناج اور انگور اور سبزہ اگایا۔ یہاں لفظ شققنا الارض شقا کے معنی یہی ہیں کہ زمین کے مسام کھول دیئے اور اس میں سے طرح طرح کی نباتات پیدا کی۔ سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے۔ وان من الحجارۃ لما یشقق فیخرج منہ الماء بعض پتھروں میں سے ایسے ہیں جو شق ہو جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکل آتا ہے۔ چنانچہ پہاڑوں میں چشمے ابلتے سب نے دیکھے ہیں۔ قانونِ قدرت میں جیسے پتھروں سے پانی نکلنا ایک حقیقتِ واضحہ ہے۔ اسی کا دوسرا پہلو قلوبِ انسانی سے علوم و حکمت کے چشموں کا ابلنا ہے۔ اسی طرح قانونِ فطرت میں زمین پر بارش سے زمین کے مسام کا کھل جانا اور پانی پی کر رنگارنگ کی نباتات اگانا عالم وجود کی ایک حقیقتِ ظاہرہ ہے۔ اسی طرح فطرت کا دوسرا عظیم الشان رخ یہ ہے کہ آسمانِ امر اللہ سے احکام و فیوضِ روحانی نازل ہوتے ہیں۔ اور ارضِ قابلیت یعنی قلوبِ انسانی میں پہنچ کر طرح طرح کے روحانی اخلاقی و علمی سبزہ زار و گلشن و گلزار نمودار ہوتے ہیں۔ اور فطرتِ انسانی کی روحانی خوراک کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ یہ دونوں ظاہری اور روحانی پہلو ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ ایک ہی

فطرت کے تقاضے اور ظہور ہیں۔ خداوند عالم جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی ہدایت کرتا ہے۔ اور دونوں حقیقت واقعی ہیں۔ جو ایک ہی سرچشمے سے سیراب ہوتی ہیں اسی حقیقت کو خداوند عالم ان کلمات میں بیان فرمارہا ہے۔

ونزلنا من السماء ماءً مبٰرکًا فانبتنا بہٖ جنّٰت وّحب الحصید والنخل باسقٰت لّھا طلعٌ نضید رزقًا للعباد واحیینا بہٖ بلدۃً میتًا کذٰلک الخروج ۰ (سورۃ ق)

"اور ہم نے اوپر سے برکت والا پانی اتارا تو اس کے ذریعے باغ اگائے اور اناج جو کاٹا جاتا ہے۔ وہ لمبے لمبے کھجور جن کے گابھے پکے اور تہ بتہ ہوتے ہیں بندوں کی روزی کے لئے۔ اور اس بارش سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کر دیا۔ اسی قانون کے مطابق تمہارا روحانی خروج و ظہور ہے"

چنانچہ امتِ محمدیہ کو خطاب کرکے فرماتا ہے کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تم وہ بہترین قوم ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ امت محمدیہ کا خروج زمین کی قبروں سے نہیں ہوا۔ البتہ ضلالت و پستی کی قبروں سے نکلنا ظاہر و مسلم ہے۔

پھر اسی سورۂ ق میں آنے والے منادی الٰہی کے ظہور کی بشارت دے کر تاکیداً فرماتا ہے:۔

واستمع یوم ینادِ المنادِ من مکانٍ قریبٍ یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذٰلک یوم الخروج ۰

خوب متوجہ ہو کر سننا۔ جب منادی الٰہی قریب مقام (ایران و عراق عرب و شام) سے ندائے حق بلند کریگا جب لوگ آوازِ حق سنیں گے۔ وہی دن خروج و ظہور

کا ہوگا۔

انا نحن نحی و نمیت والینا المصیر۔ یقیناً ہم اپنے دور اسلام میں حیات دے رہے ہیں اور پھر موت دینگے اور پھر ہماری جانب بار دیگر رجوع و توجہ کرنا ہوگا۔

یوم تشقق الارض عنہم سراعاً جس دن کہ تیزی سے مادیت و پستی کی زمین پھٹ کر لوگ باہر نکل آئیں گے۔ ذالک حشر علینا یسیر۔ امت کو پہلے مقاسم سے نکال کر نیا اجتماع فراہم کرنا ہمارا معمولی کام ہے۔

اسی حقیقت کو سورۃ الفجر میں بیان فرمایا ہے۔ کہ تم لوگ یتیموں مسکینوں کی پرواہ نہ کرو گے۔ اپنے بزرگوں کی دولت و میراث کو ہپ ہپ کھا جاؤ گے۔ اور مال سے نہایت گہری محبت کرو گے۔ اس پر فرماتا ہے:۔

کلا اذا دکت الارض دکاً دکاً وجاء ربک والملک صفاً صفاً

خبردار۔ ہوشیار۔ وہ وقت آنے گا۔ جب زمین قلوب نرم اور ہموار کردی جائے گی۔ اور نیرا رب (تربیت کنندہ) آئے گا۔ فرشتے اور پاکباز انسان قطار قطار آئیں گے۔

اسی بات کو سورۃ قمر میں یوں فرمایا ہے۔

یوم یدع الداع الی شیء نکر خشعاً ابصارھم یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع یقول الکفرون ھذا یوم عسر ہ	جس دن داعی الٰہی ایک نہ پہچانی ہوئی چیز کی طرف بلائیگا۔ لوگوں کی نظریں جھکی ہوئی ہونگی وہ اپنی پستی کے گڑھوں سے ٹڈیوں کی مانند نکلیں گے۔ داعی الٰہی کی طرف لپکتے ہوئے منکر

کہیں سے یہ سخت برا زمانہ ہے۔

انہی حقائق کو سورۃ الحاقہ میں بیان فرماتا ہے۔

انا لما طغی الماء حملنٰکم فی الجاریۃ۔ لنجعلہا لکم تذکرۃ و تعیہا اذن واعیۃ۔

ہم وہ ہیں کہ جب زندگی میں پانی کی طغیانی آتی ہے تو ہم تمہیں اٹھا کر چلتی ہوئی کشتی میں بٹھا دیتے ہیں تاکہ تمہارے اور ہر گوش شنوا کیلئے تذکرہ عبرت بنائیں

جیسا کہ عرب میں ضلالت کی طغیانی کے وقت تمہیں کشتی اسلام میں بٹھا دیا۔ وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون (سورۃ یٰسین) اہل عرب کیلئے یہ ایک نشان ہے۔ کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری کشتی میں سوار کیا۔ اس سے مراد یقینی طور پر کشتی اسلام ہے۔

یہ قانون الٰہی ہے کہ ہر طغیانی ضلالت کے وقت وہ کشتی نجات بھیجتا ہے۔ اسی قانون کے مطابق موعود اسلام کا ظہور مقدر تھا۔ چنانچہ ظہور موعود کے بارے میں آیت کے ساتھ ہی ارشاد فرماتا ہے۔ کہ جب صور پھونکا جائے گا۔ اور چھوٹے بڑے سب ہموار کر دیئے جائیں گے۔ تب آسمان شریعت اسلام شق ہو کر کمزور ہو جائے گا۔ اور فرشتے اس کے درمیان سے ہٹ کر کناروں پر آ جائیں گے۔ اور اس دن اقتدار الٰہی کے عرش کو اٹھانے والے آٹھ ہوں گے۔ پہلے سات شریعتوں کے حامل اقتدار الٰہی کے عرش کو اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ ظہور موعود کے دن آٹھواں حامل عرش ظاہر ہو گا۔ تب ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سات حاملین عرش یعنی سات شرائع الٰہیہ کے لانے والے پیغمبر تھے۔ حضرت سید علی محمد باب آٹھویں ہوئے۔ پہلے سبع سموات سبع طرائق

یعنی سات شریعتیں تھیں۔ حضرت باب کے ظہور سے آٹھ ہو گئیں۔ یہی قیامت کا دن تھا۔ جبکہ لوگ حضور خداوندی میں بلا لئے گئے۔

آیت مبارکہ فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال فدکتا دکّۃ واحدۃ کے معنی لغت عربیہ کے ماتحت ہم دسمبر [illegible]ء کے پیغام میں لکھ چکے ہیں جو یہ ہیں:۔

جب ایک بار صور پھونکا جائے گا اور مٹی اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے لادے جائیں گے۔ تو دونوں کو ٹکڑے کر کے یکساں ہموار کر دیئے جائیں گے۔ نرم و خوش آیند بنا دیئے جائیں گے۔ اور ان پر آدمیوں کی آبادی زیادہ ہو جائیگی۔ دوسرے پہلو سے یہ معنی ہوئے۔ کہ جب ماتحت لوگ اور سرداران قوم اپنی اپنی جگہ سے اٹھائے جائینگے احکام شریعت سابقہ زائل ہو جائیں گے (چنانچہ یہ واقعات آج کل دنیا کی نظر کے سامنے ہیں)

اب ہم اس سے آگے کی آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔

فیومئذ وقعت الواقعۃ وانشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ والملک علی ارجائھا ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ یومئذ تعرضون لا تخفی منکم خافیۃ

(پ ۲۹ الحاقۃ ع ۱)

سو اس دن موعود واقعہ ظاہر ہوگا اور آسمان شریعت اسلام شق ہو جائیگا۔ تو اس دن اس کی بندش ڈھیلی ہو جائیگی۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہو جائیں گے۔ اور چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے اور اس دن تیرے رب کے عرش اقتدار کو اٹھانے والے آٹھ ہونگے اسی دن تم پیش کئے جاؤ گے تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔

"وھی" کے معنی جس سے لفظ واھیۃ نکلا ہے لغت عربیہ میں کل شئے

استرخی ڈ باطل (مفردات راغب) کسی چیز کی بندش کا ڈھیلا ہو جانا۔
"عرض" جس سے تعرضون صیغۂ مجہول ہے۔ اس کے متعلق لغت میں لکھا ہے۔ "عرض الرجل بصیغۃ المجہول جن" (محیط المحیط) عُرِضَ صیغۂ مجہول سے جب ہوتا ہے۔ تو اس کے معنی ہوتے ہیں آدمی دیوانہ ہو گیا۔ اردو میں بھی عارضہ اور عوارض؛ جسمانی بیماری اور دل ودماغ کی بیماریوں کو بھی کہتے ہیں۔ تعرضون صیغۂ مجہول ہے۔ لغت ومحاورۂ عرب کے مطابق اس کے یہ معنی بھی ہوئے۔ کہ اس دن تم دیوانے ہو جاؤ گے۔ فہم حقیقت سے بے بہرہ ہو جانا ہی دیوانگی ہے بالفاظ دیگر حقائق واعمال سے خالی ہو کر دین کے نام سے تعصب اور لڑائی جھگڑے میں جوش وخروش دکھانا یقیناً "مذہبی دیوانگی" ہے۔ سورۂ قمر میں خداوند عالم فرماتا ہے
ان المجرمین فی ضلال و سعر بیشک مجرم گمراہی اور دیوانگی میں ہیں۔
حضور خداوندی میں پیش ہونا بھی عرض کے معنی ہیں جو مظہر الٰہی یعنی پیغمبر کے اور خدا کے امر کے سامنے پیش ہونے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں تک کلمہ کی جامعیت ہے دونوں باتیں مراد ہیں۔
سورۂ رحمٰن میں خداوند عالم فرماتا ہے فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان۔
وردۃ کے معنی ہیں ہلاکت۔ "وردۃ بالفتح ھلاکی یقال وقع فی وردۃ ای ھلکۃ (منتہی الارب)
وقع فی وردۃ کے معنی ہیں کہ وہ ہلاکت میں پڑ گیا۔
"دھان"۔ الطریق الاملس (لسان العرب) دھان کے معنی ہیں چکنا

راستہ جس پر چلنے والے کے پاؤں پھسل جاتے ہیں۔
آیتِ مبارکہ کے معنی یہ ہوئے کہ جب آسمانِ شریعت اسلام شق ہو جائیگا۔ تو وہ اس وقت زندگی کا باعث نہ رہے گا۔ بلکہ ایسا راستہ ہو کر رہ جائے گا جس پر چلنے والے پھسل پھسل کر گرتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔
نگاہِ بصیرت کے سامنے تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کا پھسل پھسل کر گرنا ایک واقعہ ہے۔ جس پر روز و شب کا ماتم کیا جا رہا ہے۔

اِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ

فاذا النجوم طمست واذا السماء فرجت واذا الجبال نسفت واذا الرسل اقتت۔ لای یوم اجلت۔ لیوم الفصل وما ادراک ما یوم الفصل ویل یومئذ للمکذبین۔ الم نهلک الاولین ثم نتبعهم الآخرین کذلک نفعل بالمجرمین ویل یومئذ للمکذبین (پ ۲۹ مرسلات ع ۱)

جب ستارے علمائے امت بے نور و بے اثر ہو جائیں گے اور آسمانِ شریعت اسلام پھٹ جائے گا۔ جب بڑے بڑے لوگ اپنی جگہ سے گرا دیئے جائیں گے، اور جب پیغامبر اپنے مقررہ وقت پر لائے جائیں گے یہ واقعات کس دن کے لئے مقرر کئے گئے ہیں یوم الفصل کے لئے۔ اور تم کیا سمجھے یوم الفصل کیا ہے؟ وہ دن ہے جس دن حق و صداقت کے جھٹلانے والوں

کو ہلاکت و بربادی پیش آتی ہے۔ کیا ہم نے پہلے مکذبین کو ہلاک نہیں کیا؟ یقیناً ہلاک کیا ہے۔ پھر ہم انھیں پہلوں کے پیچھے آخری زمانہ کے مکذبوں کو بھی لگا دیں گے۔ اس وقت حق و صداقت کے جھٹلانے والوں کو ہلاکت و بربادی پیش آئے گی۔

اس آیت مبارکہ میں کتنی تصریح ہے کہ یوم الفصل میں آخری زمانہ کے مکذبین کو ہلاکت ہوگی۔ جیسے پہلے مکذبین کو پچھلے زمانوں میں ہلاکت پیش آ چکی ہے۔ یہ دنیا میں ہی قومی ہلاکت نہیں تو کیا ہے؟

"اذا السماء انفطرت"

اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت واذا البحار فجرت واذا القبور بعثرت علمت نفس ما قدمت واخرت (پ الانفطار)

جب آسمان شریعت اسلام پھٹ جائیگا اور ستارے علماء بکھر جائینگے۔ جب سمندروں میں راستے ہو جائیں گے۔ جب مرے ہوئے دلوں کی قبریں کھولی جائیں گی۔ تب آدمی جان لیگا۔ کہ اس نے کیا آگے کے لئے تیار کیا ہے اور کیا پیچھے ڈال دیا ہے۔

لفظ انفطار کے متعلق یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فطر سے ہے۔ جس کے معنی بنانے کے ہیں۔ "فطر السمٰوٰت و الارض" بلندیوں اور پستیوں کو بنایا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا خدا کی ایجاد خلق جس پر لوگوں کو بنایا ہے

مفردات راغب میں لکھتے ہیں. و یصح ان یکون الانفطار فی قولہ السماء منفطر بہ اشارۃ الی قبول ما ابدعہ وافاضہ علینا منہ۔ آیت السماء منفطر بہ میں یہ معنی بھی درست ہیں کہ خدا نے سماء کو بنایا اور اس کے ذریعے ہمیں فیض پہنچایا۔ اس بناء پر اذا السماء انفطرت کے معنی یہ بھی صحیح ہیں کہ جب آسمان بن جائیگا۔ یہ شریعت جدیدہ کے آسمان بنانے کی خوشخبری ہوئی۔ نثر کے معنی نشر بھی ہیں۔ تو اذا الکواکب انتثرت کے معنی ہوئے جب ستارے یعنی علمائے حق دنیا میں پھیل جائیں گے۔ چنانچہ آج دورِ بہائی میں یہ وعدہ جلوہ گر ہو رہا ہے الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ۔

حقیقت و مجاز

قواعد مسلّمہ

عرفِ عام اور عرفِ خاص | لغت یعنی زبان و اصطلاح دو قسم کی ہوتی ہے (۱) لغتِ عامہ (۲) لغتِ خاصہ۔

لغتِ عامہ وہ ہے جو روزمرہ عام طور پر سب لوگ بولتے ہیں۔ لغتِ خاصہ وہ ہے جسے کسی خاص جماعت نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے مقرر کیا ہو۔ اور اپنے دائرے میں استعمال کرتی ہو۔ جیسے صرف و نحو، منطق و فلسفہ و طب ڈاکٹری

وغیرہ دینیہ علوم و فنون کی معینہ اصطلاحات ۔

لغتِ عامّہ کو "عُرفِ عام" اور لغتِ خاصّہ کو "عُرفِ خاص" بھی کہتے ہیں۔ مختلف علوم و فنون سے تعلق رکھنے والے عرفِ خاص بہت سے ہیں۔

عُرفِ شرع } ازانجملہ ایک نہایت اہم عرف ہمارے سامنے عرفِ شرع ہے۔ یعنی دینی اصطلاح یا مذہبی کتابوں کے وہ الفاظ جو پیغمبروں نے اپنے نقطۂ نظر سے کسی مفہوم کے لئے استعمال کئے ہیں۔ وہ لغتِ عامہ کے لیتے ہوئے دینی نقطۂ خیال سے مخصوص مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں۔[۱]

مثلاً الفاظِ صلوٰۃ۔ صوم۔ زکوٰۃ۔ حج کے لغوی حقیقی معانی دعا۔ بندش۔ پاکیزگی۔ قصد ہیں۔ مگر قرآن مجید نے چونکہ ان افعال کی تشریح خود کردی ہے۔ اس لئے مطلق لفظی معنی مراد لینا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ شرعی نقطۂ نظر سے حقیقی معانی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃِ مال۔ حجِ بیت اللہ مقصود ہیں۔

حقیقت و مجاز } جس اصطلاح کے دائرے میں گفتگو ہو رہی ہو۔ اسی کے مطابق موضوعِ اصلی میں کسی کلمہ کا استعمال کرنا حقیقت ہے جیسے لفظ صلوٰۃ شریعت کی مقرر کردہ نماز کے معنی میں استعمال ہو۔ تو یہ حقیقتِ شرعیہ کہلاتی ہے۔ یہی لفظِ صلوٰۃ اگر دائرۂ لغتِ عام میں صرف دعا کے معنی میں استعمال ہو۔ تو اسے حقیقتِ لغویہ کہتے ہیں۔ لیکن شریعت میں گفتگو کرنے والا لفظِ صلوٰۃ کو دعا کے معنی میں استعمال کریگا۔ تو یہ استعمال "مجاز" ہوگا۔ کیونکہ اس نے اصل موضوع سے ہٹا کر استعمال کیا ہے۔ اگرچہ لغت کے نقطۂ نظر سے صلوٰۃ کا استعمال دعا کے معنی میں حقیقت ہے۔ چنانچہ لفظِ صلوٰۃ خود قرآن مجید میں جہاں بکثرت نماز

بحث حقیقت و مجاز

کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ وہاں معنی دعا کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔

متکلم کے نقطۂ خیال کی بناء پر حقیقت و مجاز بدل جاتے ہیں } جو بات ایک شخص کے قول میں حقیقت ہے۔ وہی بات اختلاف نقطۂ خیال کی وجہ سے دوسرے شخص کے قول میں مجاز ہے۔ مثلاً دہریا کہتا ہے "انبت الربیع البقل" موسم بہار نے سبزہ اگا دیا" دہریہ کہ نقطۂ خیال میں بہار کا سبزہ اگانا ایک حقیقت" ہے نہ کہ مجاز۔ کیونکہ دہریہ کے انتقاد میں مؤثر حقیقی زمانہ ہی ہے۔ لیکن یہی بات اگر ایک خدا پرست کے منہ سے نکلے تو کلام مجاز پر محمول ہوگا۔ کیونکہ خدا پرست کے نزدیک سبزے کا اگانا حقیقی طور پر خدا کا کام ہے۔ موسم بہار کی طرف نسبت مجازی ہے۔

حقیقت مقدم ہے } ہر دائرہ لغت جس میں گفتگو ہو رہی ہو۔ اس کے نقطۂ خیال سے جو حقیقت ہوگی اس سلسلہ کلام میں وہی حقیقت مقدم رکھنی چاہئے۔ پہلے لفظ کے حقیقی معنیٰ مراد لینے کی کوشش کرنی چاہیے جب حقیقی معنیٰ ممکن نہ ہوں۔ تب مجازی معنیٰ لئے جا سکیں۔

حقیقت و مجاز کے اصول مسلمہ کا خلاصہ

(۱) لفظ کا اپنے موضوع اصلی میں استعمال کرنا حقیقت ہے۔ اور اس سے تجاوز کر کے استعمال کرنا مجاز ہے۔

(۲) ہر عرف عام اور ہر عرف خاص میں حقیقت و مجاز خاص خاص نقطۂ نظر سے

اپنے اپنے دائرے میں الگ الگ ہوتے ہیں۔

(۳) ایک لفظ ایک عرف میں حقیقت اور دوسرے میں مجاز ہو سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی۔

(۴) ایک متکلم کے نقطۂ خیال سے ایک حقیقت ہے دوسرے متکلم کے اعتقاد پر نظر کر کے وہی مجاز ہے۔

(۵) پیغمبروں کے کلام میں انہیں کے نقطۂ نظر سے حقیقت و مجاز ہوتے ہیں

(۶) ہر عرف میں گفتگو کرنے ہوئے اُس کے نقطۂ نظر سے جو حقیقت ہے وہ مقدم ہو گی۔ جب وہ مراد نہ ہو سکے تو مجاز اختیار کیا جائے گا۔

(۷) دینی کتاب نے کسی لفظ کے لغوی معنیٰ پر اضافہ کر کے جو روحانی مفہوم پیدا کیا ہے۔ وہ حقیقت ہے۔ جو اُس نے مقرر کی ہے۔ وہی اوّل مدِ نظر رکھنی چاہیے۔ جب وہ ممکن نہ ہو سکے۔ تو پھر حقیقت و مجاز لغوی جو وہاں درست ہو اختیار کیا جائے۔

حقیقت و مجاز اور قرآن کریم

آیاتِ قرآن مجید میں حقیقت بھی ہے مجاز بھی ہے۔ کہیں پر صرف حقیقتِ لغوی ہے اور کہیں پر صرف حقیقتِ شرعی ہے۔ جن آیات میں حقیقتِ لغوی اور حقیقتِ شرعی دونوں جمع ہیں۔ وہاں دونوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ دونوں کے ملحوظ رکھنے سے تفسیر جامع ہوتی ہے۔ اور ظاہر و باطن

دونوں پہلوؤں سے حقائق منکشف و نمودار ہوتے ہیں۔

اب ہم چند اُن حقیقتوں کا ذکر کرتے ہیں جو پیغمبرانہ نقطۂ خیال کی بناء پر قرآن مجید میں مقرر ہیں۔ تاکہ ہر ایک جویائے حق کے لئے یہ مضمون مشعلِ نور ہے۔

"خلق" کا مفہوم حقیقی } لغت عام مادی پیدائش کو خلق کہتی ہے۔ کلامِ الٰہی اس سے بڑھ کر اپنے نصب العین کے مطابق روحانی پیدائش کو "خلق" کہتا ہے۔ سورہ صافات میں فرماتا ہے کہ کیا یہ اہلِ کفر پیدائش میں زیادہ مضبوط ہیں یا وہ جنہیں ہم نے خلق کیا ہے[۱] (یعنی اہلِ ایمان) یہاں صرف اہلِ ایمان کو خلقِ الٰہی ٹھہرایا ہے۔ یہ روحانی نقطۂ نظر سے خلق کی حقیقتِ شرعی ہے۔ کیونکہ خلق کی اصل حقیقت روحانی مؤمن میں ہی ہے۔

حیات کا حقیقی مفہوم } عرفِ عام میں مرنا جینا صرف ظاہری مرنا جینا ہے مگر کلامِ الٰہی اس سے بڑھ کر کمالاتِ انسانیت کی روح یعنی ایمان و عمل صالح سے انسان کی حیاتِ اصلی بتاتا ہے اور جو آدمی ایمان و عمل صالح سے خالی ہے اُسے مردہ ٹھہراتا ہے۔ ارشاد ہے کہ مسلمانو اللہ رسول کی مانو جبکہ وہ تمہیں زندگی بخش چیز کی طرف بلاتا ہے[۲]۔ اور وہ جو مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کر دیا۔ اور اُسے ایک روشنی دی۔ جسے وہ لوگوں میں لئے پھرتا ہے[۳] اور فرمایا جسے مرنا ہے دلیل سے مرے اور جسے جینا ہے دلیل سے جیئے[۴]" لسانِ قرآن کی یہ ایک حقیقت ہے۔ جو اس کے نصب العین کی بناء پر مقصود اصلی ہے چنانچہ واقعات میں اُس نے ایک صحیح اور اصلی معنٰی میں "زندہ قوم" پیدا کر دی تھی۔

صحت و مرضِ روحانی } طب و ڈاکٹری جسمانی بیماریوں کا علاج کرتی ہیں۔ کلام

---

[۱] أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا

[۲] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

[۳] أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ

[۴] لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

الٰہی انسان کو صحت جسمانی قائم رکھنے کا حکم دیتے ہوئے روحانی صحت کو مقصدِ اعظم ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے کہ عقائد و اعمال اور قلب و روح کی صحت ہی انسان کی حقیقی صحت ہے۔ اور کلام الٰہی انسان کی باطنی بیماریوں کے لئے شفا ہے[1] روحانی امراض جو بد اخلاقی اور بد اعمالی کی شکل میں افراد اور جماعتوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ واقعی حقیقت رکھتے ہیں۔ اور اُن کا علاج الٰہی تعلیم ہی ہے۔ یہ بات شاعری نہیں حقیقت اصلیہ ہے۔ ایسے الفاظ دینی و روحانی پہلو سے حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔

دل کا حقیقی مفہوم } گوشت کا ٹکڑا دل تو ہر انسان و حیوان میں ہے قرآن اپنے روحانی نقطۂ نظر سے دِل صرف اُسے کہتا ہے، جو کلامِ حق کو قبول کرتا ہے[2] یہ کلام الٰہی کی ایک معینہ حقیقت ہے۔ جیسے وہ خود بتا چکا ہے۔

سمع و بصر کے حقیقی معنیٰ } کان اور عرفِ عام میں صرف ظاہری کان اور آنکھ ہیں۔ کلامِ الٰہی اپنے دائرۂ حقیقت میں فرمانِ حق سننے اور ظہوراتِ حق دیکھنے والی قوت کو سمع و بصر کہتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں جو نورِ حق کو نہیں دیکھتا "اعمیٰ" ہے۔ جو کلامِ حق نہیں سنتا "اصم" ہے۔ جو حق بات نہیں بولتا "ابکم" ہے۔ منکرِ حق بہرے گونگے اندھے ہیں[3] اپنی اصطلاح حقیقی کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ بات یہ ہے آنکھیں اندھی نہیں، پر سینوں میں دل اندھے ہیں[4] زبانِ قرآن کی اپنی بیان کردہ حقیقتوں میں سے یہ بھی ایک حقیقت ہے نہ کہ مجاز۔

[1] ونُنزّل من القرآن ما هو شفاءٌ، شفاءٌ لما فی الصدور
[2] انّ فی ذٰلك لذکریٰ لمن کان له قلب
[3] صمٌّ بکمٌ عمیٌ فهم لا یرجعون
[4] فانّها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

حجابِ مستور خداوندِ عالم فرماتا ہے۔ ہم نے ان کے آگے پیچھے دیوار کھڑی کر دی ہے۔ ہم نے انہیں گھیر لیا ہے۔ اب انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔ جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور منکرینِ آخرت کے درمیان ایک حجابِ مستور کر دیتے ہیں۔ "حجابِ مستور" کہہ کر اپنی اصطلاح کو ظاہر فرما دیا کہ یہ حجاب باطنی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے نہ کہ مجاز۔

سماءِ حقیقت سماء لغتِ عامہ میں ہر بلند چیز کو کہتے ہیں۔ زبانِ قرآن میں روحانی بلندی اور انسان کا مدارِ رفعت یعنی دین سماء کا حقیقی مفہوم ہے۔

ارضِ حقیقی عوام کرۂ خاک کو ارض کہتے ہیں۔ لفظ ارض کے لغوی معنی ہیں "ہر نیچی چیز" اور بساط۔ کلامِ الٰہی میں ارض کا حقیقی مفہوم ہے بساطِ قلوب جو آسمانِ دین کے زیرِ سایہ ہے یا کسی مقام پر روحانی پستی جو روحانی بلندی ضائع ہونے پر ملتی ہے۔ جو منکرینِ حق کا حصہ ہے۔

جبال کا مفہومِ دینی عوام "جبال" زمین کے پہاڑوں کو کہتے ہیں۔ قرآن اپنے دائرۂ نظام کی نظر سے راسخ القلب اور حق پر مستقیم انسانوں کو جبال کہتا ہے۔ نیز احکامِ شریعت بھی جبال کے مصداق ہیں یہ بھی زبانِ قرآن میں ایک حقیقت ہے نہ کہ مجاز۔

شمس و قمر و نجوم سورج۔ چاند۔ ستارے۔ عرفِ عام میں ظاہری کواکب ہیں۔ روحانی نقطۂ نظر سے شمسِ حق پیغمبر۔ قمر پیغمبر کا نائبِ پیغمبر۔ نجوم روحانی اولیاء علماء قواعدِ مسلّمہ حقیقت و مجاز کے لحاظ سے یہ اطلاقات

وجعلنا من بین ایدیھم سدًا و من خلفھم سدًا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون۔ واذا قرأت القرآن جعلنا بینک و بین الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ حجابًا مستورًا۔ اعلموا ان اللّٰہ یحیی الارض بعد موتھا۔ ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض۔ ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔ وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال

دائرۂ لغتِ عامہ میں مجاز کہلاتے ہیں۔ مگر دینی و روحانی دائرۂ کلام میں حقیقتیں ہیں نہ کہ مجاز۔

آخری نتیجہ مذکورہ بالا اصول و حقائق کی روشنی میں عیاں ہو گیا۔ کہ اہلِ بہائی مسئلۂ قیامت کے سلسلہ میں کلام الٰہی کے جو معانی کرتے ہیں وہ لغتِ عام کے نقطۂ نظر سے ایک طرح حقیقت اور ایک طرح مجاز ہیں اور جو لغتِ عام سے آگے روحانی پہلو کے معانی ہیں۔ وہ دینی نقطۂ خیال سے زبان قرآن کے دائرے میں قواعد مسلّمہ کی رو سے حقیقی معانی ہیں۔ اسی بنا پر قیامت کے متعلق اہلِ بہائی کا خیال حقیقت پر مبنی ہے۔
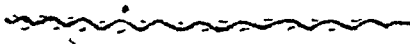
"قیامت کتاب مقدس اور قرآن مجید میں" "قیامت اور انجیل"

قیامت، کتابِ مقدس اور قرآنِ کریم میں

مسئلہ قیامت کے متعلق ہم مختلف پہلوؤں سے بحث کر چکے ہیں آج ہم اس مسئلہ پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالتے ہیں۔

خدا قرآن مجید کے متعلق فرماتا ہے تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل الکتٰب (یوسف) یہ کتاب اپنے سے پہلی کتابوں (تورات انجیل وغیرہ) کی تصدیق اور تفصیل ہے۔

اس نقطۂ نظر سے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ قیامت کے متعلق تورات و انجیل میں کیا بیانات ہیں۔ اور قرآن مجید ان کی تصدیق کس طرح کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کو جب شریعت دی گئی۔ تو حضرت موسیٰ نے نہایت تفصیل سے ان کو بتایا کہ اگر ان تمام احکام پر چلو گے۔ تو زندگی اور برکت پاؤ گے۔ اور اگر خلاف ورزی کرو گے۔ تو موت اور لعنت میں گرفتار رہو گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

دیکھ میں نے آج کے دن زندگی اور نیکی کو اور موت اور بدی کو تیرے آگے رکھا"۔۔۔ میں نے زندگی اور موت اور برکت و لعنت تمہارے سامنے رکھی، پس تم زندگی کو پسند کرو"۔

لیکن بنی اسرائیل اپنے زندگی کے دور سے گزر کر آخر ہلاکت میں مبتلا ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے شریعتِ الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ اور وہ تمام دنیا میں

تتر بتر کر دیئے گئے جس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کو یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ تم اپنی اس موت کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے۔ چنانچہ چند آیات اس مضمون کی درج ذیل ہیں۔

اٹھ کھڑا ہونا یا قیامت خداوند عالم یسعیاہ نبی کی معرفت بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرماتا ہے:۔

"تیرے مردے جی اٹھیں گے" اُن کی لاشیں اٹھ کھڑی ہونگی۔ تم جو خاک میں جا بسے ہو جاگو اور گاؤ۔ کیونکہ تیری اوس اُس اوس کی مانند ہے جو نباتات پر پڑتی ہے اور زمین مردوں کو جنم ڈالیگی۔ یسعیاہ باب ۲۶"

"آؤ ہم خداوند کی طرف پھریں۔ کیونکہ اُس نے ہمیں پھاڑا ہے۔ وہی ہمیں چنگا کریگا۔ اُس نے مارا ہے۔ وہی ہمارا زخم باندھیگا۔ وہ ہم کو اٹھا کھڑا کریگا اور ہم اُس کے حضور میں زندہ رہینگے (ہوسیع باب ۶)

یہ مذکورہ بالا مضمون قرآن مجید کی ان آیات سے بالکل ملتا ہے جن میں مردوں کو جِلانے اور اٹھا کھڑا کرنے کا ذکر ہے مثلاً یہ آیت

کنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (سورۃ بقر) | تم مردہ تھے اُس نے تمہیں جِلایا۔ پھر تم کو مار ڈالیگا۔ پھر تم اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت میں صاف طور پر رسول کریمؐ اپنے مخاطبین کو فرماتے ہیں۔ کہ تم مردہ تھے اور جلائے گئے ہو

ایک اور آیت میں فرماتا ہے:۔

قل اللّٰہ یحییکم ثم یمیتکم (سورۃ روم) کہ خدا تم کو زندہ کریگا پھر تم کو مار ڈالیگا۔

قبروں سے نکالنا خداوند تعالےٰ حزقیل نبیؑ کی معرفت فرماتا ہے "اور میں تم کو قبروں سے باہر نکالوں گا اور اسرائیل کی سرزمین میں لاؤں گا۔ حزقیل باب ۳۷۔" "جتنے قبروں میں ہیں اس کی آواز سنیں گے۔ جنہوں نے نیکی کی ہے۔ زندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں نے بدی کی ہے سزا کی قیامت کے واسطے۔ (یوحنا باب ۵)"

قرآن مجید میں اسی بات کو یوں ذکر فرمایا ہے :۔

وانّ اللّٰہ یبعث من فی القبور (سورۂ حج) خدا اُن کو جو قبروں میں ہیں اٹھائے گا۔

اور فرماتا ہے کہ :۔

والموتٰی یبعثھم اللّٰہ (الانعام) اور خدا مردوں کو برپا کریگا۔

اور اسی قسم کی بہت سی آیت قرآن مجید میں ہیں۔ جو تورات و انجیل کی آیات مذکورہ بالا کے ہم معنی اور ہم مقصد ہیں۔ اگر تورات و انجیل اور قرآن مجید کو ملا کر پڑھا جائے۔ تو مقصد خداوندی نہایت وضاحت سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

سوکھی ہڈیوں میں جان خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا۔ اور اُس نے مجھے خداوند کی روح میں اٹھالیا۔ اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اُتار دیا۔ دیکھو وہ نہایت سوکھی تھیں اور اُس نے مجھے کہا۔ اے آدم زاد کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں ؟ .... ان سے کہدو کہ اے سوکھی ہڈیو! خداوند کا کلام سنو ...... دیکھو میں تمہارے اندر روح ڈالوں گا۔ اور تم جیو گے ..... سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور جب

میں نبوت کرتا تھا۔ تو ایک شور ہؤا۔ اور دیکھ ایک جنبش ہوئی اور ہڈیاں آپس میں مل گئیں...... نسیں اور گوشت ان پر چڑھ آئے...... ان میں روح آئی۔ اور وہ جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔

تب اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد! یہ ہڈیاں سارے اہل اسرائیل ہیں۔ دیکھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے۔ اس لئے تو نبوت کر اور ان سے کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے۔ کہ دیکھ اے میرے لوگ میں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تمہیں تمہاری قبروں سے باہر نکالوں گا۔ اور اسرائیل کی سرزمین میں لاؤں گا...... میں اپنی روح تم میں ڈالوں گا۔ اور تم جیو گے اور میں تم کو تمہاری سرزمین میں بساؤں گا۔ تب تم جانو گے کہ مجھ خداوند نے کہا اور پورا کیا۔ خداوند فرماتا ہے (حزقیل ۳۷)

یہ مضمون جو آیت مذکورہ بالا میں بیان ہؤا ہے بالکل وہی ہے۔ جو سورۂ یٰسین کی ان آیات میں بیان فرمایا ہے:۔

قال من یحی العظام و ھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ (سورۂ یٰسین)	وہ انسان کہتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ کہہ وہی جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا

اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کی پکار اور خدا ئے تعالیٰ کا جواب جو حزقیل نبی کی کتاب میں مذکور ہے نہایت جامع طور پر مختصر الفاظ میں سب کا سب بیان کر دیا گیا ہے۔

قوموں کی عدالت } قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ :-

ان الّذین اٰمنوا والّذین ھادوا والصّابئین والنّصٰرٰی والمجوس والّذین اشرکوا ان اللّٰہ یفصل بینھم یوم القیٰمۃ (سورۂ حج)	مسلمانوں - یہودیوں - صابیوں - عیسائیوں - زرتشتیوں اور بُت پرستوں کے درمیان خدا قیامت کے دن فیصلہ اور عدالت فرمائے گا -

اس آیتِ مبارکہ میں واضح طور پر اہلِ مذاہب کے نام سے کر اُن میں عدالت کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے مطابق کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ اے خدا تو راستی سے لوگوں کی عدالت کریگا۔ اور زمین پر اُمتوں کی ہدایت فرمائیگا (زبور ۶۷)

"وہ آتا ہے۔ وہ زمین کی عدالت کرنے آتا ہے۔ وہ صداقت سے جہان کی اور اپنی سچائی سے لوگوں کی عدالت کریگا۔ (زبور ۹۶)

وہ زمین کی عدالت کرنے آتا ہے۔ وہ صداقت سے دنیا کی اور راستی سے اُمتوں کی عدالت کریگا۔ (زبور ۹۸)

"ایک غوغا زمین کی سرحدوں تک پہنچا ہے کہ خداوند قوموں سے جھگڑیگا وہ سارے بشر کی عدالت کریگا۔ (یرمیاہ - ۲۵)

دانیال نبی اپنے رؤیا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"میں یہاں تک دیکھتا رہا۔ کہ کرسیاں رکھی گئیں۔ اور قدیم الایام بیٹھ گیا۔ اس کا لباس برف سا سفید تھا۔ اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اُون کی مانند..... ہزاروں ہزار اس کی خدمت میں حاضر تھے اور لاکھوں لاکھ اس

کے آگے کھڑے تھے۔ عدالت ہو رہی تھی اور کتابیں کھلی ہوئی تھیں (دانیال ۷)

حضرت مسیح آنے والے ظہور موعود کے بارے میں بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا۔ اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے۔ تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا۔ اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی"۔

خوب غور سے ملاحظہ کیجئے کہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ اور تورات و انجیل کی یہ آیات ایک ہی مقصد کو بیان کرتی ہیں۔ اگر ہم خدا کے کلام کے ایک حصے سے ہی دوسرے حصہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ تو مسائل کس قدر آسان ہو جائیں۔

قرآن مجید میں حالات یوم موعود بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:۔

یسئلونک عن الجبال فقل ینسفہا ربی نسفا فیذرہا قاعا صفصفا لا تری فیہا عوجا ولا امتا (طٰہٰ)	پہاڑوں کی نسبت تجھ سے پوچھتے ہیں ان سے کہدے کہ خدا ان کو ہموار کر کے ایسی صاف جگہ بنا دیگا جس میں کوئی کجی، ناہمواری اور پیچ نہ ہوگی۔

اس آیت مبارکہ میں مقصد حقیقی یہ ہے کہ ظہور حق کے راستہ میں جو رکاوٹیں خیالات و اوہام کی پہاڑ بن کر کھڑی ہوئی ہیں وہ سب اٹھا دی جائیں گی۔ اور راستہ صاف کر دیا جائیگا۔ چنانچہ یہی بات کتاب مقدس میں اس طرح وارد ہے:۔

"بیابان میں ایک منادی کرنے والے کی آواز تم خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خداوند کے لئے ایک سیدھی شاہراہ تیار کرو۔ ہر ایک نشیب

اونچا کیا جائے گا۔ اور ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ناہموار جگہیں ہموار کی جائینگی اور خداوند کا جلال آشکارا ہوگا۔ اور سب بشر اسے ایک ساتھ دیکھیں گے۔ کہ خداوند کے منہ نے یہ فرمایا ہے (یسعیاہ باب ۴۰) اور فرماتا ہے کہ

میں انہیں ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کر دوں گا (یسعیاہ باب ۴۲)

آسمان۔ چاند۔ سورج ؟ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب	یوم موعود میں ہم آسمان لپیٹ لینگے جس طرح کاغذ لپیٹ لئے جاتے ہیں۔

کتاب مقدس میں یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا ہے

آسمان کاغذ کی تاؤ کی مانند لپیٹے جائیں گے بلکہ ان کا سارا جھنجھایوں جھڑ جائے گا۔ جیسے کہ تاک سے انگور اور انجیر کے درختوں سے کھلایا ہوا پات جھڑ جاتا ہے کہ میری تلوار آسمان میں مست کرائی جائے گی۔ دیکھو وہ ان لوگوں پہ جن کو میں نے حرم کر دیا ہے۔ عدالت کرنے کو اترے گی یسعیاہ باب ۳۴

اے آسمانو! اوپر سے ٹپک پڑو۔ ہاں بدلیاں راستبازی کو برسائیں زمین کھل جائے اور نجات و صداقت سے پہلے "

قرآن مجید میں ہے۔

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین۔ آسمان اس دن سراسر دھواں ہو جائیگا۔

اسی کے مطابق یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا ہے۔ کہ میری سُن اے میری امت! میری طرف کان دھر اے میرے گروہ! کہ ایک شریعت مجھ سے رائج

ہوگی۔ اور میں اپنی شریعت کو قوموں کی روشنی کے لئے قائم کرونگا ...... اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاؤ اور نیچے زمین پر نگاہ کرو۔ کہ آسمان دھوئیں کی مانند غائب ہو جائیں گے۔ اور زمین کپڑے کی طرح پرانی ہو گی ...... پر میری نجات ابد تک رہیگی اور میری صداقت موقوف نہ کی جائیگی (یسعیاہ ۵۱)

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں تھا۔ سے عالم کے وقت ہونگی تو یہ بالکل درست نہیں۔ اور کتاب مقدس کی تعریحات کے قطعاً خلاف ہے۔ چنانچہ اسی قسم کی باتوں کا ذکر خدا تعالیٰ حزقیل نبی کی معرفت یوں فرماتا ہے۔

"چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون پر اور یروشلم میں اپنے برگزیدوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کریگا (یسعیاہ ۲۴)

اور قوم کی تباہی کے متعلق فرماتے ہوئے یوں فرماتا ہے :۔

جب میں تجھے بجھاؤنگا۔ تو آسمان کو ڈھانپونگا۔ اور اس کے ستاروں کو بے نور کرونگا۔ سورج کو بدلیوں تلے چھپاؤنگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا اور میں آسمان کے سارے روشن ستاروں کو تجھ پر تاریک کروں گا اور میری طرف سے زمین پر تاریکی چھا جائے گی۔ خداوند یہوواہ کہتا ہے (حزقیل ۳۲)

تب خداوند نے مجھے کہا میرے گروہ اسرائیل کی اجل آ پہنچی میں پھر ان سے درگذر نہ کروں گا۔ اور اُس دن میں قصر کے نغمے نوحے ہو جائیں گے ...... اور اُس دن میں یوں بھی ہوگا۔ خداوند یہوواہ فرماتا ہے کہ میں ایسا کر دوں گا۔ کہ

سورج دوپہر کے وقت غروب ہو جائیگا۔ اور میں روزِ روشن میں سرزمین کو اندھیرا کر دوں گا۔ میں تمہاری عیدوں کو ماتم سے اور تمہارے نغموں کو نوحے سے مبدل کروں گا۔ (عاموس باب ۸)

آسمان، سورج اور چاند ستاروں کا ذکر ایسے طرز میں کرتے ہوئے قومی ہلاکت کا وقت بیان کیا گیا ہے۔ اس کی شہادت ایک یہ بھی ہے کہ یسعیاہ نبی کی کتاب میں بابل کی تباہی کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے دیکھو خداوند کا دن آتا ہے جو غضب میں اور قہرِ شدید میں سخت درشت ہے۔ تاکہ ملک کو ویران کرے۔ اور گنہگاروں کو اس میں سے نیست و نابود کرے کہ آسمان کے ستارے اور کواکب روشنی نہ چمکائینگے اور سورج طلوع ہوتے ہوتے اندھیرا ہو جائے گا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ (یسعیاہ ۱۳)

اب ظاہر ہے کہ بابل کی تباہی کے وقت سورج چاند ستارے کب تاریک ہوئے۔ البتہ ہلاک ہونے والی قوم کے لئے یہ سب باتیں واقعی طور پر ہو گئیں کیونکہ جان نہیں تو جہان نہیں۔ سورج اور چاند کے اندھیرے ہو جانے کا ذکر خداوند نے یومِ عظیم کے ساتھ آتا ہے جس کے بعد خداوند یروشلم اور صیہون کے پہاڑ پر اپنے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ یوئیل نبی فرماتا ہے :۔

سورج اندھیرا اور چاند لہو ہو جائے گا۔ پیشتر اس کے کہ خداوند کا خوفناک اور بڑا دن آ پہنچے اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی خداوند کا نام لیگا وہ نجات پائیگا۔ کہ صیہون کے پہاڑ پر اور یروشلم میں جیسا کہ خداوند نے فرمایا ہے۔ ان باقی لوگوں کے ساتھ وہ جن کو خداوند بلائیگا۔ وہ جو چھڑائے ہوئے

ہیں۔ ہونگے"۔ (یوئیل ۲۸)

اور دیکھ انہی دنوں میں اور اسی وقت میں جب یہوواہ یروشلم کے امیروں کو پھیر لائیگا۔ تب ساری قوموں کو اکٹھا کروں گا۔ قومیں بیدار ہو جائیں اور یہوسفط کی وادی میں آئیں۔ کیونکہ میں وہاں جلوس کروں گا۔ تاکہ چاروں طرف کی قوموں کی عدالت کروں۔ گروہ پر گروہ انفصال کی وادی میں ہے کیونکہ خداوند کا دن انفصال کی وادی میں آپہنچا۔ سورج اور چاند اندھیرے ہو جائیں گے اور ستارے اپنی روشنی بخشنے سے باز آئیں گے۔ کیونکہ خداوند صیہون میں نعرہ ماریگا۔ اور یروشلم میں سے اپنی آواز بلند کریگا۔ اور آسمان زمین کانپیں گے لیکن خداوند اپنے لوگوں کی پناہ گاہ اور بنی اسرائیل کا محکم قلعہ ہے۔ سو تم جانو گے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ جو صیہون کے اپنے مقدس پہاڑ پر رہتا ہوں۔ (یوائیل ۳)

ایک اور عبارت جو سورج چاند کی تاریکی کے مقصد پر روشنی ڈالتی ہے وہ بھی ہے جو ایک نعرہ آور اور فتحمند قوم کی ظفر مندی کا ذکر کرتے ہوئے یوئیل نبیؐ نے یوں بیان کی ہے۔

اُن کے آگے آگے ایک آگ ہے جو کھا لیتی ہے اور ان کے پیچھے پیچھے ایک شعلہ جو جلاتا جاتا ہے اُن کے آگے زمین باغ عدن کے مانند ہے اور اُن کے پیچھے زمین ایک ویران بیابان ہے۔۔۔۔ وہ ایک نعرہ آور قوم کی طرح جو لڑائی کے لئے صف باندھتے ہیں مستعد ہیں۔ اُن کے روبرو لوگ تھرتھراتے ہیں ہاں سب چہروں کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ اُن کے آگے زمین کانپتی، آسمان تھرتھراتے

سورج اور چاند تاریک ہو جاتے ہیں۔ سارے ستارے اپنی روشنی دینے
سے باز آتے ہیں۔ اور خداوند اپنے لشکر کے آگے اپنی آواز سنائیگا (یوایل ۲ب)

قیامت اور انجیل

قیامت یہ ہے کہ خداوند قیوم ایک اپنے مظہر امر کو قائم کرتا ہے اور
اس کے ذریعے ایک نئی قوم و امت برپا ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنی السابقہ
ہی خرابیوں کے باعث مر چکے ہوں۔ وہ نئی روح اور زندگی پاتے ہیں۔ خدا
کی جانب سے امر جدید ظاہر ہوتا ہے۔ ندائے ربانی کا صور پھونکا جاتا ہے
پیغمبر اسرافیل وقت ہوتا ہے جو صور یا ناقور پھونکتا ہے۔ پرانی شریعت کے
آسمان و زمین بدل جاتے ہیں۔ نئے دین کا آسمان سروں پر چھا جاتا ہے
نئی قابلیتوں کی زمین پیدا ہو جاتی ہے۔ امتوں اور قوموں کے اعمال خدا کی
میزانِ عدل میں تولے جاتے ہیں۔ جن کے اعمال وزنی ہوتے ہیں انہیں کامیابی
کی جنت ملتی ہے۔ جن کے اعمال ہلکے اور بے مقدار ہوتے ہیں۔ وہ نامرادی
کی جہنم پاتے ہیں۔ ہر امت کو اس کی آسمانی کتاب سے ملزم کیا جاتا ہے
کچھ لوگ اصحٰب یمین ہوتے ہیں۔ وہ کتاب الٰہی کو سیدھے ہاتھ میں
لیتے ہیں۔ یعنی صحیح مقصد حاصل کرتے ہیں۔ وہ شادمانی د کامرانی پاتے
ہیں۔ اور جو لوگ اصحٰب الشمال ہوتے ہیں۔ کتاب الٰہی کو الٹے ہاتھ میں لیتے

ہیں۔ یعنی مقصدِ اصلی سے ہٹ جاتے ہیں وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ عدالت الٰہی قائم ہوتی ہے۔ جو لوگ خدا کی مرضی کے موافق نکلتے ہیں وہ ترقی و بلندی کی فردوس بریں میں پہنچ جاتے ہیں اور جو لوگ خدا کی مرضی کے خلاف نکلتے ہیں وہ اسفل السافلین اور قعرِ ہلاکت میں گر جاتے ہیں

یہ ہے حقیقی قیامت۔ جو ہر ایک پیغمبر شارع کے وقت میں ہوتی رہی۔ تمام انبیاء اور خاتم الانبیاء نے آئندہ ایک قیامت کبریٰ کی خبریں بڑی تفصیل سے دی تھیں۔ تمام قرآن مجید قیامت کبریٰ کی بشارتوں سے بھرا ہوا ہے۔

انجیل میں حضرت مسیح نے بھی صاف صاف فرمایا ہے۔ کہ پیغمبر کا ظہور قیامت ہے۔ چنانچہ اپنی نسبت فرماتے ہیں:۔

"قیامت اور زندگی تو میں ہوں۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ گو مر بھی جائے تو بھی زندہ رہیگا (یوحنا ۱۱)

اسی سلسلے میں فرماتے ہیں کہ میرے ذریعے قوموں کا محاسبہ ہو رہا ہے اور خدائی میزان عدل قائم ہے اور عدالت الٰہی برسرِ اجلاس ہے چنانچہ فرمایا:۔

"اب دنیا کی عدالت کی جاتی ہے" (یوحنا ۱۲)

قرآن مجید میں بھی خدا نے فرمایا ہے کہ خدا رسول تم کو زندگی دینے کے لئے بلاتے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا نے منکروں کو اُن کی بستیوں سے آغازِ حشر میں نکال دیا" (سورۂ حشر)

حضرت مسیح نے اپنے زمانے کی قیامت کے متعلق فرمایا۔ وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں۔ اس کی آواز سن کر نکلیں گے جنہوں نے

نے نیکی کی ہے۔ زندگی کی قیامت کے واسطے اور جنہوں نے بدی کی ہے سزا
کی قیامت کے واسطے۔ (یوحنا ۵)
میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو میرا کلام سنتا اور میرے بھیجنے والے
کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے اور اس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا
بلکہ وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہوگیا ہے۔ اور میں تم سے سچ سچ
کہتا ہوں کہ مُردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے اور جو سنینگے وہ جئیں گے (یوحنا ۵)

مقدس پولس رسول کہتا ہے :۔
"اُس نے تمہیں بھی زندہ کیا۔ جب اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب
مردہ تھے" "جب قصوروں کے سبب مردہ ہی تھے۔ تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ
کیا" (افسیوں ۲)
مقدس پولس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ یسوع اور قیامت کی خوشخبری
دیتا تھا" (اعمال ۱۷)

قیامت میں عدالت الٰہیہ کا طریق یہی ہے کہ پیغمبر وقت کے ذریعے فیصلے
سنائے جاتے ہیں۔
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ (قرآن مجید) ہر امت کا ایک رسول ہوتا ہے جب ان کا رسول آتا ہے۔ ان میں راستی سے فیصلہ کردیا جاتا ہے۔
حضرت مسیح اسی حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں "باپ کسی کی عدالت بھی
نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کردیا ہے (یوحنا ۵)
ظہور آئندہ کے متعلق کس قدر صاف الفاظ میں کہا گیا ہے۔ کہ آئندہ بھی عدالت

الہیہ ایک انسان کے ذریعہ ہوگی چنانچہ رسول کہتا ہے۔
"پس خدا جہالت کے وقتوں سے چشم پوشی کرکے اب سب آدمیوں کو ہر جگہ حکم دیتا ہے کہ توبہ کریں۔ کیونکہ اس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کرے گا۔ جسے اس نے مقرر کیا ہے" (اعمال ۱۷)

اور یہ قیامت و عدالت سب کچھ اسی دنیا میں ہونا مقدر ہے۔ جب تک یہ وعدہ پورا نہ ہو دنیا اور نسلِ انسانی ختم نہیں ہوگی۔
"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب باتیں نہ ہو لیں۔ یہ نسل ہرگز تمام نہ ہوگی" (متی ۲۴)

قرآن مجید سے تائید پیغمبر کا ظہور قیامت ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں تفصیل سے مدلل بیان کیا گیا ہے۔ ہم یہاں صرف ایک آیت کا ذکر کرتے ہیں۔ جو مذکورۂ بالا آیات انجیل کی پوری تائید ہے۔ حضرت مسیح نے یہ فرما کر کہ "قیامت اور زندگی میں ہوں"۔ واضح فرما دیا کہ پیغمبر کی آمد قیامت ہے اور یہ کہ میرے آنے سے قیامت برپا ہو رہی ہے حضرت مسیح کے اس بیان کے مطابق کہ "قیامت اور زندگی میں ہوں" قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (سورۂ زخرف آیت ۶۱) — اور یہ مسیح قیامت کا علم ہے۔ تم اس میں ہرگز شک نہ کرنا۔

مسیح کو قیامت کا علم قرار دیا ہے جس کے صاف معنی یہی ہیں۔ اور جس نے

مسیح کو پہچان لیا۔ اُس نے قیامت کو پہچان لیا۔ مسیح قیامت ہے۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے کہ "قیامت میں ہوں"۔ مسیح کا علم قیامت ہونا کیسا لطیف بیان حقیقت ہے کہ مسیح کی آنا قیامت کی آمد ہے۔ مسیح کی ذات ہی مدار قیامت۔ جو مسیح کو نہیں پہچانتا وہ قیامت کا علم نہیں رکھتا۔ اور جو مسیح کو شناخت کر لیتا ہے اُسے قیامت کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ظہور مسیح ہی قیامت ہے۔ اس آیت مبارکہ اور قول مسیح سے ثابت ہو گیا کہ پیغمبر کا ظہور قیامت ہے۔ اس کے سوا سب اوہام ہیں۔ خدا نے کسی کتاب میں کرۂ عالم کے ٹوٹنے پھوٹنے کو قیامت قرار نہیں دیا۔ تمام پیغمبر قیامت کی خوشخبری دیتے آئے ہیں یہ کیا خوشخبری ہوئی کہ ایک دن دنیا کا گولہ ٹوٹ پھوٹ جائیگا۔ تمام پیغمبر لوگوں کو قیامت میں ناکامی سے ڈراتے بھی آئے ہیں۔ کرۂ دنیا کے ٹوٹنے پھوٹنے سے کسی انسان کی کامیابی یا ناکامی سے کیا تعلق ہے؟ کامیابی و ناکامیابی تو پیغمبر وقت کو پہچان کر اُس کے احکام پر عمل کر لے یا نہ کرنے پر موقوف ہے۔ اس دنیا میں ترقی و تنزل بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اور بعد الموت نجات یا عدم نجات بھی پیغام الٰہی کی تعمیل و عدم تعمیل پر ہی منحصر ہے۔

"یومِ موعود یا عصرِ جدید" - "دین اور یوم الدین"

باب ہفتم

یوم موعود یا عصر جدید

یہ زمانہ جس میں ہم موجود ہیں۔ ایک عجیب زمانہ ہے۔ اس زمانہ کی خبر مقدس کتابوں اور پیغمبروں نے دی تھی۔ یہ زمانہ اپنی شان میں بے نظیر ہے اس زمانہ میں علوم و معارف عام ہو رہے ہیں۔ وہ وہ ایجادات و انکشافات ظہور پذیر ہیں جن کی مثال دنیا کی آنکھ نے نہ دیکھی۔ انقلابات اس زور شور سے ہو رہے ہیں کہ ہر روز دنیا کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

مادیات و جسمانیات میں نیرنگی ہے۔ عقلیات و روحانیات میں تجدد اور ترقی ہے۔ پرانی رسمیں مٹ رہی ہیں۔ نئے احکام نافذ ہو رہے ہیں صنعت و حرفت میں نئی جان ڈالی جا رہی ہے۔ تجارت میں نئے اصول جاری ہو رہے ہیں۔ مذہب اپنا پرانا لباس اتار کر نئی خلعت پہن رہا ہے عقل ترقی کر رہی ہے اور یہ سب کچھ اتفاقی نہیں ہے۔ بلکہ قدرت کے باقاعدہ پروگرام کے مطابق ظاہر ہو رہا ہے۔ کلام خدا میں اس دور حاضر کے بہت سے نام اور القاب وارد ہوئے ہیں جن میں سے چند ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

الیوم الموعود } وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ (پ ۳۰) ۔ الیوم الموعود یعنی وہ زمانہ جس کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ابتدا سے جس قدر نبی ہوئے۔ خدا نے سب کی زبانی ان دنوں کی خبر دی

تھی۔ (اعمال رسل)۔

تمام اہلِ مذاہب اس دورِ جدید کے منتظر تھے۔ بلکہ اہلِ مذاہب سے گذرکر وہ لوگ جو صرف نیچر پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ بھی اصولاً اس زمانہ کے مشتاق تھے کیونکہ قانون ارتقاء کے لحاظ سے وہ دنیا کے نئے دورِ ترقی کا آنا لازم سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ یہ زمانہ سب کا موعود زمانہ ہے۔ طبیعیین نیچرل قانون کی رو سے اور الٰہیین وعدۂ خداوندی کے مطابق اس زمانہ کا انتظار رکھتے تھے۔

آج وہ مبارک زمانہ آگیا ہے۔ اہلِ یقین مسرت سے پکار اٹھتے ہیں۔ کہ خدا کا شکر جس نے اپنا وعدہ ہمارے سامنے پورا کیا۔ مگر افسوس اہلِ حجاب ابھی تک پردۂ غفلت میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ کہ یوم موعود ابھی تک نہیں آیا۔ اور نہ معلوم کب آئے گا۔

الیوم الحق } یوم یقوم الروح والملٰئکۃ صفًا لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا۔ ذٰلک الیوم الحق۔

خدا فرماتا ہے جس زمانہ میں روحِ حق کا ظہور ہوگا۔ اور وہ نفوسِ مقدسہ جو اطاعتِ حق میں ملکۂ تامہ رکھتے ہونگے۔ متحد و متفق ہوکر کھڑے ہوں گے اور رحمٰن جن کی تائید فرمائیگا۔ اور جو راستگو ہوں گے۔ وہی حقیقت آمیز کلام کر سکیں گے۔ یہ روزِ حق ہے۔

یومِ حق سے مقصود یہ ہے۔ کہ اس کے وقوع کو کوئی روک نہیں سکتا چنانچہ واقعہ یہ ہے۔ کہ موعودِ حق حضرت بہاءاللہ کے ظہور سے جب یہ روزِ حق شروع ہوا۔ تو بڑی بڑی سلطنتوں اور قوموں نے اس کے وقوع کو روکنا چاہا مگر تمام دنیاوی طاقتیں پامال ہو گئیں۔ اور یہ دور شروع ہو کر ہرگز نہ رکا۔ بلکہ عالمگیر ہوتا جا رہا ہے اس دورِ حق کو روکنے والی سلطنتیں ختم ہو گئیں۔ مگر یہ دورِ جدید روز بروز اپنا تازہ اور نرالا اور وسیع اثر ڈالتا جا رہا ہے یہ یومِ حق ہے۔ جسے کوئی طاقت باطل نہیں کر سکی اور حقیقت شناس اس یومِ حق کو شناخت کر کے اس دائرہ اثر میں آتے اور اسکے انوار سے منور ہوتے جا رہے ہیں

فویل للذین کفروا من مشہد یوم عظیم اسمع بہم و ابصر یوم یاتوننا لکن الظلمون الیوم فی ضلل مبین۔

وہ لوگ جو انکارِ حق کرتے ہیں۔ اُن پر جلوہ گاہِ یومِ عظیم سے افسوس ہے۔ جب کہ وہ لوگ ہمارے حضور میں آئیں گے۔ پر ستمگار اس وقت نمایاں گمراہی و سراسیمگی میں گرفتار ہیں۔ اس دور کی عظمت کا ہی اثر ہے۔ کہ تمام اہلِ حجاب مبہوت و سرگشتہ ہیں۔ جیسے آفتاب کی تیز کرنوں سے آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح آج آفتابِ ظہور سے لوگوں کی بصیرتیں متحیر ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

حتّٰی اذا فتحت یاجوج و ماجوج وھم من کل حدب ینسلون ہ واقترب الوعد الحق فاذا ھی شاخصۃ ابصار الذین کفروا۔

یاجوج ماجوج دنیا میں پھیل جائیں گے اور وعدۂ حق آ لگے گا۔ کیسا دیکھتے سنتے ہوں گے۔ تو اہلِ حجاب کی آنکھیں حیرت سے مات و مبہوت ہو کر رہ جائیں گی۔ اس یوم کی عظمت یہ بھی ہے۔ کہ ہر ایک نبی و رسول نے

اس ظہور عظیم کی بشارتیں دی تھیں۔ اور جو کچھ اس یوم عظیم میں انسان نے ایجادات کی ہیں۔ وہ بھی اس دور کی عظمت کا نشان ہیں۔ اور ابھی تو آغاز ہی ہے۔ ور وہ امور ظہور میں آئیں گے۔ جن کی مثال چشم عالم نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ فی الحقیقت اس زمانہ کی عظمت لوگوں کے اندازہ سے باہر ہے۔

یوم التلاق

رفیع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق یوم ھم بارزون (مومن ۲)

خدا بڑے درجات عطا فرمانے والا ہے۔ صاحب عرش ہے۔ جس بندے پر چاہتا ہے اپنے امر کی روح ڈالتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو روز ملاقات کیلئے تیار کرے۔ جبکہ تمام انسان اپنے کمالات میں ظاہر ہوں گے۔ یوم التلاق کے معنی ہیں ملنے کے دن۔ مقصد یہ ہے کہ اس وقت انسان کو لقائے الٰہی حاصل ہوگی۔ فرماتا ہے

یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملٰقیہ۔

اے انسان! تو اپنے رب کے لئے سخت کوشش کر رہا ہے۔ آخر تو اپنے رب سے ملاقات کر لے گا۔

من کان یرجو لقاء اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لاٰت۔

جو کوئی خدا کی ملاقات کا آرزومند ہے (اسے بشارت ہو) کہ خدا کا وقت یقیناً آنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ ذات غیب جسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اور عقلیں اس کی کنہ دریافت کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی لقاء تو محال ہے۔ ہاں اس کی

کی لقا رہی ہے۔ کہ اُس کے مظہر ظہور کی لقا نوع انسان کو حاصل ہو۔ کیونکہ خدا کی تمام تجلیات بواسطۂ مخلوق ہی نظر آتی ہیں۔ یہ قانون کلی ہے۔ یوم التلاق یعنی روزِ ملاقات میں شیدائے حق انسان نے جلوۂ حق دیکھا۔ اور دیکھ رہا ہے۔ اور منکرِ حق دیدار سے محروم ہے جیسا کہ مقرر تھا۔ کلّا انّھم عن ربّھم یومئذٍ لمحجوبون ۰ منکرینِ حق اس وقت دیدارِ پروردگار سے محروم رہیں گے

یوم التلاق کے معنی ہیں میل ملاپ کا زمانہ۔ آج وہی میل ملاپ کا زمانہ آ گیا ہے۔ جس کی تیاری ہزارہا سال سے ہو رہی تھی۔ اور جو دنیا کے بلوغ کا زمانہ ہے اور یہی نوع انسانی کے باغ کے پھل لانے کا وقت ہے۔ اس یوم التلاق میں تمام دنیا باہم مل کر ایک آبادی ہو گئی ہے۔ حمل و نقل کے وسائل آسان ہو گئے ہیں۔ سفر کے رستے کھل گئے ہیں۔ مشرق، مغرب سے اور مغرب مشرق سے مل گیا ہے۔ جنوب و شمال متحد ہو گئے ہیں۔ وہ قومیں جو کبھی آپس میں نہ ملتی تھیں۔ اب بغلگیر ہو رہی ہیں۔ نسلی فخر جو میل ملاپ میں سب سے بڑی روک تھا۔ دنیا سے مٹ رہا ہے۔ جو لوگ ہزاروں برس سے چھوت چھات کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔ اب اس پھندے سے آزاد ہو رہے ہیں ایک قوم دوسری قوم سے ایسی وابستہ ہو گئی ہے۔ جیسے گھنے درختوں کی شاخیں آپس میں ایک دوسرے کو پکڑ لیتی ہیں۔ رشتۂ ازدواج محدود خاندانوں سے آگے بڑھ کر نوعِ انسان میں عام ہوتا جاتا ہے۔ مذہب کے اختلافات فنا ہو رہے ہیں۔ اتحادِ مذاہب کی روح۔ دلوں اور دماغوں کو مسرور کر رہی ہے۔ وقت آ رہا ہے جبکہ اختلافات محو و نابود ہو جائیں گے۔ اور میل ملاپ

دلوں کو ایک کر دیگا۔ سب انسان ایسے مل کر رہیں گے۔ جیسے ایک خاندان کے افراد متحد ہو کر رہتے ہیں۔

یوم الجمع } لتنذر امّ القرٰی ومن حولها وتنذر یوم الجمع لاریب فیہ (شوریٰ ع)

"اے رسول! ہم نے قرآن تجھ پر نازل کیا۔ تاکہ تو مکہ اور اس کے ارد گرد کو برے انجام سے ڈرائے۔ اور تاکہ تو لوگوں کو یوم الجمع میں ٹھوکر کھانے سے ڈرائے۔ یہ یوم الجمع یقیناً آنے والا ہے۔

یوم الجمع کے معنی ہیں اکٹھے ہونے کا زمانہ۔ سو وہ زمانہ یہی ہے جس میں ہم تم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں متفرق قومیں جمع ہو رہی ہیں الگ الگ پڑے ہوئے ملک جمع ہو گئے۔ نوع انسان ایک ہی میدان میں جمع ہے۔

اس یوم الجمع میں عالم انسانی کی ایک مشترکہ بزم اتحاد قائم ہو رہی ہے جس میں تمام قوموں اور ملکوں کے قائم مقام اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اور اتحاد عالم کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور نئے نظام کی تیاریاں ہیں۔

اس یوم الجمع میں نوعِ انسان کے مجتمع ہونے کی بہت سی راہیں کھل گئی ہیں جن میں سے یہ بھی ایک ہے۔ کہ انسان گھر بیٹھے ہوئے آج تمام دنیا سے بات چیت کر رہا ہے۔ بلکہ جن سے باتیں کرتا ہے۔ انہیں دیکھ بھی سکتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو آج ہر شعبہ میں ایک نئی اجتماعی کیفیت نمودار ہے سب اہل علم اس زمانہ کو عظیم الشان دورِ اجتماعیت کہتے ہیں۔

یوم التغابن } یوم یجمعکم لیوم الجمع ذٰلک یوم التغابن (سورۂ تغابن پ ۲۸)
جبکہ خدا تمہیں میل ملاپ کے زمانہ میں اکٹھا کریگا۔ یہ تغابن کا وقت ہوگا۔ تغابن کے معنی نقصان وخسران ہیں مقصد یہ کہ میل ملاپ کے زمانہ میں جب انسانوں کو بلایا جائے گا۔ تو بہت لوگ ہوں گے۔ جو میل ملاپ کو چھوڑ کر قومی۔ نسلی ملکی اور فرقہ وارانہ تعصبات وفسادات میں مصروف ہوں گے۔ یہ لوگ نقصان وخسران اٹھائیں گے۔

تغابن کے معنی ایک دوسرے کے حقوق غبن وغصب کرنے کے بھی ہیں مقصد یہ کہ یوم الجمع میں جہاں میل ملاپ ہوگا۔ وہاں ایسے واقعات بھی ہونگے۔ کہ بہت لوگ ایک دوسرے کے حقوق دبائیں گے۔ اور انسانوں کو نقصان عظیم پہنچائیں گے۔ جیساکہ موجودہ حالات سب کے سامنے ہیں۔

تغابن کے معنی ہار جیت کے بھی ہیں یعنی اس زمانہ میں حق وباطل کی جنگ ہوگی۔ حق جیت جائیگا۔ باطل ہار جائیگا۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں۔ کہ حق کے مقابلہ میں بڑی بڑی سلطنتیں شکست کھا گئیں۔ اور حق تمام عالم پر غالب ہو رہا ہے۔ اور ہر روز حق کا جھنڈا بلند ہوتا جارہا ہے۔ نیز بادشاہتوں اور قوموں میں ہار جیت کے لئے ایسی کشاکش ہو رہی ہے جیسی دنیا میں کبھی نہ ہوئی تھی۔

یوم الوعید } ونفخ فی الصّور ذٰلک یوم الوعید (ق پ ۲۶)
اور صور پھونکا جائے گا اور یہ وعید کا وقت ہوگا۔
جس طرح حاکم کا آنا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے عمدہ خدمات انجام دی ہیں۔ خوشی کا موجب ہوتا ہے۔ مگر مجرموں کے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے

اسی طرح وہ زمانہ جس میں عدالت الٰہی دنیا میں اجلاس کرتی ہے۔ اور اپنے مظہر ظہور کے ذریعے تمام فیصلے سنائے جاتے ہیں۔ وہ وقت حق پرستوں کے لئے عید اور مجرموں کے لئے ہولناک وعید ہوتا ہے۔ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُل فحق وعید۔

وہ تمام لوگ خدا کے پیغام لانے والوں کی باتیں نہیں مانتے۔ ان کے حق میں وعید ثابت ہوجاتی ہے

قانونِ قدرت ہے کہ بارش کے وقت اچھا درخت اچھا پھل دیتا ہے۔ اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے۔ بارش اپنی ذات میں سراسر رحمت و برکت ہے

یوم الحسرۃ } وانذرھم یوم الحسرۃ اذ قضی الامر وھم فی غفلۃ و ھم لا یؤمنون (مریم ع)

اے رسول! انہیں روزِ حسرت سے ڈرا دیجئے جبکہ امر کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور وہ غفلت میں ہی پڑے ایمان سے بے نصیب رہ جائیں گے۔

یوم الحسرۃ۔ آہ! کس قدر زور سے پکار رہا ہے۔ ایک عالم ہے۔ جو عذابِ حسرۃ میں گرفتار ہے۔ کذلک یریھم اللّٰہ اعمالھم حسرت علیھم اُن کے کام اُن کے لئے حسرت کا موجب بن رہے ہیں۔ قوموں کو حسرت کا عذاب گھیرے ہوئے ہے۔ ہم اس کے متعلق زیادہ کہنا نہیں چاہتے۔ لوگ خود اپنے حالات پر نظر رکھتے ہیں۔

آیت مذکورہ بالا میں جو بات خدائے برحق نے بیان فرمائی ہے وہ اس زمانہ کا عظیم الشان واقعہ ہے۔ کہ مظہر ظہور کے ذریعے امر کا فیصلہ ہوگیا مگر

غافلوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ اہلِ غفلت اب بھی تقویٰ و ایمان کے خلاف قدم اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ جو کہا گیا تھا۔ وہی واقع ہو گیا۔

یومٌ عسیرٌ } فاذا نقر فی الناقور فذالک یومئذٍ یومٌ عسیرٌ علی الکٰفرین غیر یسیر (مدثر پ ۲۹)

جب خدائی بگل بجایا جائیگا۔ تو یہ وقت اہلِ حجاب کے لئے سخت ہوگا آسان نہ ہوگا۔

اہلِ حجاب دورِ جدید کے حالات سے خوف و خطر میں ہیں۔ ہر طرف سے اُن کے خیالات و مذاہب پر خوفناک انقلابات آ رہے ہیں۔ اُن کی سیاست الجھن ہے۔ اُن کی روحانیت مردہ ہے۔

روزمرہ مجلسوں میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے۔ کہ بڑا خراب زمانہ آ گیا ہے۔ سو جن لوگوں پر خرابی غالب ہے۔ وہ سوا اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں لیکن اہلِ بصیرت دیکھتے ہیں۔ کہ زمانہ عجائب و غرائب کا زمانہ ہے۔ یہ ایک دورِ جدید ہے جس میں دنیا نئی زندگی حاصل کریگی۔ جتنی تخریب ہو رہی ہے۔ اس کا انجام بھی ایک عظیم الشان تعمیرِ جدید ہے۔ خداوند فرماتا ہے۔

یوم یدع الداع الی شیءٍ نکرٍ خشعًا ابصارھم یخرجون من الاجداث کانھم جرادٌ منتشرٌ مھطعین الی الداع یقول الکٰفرون ھذا یومٌ عسرٌ (القمر)

جس وقت داعیِ الٰہی ایک نرالی چیز کی طرف بلائے گا۔ لوگوں کی آنکھیں

نیچی ہوں گی۔ وہ اپنی پسنی کے گڑھوں سے اسی طرح نکلیں گے۔ جیسے ٹڈی دل پراگندہ ہو کر نکلتا ہے۔ وہ سب داعی الٰہی کی جانب جھکے چلے جاتے ہوں گے۔ منکر کہیں گے۔ کہ یہ بڑا سخت زمانہ ہے۔ واقعات سے انکار مشکل ہے دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہزارہا سال کی مردہ اور دبی ہوئی قومیں بھی خاکِ مذلت سے اٹھ رہی ہیں۔ اور اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہی ہیں غلام قومیں آزادی کے لئے زور مار رہی ہیں۔ وہ لوگ جو استبداد و سرمایہ داری کے پردوں میں خوابِ استراحت میں مصروف تھے۔ عالم انسانی کے عام ہیجان سے خوفزدہ ہو کر چونک پڑے ہیں۔ اور وہ بھی دل اور زبان سے کہہ رہے ہیں۔ کہ سخت زمانہ آگیا ہے۔

غرضکہ ان آیاتِ مبارکہ میں جو خبریں دی گئی تھیں۔ آج وہ واقعات ہیں۔ اور ہر لحظہ ایک صاحبِ بصیرت انہیں دیکھ رہا ہے۔ ہم ناظرین سے یہی درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ یہ مضمون پڑھتے وقت اپنے چشم دید واقعات پر بار بار غور کریں۔ وہ جس قدر غور کریں گے۔ اسی قدر انکشاف زیادہ ہوتا جائے گا۔

واستمع یوم ینادِ المنادِ من مکانٍ قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذٰلک یوم الخروج (ق پ۲۶) | یوم الخروج

اس وقت خوب غور و توجہ سے سننا جب منادیِ حق مکانِ قریب سے پکاریگا جب کہ لوگ آوازِ حق سنیں گے۔ یہی ظہور کا زمانہ ہے۔

منادیِ الٰہی وہی مظہرِ ظہور ہے جو وعدے کے مطابق ٹھیک وقت اور مقام پر ظاہر ہوا۔ حضرت بہاء اللہ جو موعودِ کل ہیں۔ اور جو اس دورِ جدید میں خدا کی

سلطنتِ مطلقہ کے واحد نمائندہ ہیں۔ آپ نے خدا کے بندوں کو خدا کی طرف پکارا۔ ہزاروں لاکھوں بندے پکار اٹھے کہ

ربنا اننا سمعنا منادیًا ینادی للایمان ان آمنوا بربکم فآمنّا

اے ہمارے پروردگار ہم نے ندا دینے والے کو یہ ندا کرتے ہوئے سنا۔ کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ سو ہم تو ایمان لے آئے۔

مکانِ قریب سے صخرۂ بیت المقدس مراد ہے۔ یہی مفسرینِ کرام مانتے ہیں صخرۂ بیت المقدس سے مقصود کوہ کرمل ہے۔ جہاں سے حضرت بہاؑ اللہ نے دنیا کو دعوت دی۔ توراتِ مقدس میں بار بار آتا ہے۔ کہ خداوند کرمل پر خیمہ گاڑیگا۔ اور تمام قومیں نئی شریعت کے لئے کوہِ کرمل کی طرف روانہ ہونگی۔ چنانچہ دنیا کی سب قومیں اسی جلوہ گاہِ موعود کی جانب جا رہی ہیں۔ اور خدا کے نئے پیغام و کلام کے تحفے سب کے لئے لا رہی ہیں۔

یوم الخروج کے معنی ہیں نکلنے کا دن۔ یعنی لوگ غفلت کی قبروں سے ندائے حق سننے کے لئے نکلیں گے۔ ظاہری طور پر بھی لوگ اپنے وطنوں سے آج کل اس قدر نکلتے ہیں۔ کہ پہلے زمانوں میں متصور بھی نہ تھا۔ بلکہ ساری دنیا کاروبار اور ہنگامۂ زندگی میں نکل پڑی ہے۔

یوم البعث { ویوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون ما لبثوا غیر ساعۃ کذلک کانوا یؤفکون ○

جب ساعتِ موعود قائم ہو جائے گی۔ تو مجرم قسمیں کھا کر کہیں گے۔ کہ وہ بغیر ساعت تو رہے ہی نہیں۔ وہ اسی قسم کے خیالات میں چکرا تے رہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ جب

اہلِ عرفان کہیں گے۔ کہ ساعت موعودہ آپہنچی ہے۔ اور وہ یہی زمانہ ہے جس میں ہم تم ہیں۔ یہ سن کر منکر کہیں گے۔ کہ اگر یہی ساعت و قیامت ہے۔ تو پھر ایسی حالت تو ہمیشہ ہی رہی ہے۔ ایسے تو کبھی بھی بغیر ساعت و قیامت کے ہم نہیں رہے۔ یہاں تو روز ہی ساعت و قیامت رہی ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ یہ لوگ ایسی ہی ناسمجھی کی باتیں کر کر کے فہم حقیقت سے دور رہ کر ٹکراتے رہتے ہیں۔ پھر آگے فرماتا ہے۔

وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللّٰہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون ٥

اور جنہیں علم و ایمان عطا ہوا ہے وہ کہیں گے۔ کہ اے لوگو! تم کتابِ الٰہی کے وعدے کے مطابق زمانۂ بعثت تک موجود رہے ہو۔ سو یہی تو یوم البعث یعنی زمانۂ بعثت ہے۔ لیکن تم اس حقیقت سے بے خبر ہو گئے ہو۔

چنانچہ آج اہلِ بہا سب لوگوں سے کہتے ہیں۔ کہ عزیزو یہی زمانہ بعثت کا زمانہ ہے جس میں خدا کا مظہر مصلح عالم مبعوث ہوا ہے۔ اور جس میں بڑے بڑے عارف و کامل انسان مبعوث ہو رہے ہیں۔ بلکہ تمام نوع انسانی ایک نئی زندگی میں مبعوث ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء ایک نئی صورت ترقی میں مبعوث ہو رہی ہے۔ مگر اہلِ حجاب بے خبر ہیں اور اہلِ نظر سب کچھ مشاہدہ کر رہے ہیں۔

ان یوم الفصل کان میقاتا ٥ یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا ٥ وفتحت السماء فکانت ابوابا ٥ وسیرت الجبال فکانت سرابا (سورۃ نبا پ ۳۰)

یوم الفصل

فیصلے کا دن ایک معین وقت ہے جس دن کہ خدا کے امر عظیم کا صور اعلان بلند

ہو گا۔ اور تم اسے تمام دنیا کے گروہ انسانی فوج فوج ہو کر ایک میدانِ عظیم میں آ ؤ گے۔ اور آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ ایک بلند تمدن نمودار ہو گا اور علوم وعرفان کے اونچے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اُس با عظمت یوم میں بڑی بڑی پہاڑوں کی سی ہستیاں ریت کے ذرّوں کی طرح بکھرتی پھرتی نظر آئیں گی۔ یہی نبأ عظیم کی تجلّی کا دن ہو گا۔ جو تمام نبوتوں کا مقصد و مآل اور ثمرۂ ذوالجلال ہے وھذا۔

یوم الدین کی ﴿ وما ادراك ما یوم الدین ثمّ ما ادراك ما یوم الدین یوم لا تملك نفس لنفس شیئًا والامر یومئذٍ للّٰہ ﴾

تم کیا سمجھتے ہو یوم الدین کیا ہے؟ بار بار غور کرو اور سمجھو کہ یوم الدین کیا ہے۔ وہی دن ہے جس دن لوگ رب العٰلمین کی حضوری کے لئے کھڑے ہوں گے۔ اور کوئی شخص کسی شخص کا کسی شی میں مجاز نہ ہو گا۔ بلکہ آج صرف خدا کا امر اور اسی کا حکم مجاز و مختار ہو گا۔ اور آفتابِ نصف النہار کی مانند تمام عالم میں روشن و آشکار۔ فالحمد للّٰہ رب العٰلمین۔

دین اور یوم الدین

دین حکومتِ الٰہیہ ہے | عربی زبان میں لفظ "دین" کئی معنی میں آتا ہے۔ از انجملہ

(۱) الملک والسلطان والحکم - مملکت۔ غلبہ۔ حکومت۔
(۲) الملۃ والمذہب والشریعۃ - دین و مذہب و شریعت
(۳) الورع والطاعۃ وجمیع ما یعبد بہ اللہ - دینداری۔ فرمانبرداری۔ طریقِ عبادت
(۴) الدینونۃ۔ الجزاء۔ المکافاۃ - فیصلہ۔ جزا۔ سزا۔ بدلہ

(ملاحظہ فرمائیے المنجد۔ اقرب الموارد۔ قاموس وغیرہ کتبِ لغاتِ عربیہ)

دین کے معنیٰ حکم یا حکومت کے لحاظ سے غور کیجئے تو واضح ہوگا۔ کہ دین خداوندی حکومتِ الٰہیہ ہے۔ خداوندِ عالم حاکم علی الاطلاق ہے۔ جو چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے۔ ان اللہ یحکم ما یرید (مائدہ ع) حقیقی معنیٰ اور مقامِ حقیقت میں حکم، خدا ہی کا حکم ہے۔ صرف اور صرف وہی حاکمِ حقیقی ہے۔ اور کوئی اس کے مقابلہ میں حاکم نہیں۔ وہ خود فرماتا ہے۔ ان الحکم الا اللہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین (مائدہ ع) حکم و حکومت صرف خدا کے لئے مخصوص ہے۔ وہ سراسر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے واللہ یحکم لا معقب لحکمہ (رعد رکوع) خدا حکم دیتا ہے۔ اور اُس کے حکم و حکومت

کو پیچھے ہٹانے والا کوئی نہیں ہے ولا یشرک فی حکمہ احداً (کہف ع ۳) خدا اپنے حکم و حکومت میں کسی کو شریک نہیں بناتا ہے۔ قل ان الامر کلہ للہ (آل عمران ع ۱۶) اے پیغمبر! کہدے کہ حکم دینے کا تمام اختیار خدا ہی کو ہے دین، حکومت خداوندی ہے۔ خدائی آمریت و حاکمیت کا مظہر اعلیٰ پیغمبر وقت ہوتا ہے۔ اور وہ سب انسانوں کو خدا کا خالص و مخلص پرستار بناتا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین (آل عمران ع ۸) کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ خدا اُسے الہامی کتاب، دینی حاکمیت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ انسان لوگوں سے یہ کہے۔ کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ یہی کہیگا۔ کہ تم لوگ خدا پرست ہو جاؤ۔

پیغمبر اپنے ذاتی اختیار سے کچھ نہیں کرتا۔ خدا ہی کے حکم سے لوگوں کو حکم دیتا ہے۔

ما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ لکل اجل کتاب یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب (رعد ع ۶)

کسی پیغمبر کو یہ اختیار نہیں کہ وہ خود کوئی نشان حکم، آیت۔ لاسکے۔ صرف خدا کے حکم سے لاتا ہے۔ ہر دور کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے۔ مٹا دیتا ہے۔ اور جو کچھ چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ کتاب کی اصل تو اُسی کے پاس ہے

دینِ خداوندی جب ظاہر ہوتا ہے۔ تو دنیا کے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ حق پرست کامیابی کی راہ پر چلنے لگتے ہیں۔ باطل پرست انکار حق کر کے

نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی تکمیل انسانیت اور ظاہری و باطنی ترقیات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

وما کان لرسول ان یأتی بآیۃٍ الّا باذن اللّٰہ فاذا جاء امر اللّٰہ قضی بالحق وخسر ھنالک المبطلون (مومن ع)	حکم خدا کے بغیر پیغمبر کوئی آیت نہیں لا سکتا۔ جب خدا کا حکم آجاتا ہے۔ سچا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور اس موقع پر سچائی کو جھٹلانے والے نقصان اٹھاتے ہیں۔

یہ دین و شریعت کا ظہور اور لوگوں کے اختلافات اور خیالات کا سچا فیصلہ کبھی رسول کی آمد پر ہوتا ہے۔

لکل امۃٍ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون	ہر امت کے لئے رسول ہوتا ہے۔ جب ان کا رسول آجاتا ہے۔ ان میں انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان کا حق نہیں مارا جاتا۔

اسی قانون کے مطابق دورِ قرآن میں حکم الٰہی نے اقوام میں سچا فیصلہ فرمایا تھا۔

انّ ھذا القرآن یقصّ علیٰ بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون ○ وانّہ لھدًی ورحمۃٌ للمؤمنین ان ربّک یقضی بینھم بحکمہ وھو العزیز العلیم (نمل ع۶)	یہ قرآن بنی اسرائیل کے بہت بہت اختلافات واضح کرتا ہے اور قرآن تو ایمانداروں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ یقیناً تیرا رب اپنے حکم سے اُن لوگوں میں فیصلہ فرماتا ہے خدا غالب ہے۔ سب کچھ جاننے والا ہے۔

ہر پیغمبر کے ظہور کا مقصد لوگوں کے اختلافات مٹاتا رہا ہے۔ اس بات کا

ذکر خداوند عالم یوں فرماتا ہے۔ کہ جب لوگوں نے وحدت سے دوری اختیار کرلی۔ تو خدا نے نبیوں کو مبعوث فرمایا ہے۔

فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ (سورۂ بقرع ۲)	بشارت اور انذار کرتے تھے۔ اور نبیوں کے ساتھ کتاب بھی نازل کی۔ تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمادے۔

دورِ اسلام کے متعلق خدا احکام بیان فرماکر ارشاد فرماتا ہے۔

ذٰلکم حکم اللہ یحکم بینھم (ممتحنہ ع ۲)	یہ خدا کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان حکومت کررہا ہے

حکومتِ الٰہی کا اولین مامور اور خلق پر حاکم اعلیٰ جو باذن اللہ اور من جانب اللہ مقرر ہوتا ہے۔ وہ صرف پیغمبرِ وقت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم خلق بناکر ارشاد فرماتا ہے کہ

ان احکم بینھم بما انزل اللہ (مائدہ ع ۷)	آپ ان لوگوں میں خدا کے نازل کردہ فرمان کے مطابق حکومت کیجئے۔

خدا کا فرمان یا حکمنامہ یا آئین وقوانین کی کتاب وہی کتاب ہوتی ہے جو پیغمبر کو ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماکر حکم ہے کہ:۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق (مائدہ ع ۷)	ہم نے آپ پر کتابِ حق نازل کی ہے۔ اس کی مصدق ہے جو اس کے آگے ہے اور اس پر نگران۔ تو اب آپ خدا کے نازل کردہ فرمان کے مطابق حکومت کیجئے اور اپنے پاس آئے ہوئے حق کو چھوڑ کر لوگوں کی

گری ہوئی خواہشوں کے پیچھے نہ چلئے۔

تمام لوگوں کو بھی یہی حکم تھا۔ کہ وہ کتاب اللہ کی حکومت کے ماتحت زندگی بسر کریں۔

یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم (آل عمران ع ۳)	انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ان میں حکم وفیصلہ کرے۔

اور جب خدا اپنے رسول کے ذریعے کوئی فیصلہ فرمادے۔ تو پھر خلق کو چون و چرا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

ما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (احزاب ع ۵)	جب خدا رسول فیصلہ کردے تو پھر کسی ایماندار مرد وعورت کو کسی معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

کیونکہ حکومتِ الٰہیہ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے جس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی۔ اب جو کوئی حکومت الٰہیہ کے احکام کا انکار کرے گا۔ وہ مجرم ہے۔ سزا کا مستحق ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے :۔

ومن اظلم ممن ذکر بآیات اللہ ثم اعرض عنھا انا من المجرمین منتقمون ٥ (سجدہ ع ۲)	اس سے بڑا ظالم کون ہے۔ جسے اس کے مالک حقیقی کی باتیں سنا کر سمجھایا جائے۔ اور وہ منہ پھیر لے۔ ہم یقیناً مجرموں کو پاداشِ عمل میں سزا دیا کرتے ہیں۔

اسی عالمگیر قانون کے سلسلے میں مسلمانوں سے جو یہ خیال کئے بیٹھے ہیں۔ کہ ہم

تو امتِ مرحومہ ہیں ہمیں خدا سب کچھ معاف کر دیگا۔ خاص خطاب کر کے فرمانا سہے:۔

لیس بامانیکم ولا بامانی اھل الکتاب۔ من یعمل سوءً یجز بہٖ

مسلمانو! تمہاری خیالی آرزوؤں سے کچھ کام نہیں ہوگا۔ اور نہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی موہوم تمناؤں سے کچھ فائدہ دکیونکہ اصل قانون یہ ہے۔ کہ جو کوئی بھی بدعملی کریگا۔ اس کی سزا پائیگا۔

اسی اٹل قانون کے مطابق گذشتہ اقوامِ عالم نے جزا سزا پائی ہے۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا کیا ہے۔ صاف صاف فرمایا ہے۔ کہ ہم نے رسول کو بھیجا لوگوں نے ہمارے حکم سے روگردانی کی۔ حکم پہنچانے والے پیغمبر کو جھوٹا بنایا دینِ حق کی تکذیب کی۔ بدعملی اختیار کی۔ ہم نے انہیں طرح طرح سے سزائیں دیں۔ قحط سالی۔ بدحالی۔ بیماری۔ مفلسی۔ غلامی ان پر مسلط ہوئی۔ انہیں دین دنیا میں ناکامی پیش آئی۔ نہایت تفصیل سے حکومتِ الٰہیہ کے قانونِ جزا و سزا کو واقعات میں دکھایا ہے۔ قرآن شریف ایسے واقعات سے بھرا پڑا ہے یہ نہ خیال کرنا چاہئے۔ کہ پیغمبروں نے اپنے منکروں کو فضول دھمکیاں دی تھیں۔ اور ڈرا دھمکا کر اپنی باتیں منوانا چاہتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ حکومت الٰہیہ کا عمل پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ یہ دھمکیاں نہ تھیں۔ قانونِ جزا سزا کا بیان تھا۔ اور وہ واقعات میں رونما ہوتا رہا ہے۔ اور آیندہ بھی ہوتا رہیگا۔ یعنی حکومت الٰہیہ

کے فرمانبردار خوش حال و بامراد ہوتے ہیں۔ اور نافرمان بدحال و نامراد ہو جاتے ہیں۔ اقوام عالم کی ترقی و تنزل کے تاریخی واقعات اسی قانون جزا سزا کا مظاہرہ ہیں جس قوم نے قانون الٰہی کے مطابق رفتار اختیار کی وہ کامیاب ہوئی۔ اور جس قوم نے قانون الٰہی کی خلاف ورزی کی وہ گر گئی۔ اس وقت بھی ہمارے سامنے بہت سی قومیں ہیں جو الٰہی قانون کی نافرمانی کر کے تباہ حال ہو رہی ہیں۔ خود مسلمان قوم ہی ایک عبرت انگیز نمونہ ہے۔ حکومت الٰہیہ کے ماتحت رہ کر مسلمان آسمان ترقی کے روشن ستارے بن گئے تھے۔ اور جب سے انہوں نے دین سے بے پروائی شروع کی قعر ذلت میں گر گئے اور اب اپنے برے حال پر رات دن رو رہے ہیں۔

(۲) دین بمعنی مذہب و شریعت } دین کے بہت مشہور معنی مذہب و شریعت ہیں۔ چنانچہ از انجملہ مندرجہ ذیل آیات قرآن میں بھی یہی معنی مراد ہیں:۔

ذالک الدین القیم (یوسف)	یہ دین مستقیم ہے
شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحاً (شوریٰ ع۲)	تمہارے لئے خدا نے وہ شریعت مقرر کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔
لیتفقھوا فی الدین (توبہ ع۱۵)	چاہئے کہ وہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں۔
ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا (شوریٰ ع۲)	دین کو قائم رکھو اور تفرقہ نہ کرو۔
لاتغلوا فی دینکم (مائدہ ع۱۰)	اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھو۔
یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً (نصر)	لوگ خدا کے دین میں فوج فوج داخل ہوئے۔

(۳) دین اطاعتِ خداوندی | عربی زبان میں لفظ دین کے معنی اطاعت بھی ہیں اور ظاہر ہے۔ کہ دینِ حق کی پیروی کرنا ہی اطاعتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کو خداوندعالم یوں بیان فرماتا ہے ؎۔

ان الدین عند اللہ الاسلام (۲ ما ع) | دین خدا کے نزدیک اطاعتِ خداوندی کا نام ہے۔

لفظِ اسلام کے معنی تسلیم و اطاعت ہیں۔ واقعہ ہے کہ تمام پیغمبر اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر اطاعت و فرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے۔ اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے۔ کہ دین و مذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ دل و جان سے اپنے کو خداوند قدوس کے سپرد کر دے۔ اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے آئے بے چون و چرا گردنِ تسلیم جھکا دے[1]۔ اسی اطاعت و تسلیم کی بناء پر تمام پیغمبروں کے ماننے والے مسلم یعنی فرمانبردار کہلاتے ہیں۔

حضرت مسیح کے حواری کہتے تھے **واشهد باننا مسلمون** (مائدہ ع ۱۵) گواہ رہیئے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

فما وجدنا فیها غیر بیت من المسلمین (ذاریات ع ۲)	ابراہیمؑ کی بستی میں ہم نے فرمانبرداروں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔

حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ

ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (بقرہ ع ۱۵)	اے خدا! ہماری نسل میں اپنی فرمانبردار جماعت پیدا کر۔

[1] از مولانا محمود الحسن دیوبندی۔ ترجمہ قرآن ص ۶۶ حاشیہ

دین کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری ہیں۔ اور جب کبھی خداوند عالم کی اطاعت سے لوگ غافل ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنی رحمت سے اطاعت کی نئی روح ان میں پھونکتا ہے۔ پیغمبرِ وقت کے ذریعے اپنے احکام دیتا ہے۔ جو لوگوں کے لئے وجبِ ترقی ہوتے ہیں۔ دین کے نئے دور میں پھر انسان اطاعتِ الٰہی پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ اور مقصدِ زندگی حاصل کرتا ہے۔ اسی اطاعتِ حق سے انسان بہترین کمالات و درجات کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴) دین یعنی جزا سزا

والدین ایضاً الجزاء و المکافاۃ یقال دانہ یدینہ دینا ای جازاہ یقال کما تدین تدان ای کما تجازی تجازی بفعلک وبحسب ما عملت

لفظ دین کے معنی جزا سزا بھی ہیں۔ عربی میں محاورہ ہے دانہ یدینہ یعنی اس کو بدلہ دیا۔ اور محاورہ ہے کما تدین تدان تو جیسا کام کرے ویسا بدلہ پائے گا۔ (مختار الصحاح)

اسی لفظِ دین سے خدا ئے تعالےٰ کا نام دیان ہے۔ یعنی وہ سب کو اعمال کے مطابق بدلہ اور جزا سزا دیتا ہے۔ یعنی

لیجزی الذین اساؤا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ (نجم ع۲)

جنہوں نے بُرے کام کئے انہیں سزا اور جنہوں نے اچھے کام کئے انہیں اچھی جزا دی جاتی ہے۔

جو لوگ رسول کی دینی جد و جہد میں شریک ہونے سے جی چراتے ہیں۔ راہِ حق میں جان اور مال کی قربانیاں کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت فرمانِ خداوندی ہے:۔

فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیرا۔ تو انہیں چاہیئے کہ کم ہنسیں اور بہت رویا کریں

ان کے کرتوت کی سزا یہی ہے (کہ انہیں بہت رونا پڑتا ہے)	جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (توبہ ع۱۱)

یہودیوں کے لئے بعض چیزوں کو حرام قرار دینے کا ذکر فرما کر کہا ہے۔

ذٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ (انعام ع۱۸) یہ ہم نے انہیں انکی شرارت کی سزا دی تھی۔

اہلِ سبا کا ذکر فرما کر کہتا ہے۔ کہ ان کے سرسبز باغات کو ہم نے سیلاب سے تباہ کر دیا۔

یہ ہم نے انہیں کفر و ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکروں کو ہی سزا دیا کرتے ہیں۔	ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجٰزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ (سبا ع۲)

سورۂ عنکبوت میں کئی پیغمبروں کے ظہور اور لوگوں کے انکار کا ذکر فرما کر بتایا ہے۔ کہ ہم نے انکار و تکذیب کرنے والوں کو سزائیں دیں۔

سو ہر ایک کو ہم نے اس کے جرم میں گرفتار کیا بعضوں پر پتھراؤ کرتی ہوئی آندھی بھیجی بعضوں کو زلزلہ کی خوفناک آواز نے آلیا۔ بعضوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور بعضوں کو ہم نے دریا میں غرق کر دیا۔ سو خدا تو ان پر ظلم نہ کرتا تھا۔ وہ لوگ آپ ہی اپنے اوپر ظلم و ستم کرتے تھے۔	فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُم مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (ع۴)

ایسے واقعات بیان کر کے خداوند عالم بار بار فرماتا ہے۔ کہ اے رسولؐ

ان سے کہہ دو کہ تم دنیا میں پھر کر دیکھو اور غور کرو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہو چکا ہے؟	قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (نمل ع۵)

مفسدوں کا انجام کیا ہوا ہے؟ (اعراف ع ۱)

ظالموں کا انجام کیا ہوا ہے؟ (اعراف ع ۱۲)

بہت ہی بستیاں تھیں۔ جنہوں نے اپنے مالک حقیقی کے حکم اور اس کے پیغمبروں سے سرکشی اختیار کی۔ تو ہم نے ان سے سختی کے ساتھ حساب لیا اور سخت عذاب دیا۔ تب انہوں نے اپنے کرتوت کی سزا کا مزہ چکھا۔ اور ان کے کام کا انجام سراسر گھاٹا ہی ہوا (طلاق ع ۲)

نیز خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:۔

ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاءتھم رسلھم بالبینٰت وما کانوا لیومنوا کذالک نجزی القوم المجرمین (یونس ع ۲)	اور تم سے پہلے کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم اختیار کیا، ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ اور ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے۔ مگر وہ لوگ ایمان لانے والے ہی نہ تھے جس طرح ہم نے انہیں ہلاک کیا مجرموں کو ہلاک کیا کرتے ہیں
الم نھلک الاولین ثم نتبعھم الاخرین کذالک نفعل بالمجرمین (مرسلات)	کیا ہم نے پہلے منکروں کو ہلاک نہیں کر ڈالا (یقیناً ہلاک کر چکے ہیں) پھر پچھلے منکروں کو بھی انہی کے پیچھے لگا کر ہلاک کر دیں گے ہم مجرموں سے یہی سلوک کیا کرتے ہیں

اسی سلسلے میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ دین اور پیغمبر حق کے انکار سے لوگوں کا تباہ و برباد ہو جانا ایک قانونِ خداوندی ہے۔

فھل ینظرون الا سنۃ الاولین سو اب یہ منکرینِ حق صرف اسی بات کے منتظر

فہل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ اولم یسیروا فی الارض فینظروا عاقبۃ الذین من قبلھم (فاطرع ۵)	ہیں۔ کہ پہلے لوگوں کے طریق پر انہیں بھی سزا دی جائے۔ سو تم خدا کے طریقے میں تبدیلی نہ پاؤگے اور خدا کے قانون کو ٹلتا ہوا نہ دیکھوگے۔ کیا ان لوگوں نے دنیا میں پھر کر نہیں دیکھا۔ کہ ان سے پہلے منکروں کا انجام کیسا ہو چکا ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے :-

ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیوٰۃ الدنیا وکذلک نجزی المفترین (اعراف ع ۱۹)	جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے غضب آئیگا اور دنیاوی زندگی میں ذلت وخواری نصیب ہوگی۔ اور جیسے ہم نے دنیا میں گوسالہ

پرستوں کو سزا دی۔ ویسے ہی ہم افترا کرنے والوں کو دنیا میں ذلت کی سزا دیا کرتے ہیں۔

یوم الدین

جب یہ حقیقت مسلم ہے۔ کہ دین کے معنی ہیں حکم وحکومت۔ اطاعت ؛ مذہب۔ فیصلہ۔ جزا۔ سزا، تو اب یوم الدین کے معنی بھی روشن ہو گئے کہ خداوند عالم کی حکومت کا جب ایک نیا جلوہ آشکار ہوتا ہے۔ پیغمبر وقت کے ذریعے انسانوں

کو از سرِ نو اطاعتِ الٰہی کا حکم دیا جاتا ہے۔ دینِ حق اطاعتِ الٰہی کا پروگرام ہوتا ہے
کتاب اللہ حکمنامہ ہوتا ہے جس کے ذریعے بندوں کو صلاح و فلاح کی راہ پر چلایا
جاتا ہے۔ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ قوموں کو ان کے نیک و بد اعمال
کی جزا سزا ملتی ہے۔ جو انہیں ترقی یا تنزل کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ تمام کارروائی
اسی دنیا میں ہوتی ہے۔ دنیا کے فنا و معدوم ہونے سے وابستہ نہیں ہے۔ اس
تمام کارروائی کے رونما اور ظاہر ہونے کے زمانے کا نام یوم الدین ہے۔ یوم کے
معنی عربی میں وقت کے ہیں۔ یوم الدّین۔ یعنی دین کا وقت۔ و زمانہ۔ جب کہ دین
کا نیا ظہور ہوتا ہے۔ پیغمبرِ حق اسی وقت آتا ہے۔ جب کہ زمانے میں بے دینی اور
فسادِ علم و عمل پھیل جاتا ہے۔ پیغمبر ظلمت و بے دینی کو دور کرنے کو مبعوث ہوتا
ہے۔ اور خدا کا حکم (یعنی دینِ حق) دنیا کو دیتا ہے۔ تب دنیا بے دینی سے نجات
پا کر دیندار اور ایماندار بنتی ہے۔ لوگ اصلاح اختیار کرتے ہیں۔ دین و مذہب کا
اثر پھیلتا ہے۔ یہ دین کی فرمانروائی کا وقت ہوتا ہے۔ مذہبِ حق کا دور دورہ ہوتا
ہے۔ دینداری کا مبارک موسم ہوتا ہے۔ حق و صداقت کا وقت ہوتا ہے۔ اسی لئے
ایسے زمانے کو یوم الدین کہتے ہیں۔ یعنی دین و مذہب کا زمانہ۔ مثلاً جب عرب
میں ہر قسم کی خرابی پھیلی ہوئی تھی۔ اُس وقت کو زمانۂ جاہلیت کہتے ہیں۔ اور جب
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دینِ حق ظاہر ہوا۔ تو کہا جاتا ہے۔ دینِ اسلام
کا زمانہ آگیا۔ ایسے ہر دور کو جبکہ دینِ خداوندی دنیا میں آتا ہے "یوم الدین" کہا گیا
ہے۔ اسی سلسلہ میں قرآنِ مجید نے تصریح و تخصیص کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا۔
کہ آئندہ بھی "یوم الدین" آنے گا۔ ہماری تحقیق میں حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ

کے ظہور سے وہ یوم الدین آچکا ہے۔ اور اب ہم اور ساری دنیا اسی یوم الدین یعنی اس دین کے زمانے میں ہیں جس کا وعدہ پیشتر سے تھا۔ اور جو دین سب دینوں کا جامع اور مقصود ہے

دین حکومتِ الٰہیہ ہے۔ آج خداوندِ عالم کی حکومت دنیا میں اپنا نیا جلوہ دکھا رہی ہے۔ اہلِ نظر خوشی سے اس حکومتِ الٰہیہ کے زیرِ سایہ آتے جا رہے ہیں۔ اس خدائی حکومت کا مقابلہ دنیا کی حکومتوں نے پوری طاقت سے کیا۔ اور اپنے خیال میں وہ جو کچھ کر سکتی تھیں۔ سب کچھ کر گذریں۔ انہوں نے اس حکومتِ الٰہیہ یعنی دین بہائی کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کر لی۔ علم سے۔ قلم سے۔ زبان سے۔ تلوار سے۔ توپوں اور لشکروں سے۔ مالی طاقتوں اور انتظامی قوتوں سے پورا زور لگایا۔ کہ وہ اس حکومتِ الٰہیہ کو دنیا میں قائم نہ ہونے دیں۔ اور اس کا بالکل نام و نشان مٹا دیں۔ مگر اے چشمِ انصاف! دیکھ۔ واقعات نے کیا دکھایا۔ کہ اس حکومتِ الٰہیہ کے مٹانے والے خود مٹ گئے۔ اس حکومتِ الٰہیہ کو گرانے والے بادشاہ ذلت کے گڑھے میں گر پڑے اُن کے تخت الٹ گئے۔ اُن کی حکومت معدوم ہو گئی۔ اُن کا کچھ اثر نہ رہا۔ مگر یہ حکومتِ الٰہیہ مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں مغلوب و ارواح پر اپنا سکہ جما چکی ہے۔ اور ہر روز اس کا دائرہ اثر بڑھتا جاتا ہے۔

دین کے معنی اطاعت بھی ہیں۔ امر بہائی نے ہر قوم و ملت۔ ہر ملک اور حیثیت کے انسانوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ وہ جان و دل سے اطاعتِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ اگر ان کی جان بھی چلی جائے۔ تب بھی وہ اس اطاعت سے روگردانی نہیں کر سکتے۔

یوم الدین" کے معنیٰ اطاعتِ حق کا دور بھی ہوئے۔ جو آج دینِ بہائی کے ذریعے نئی شان سے رونما ہے۔

دین کے معنیٰ فیصلہ بھی ہیں۔ امرِ بہائی کے ذریعے خداوند عالم نے تمام اقوام عالم کے اختلافات کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ وہ ایسا فیصلہ ہے۔ کہ آج جو لوگ اس سے منحرف ہیں۔ وہ بھی عنقریب چار و ناچار اسی فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینگے۔ اور جو لوگ اس فیصلۂ الٰہی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اپنے اختلافات میں منہمک رہیں۔ ان کا یہ عمل بھی انہیں ہلاک و برباد کر دیگا۔ وہ ترقیات سے محروم رہ کر تنزل و ادبار میں مبتلا ہوں گے۔ اور اپنے کرتوت کی سزا پائیں گے۔ پس "یوم الدین" کے معنیٰ فیصلہ کا دن بھی ہیں۔ جو اب اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ تمام اقوام عالم فیصلہ الٰہی کے اثرات اور نتائج دیکھتی جاتی ہیں۔ اور چشمِ بصیرت کھلنے پر جہان بھر میں کوئی قوم باقی نہ رہیگا۔ جو فیصلۂ الٰہی کا اقرار و اعتراف نہ کرے۔

دین کے معنیٰ جزا سزا بھی ہیں۔ یوم الدین کے معنیٰ ہوئے جزا سزا کا زمانہ۔ خداوند نہایت وضاحت سے فرما چکا ہے۔ کہ جب ہم کسی پیغمبر کے ذریعے اپنے احکام نازل فرماتے ہیں۔ تو جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ وہ رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ اور دین و دنیا میں ترقیات پاتے ہیں۔ ایک وقت آ جاتا ہے۔ جب کہ وہ تمام عالم میں مادی اور روحانی دونوں حیثیتوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہر پیغمبر کی اُمت اپنے ترقی کے وقت یہ نظارہ دیکھ چکی ہے۔ اور جو لوگ پیغمبرِ وقت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اپنی ذاتی تکمیلِ انسانیت سے محروم رہتے ہیں۔ روحانی اور ظاہری ترقیات سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ یہی جزا سزا ہے۔ جو قوموں کو اس دنیا

میں ملتی ہے۔ آج بھی یوم الدین یعنی جزا سزا کا وقت ہے۔ جن قوموں نے اپنے اپنے دین اور پیغمبر کے ذریعے احکام الٰہی پا کر نافرمانی کی تھی۔ اور اب ظہورِ حق کے نئے دور میں فرمانِ الٰہی سے روگرداں اور منکر ہیں وہ اپنے اعمالِ بد کے نتائج دیکھ رہی ہیں۔ ہلاکت و بربادی اُن پر محیط ہوتی جا رہی ہیں۔ دستِ قدرت انہیں انہیں کے ہاتھوں سزا دے رہا ہے۔ اور ایسی سزا جن کی نظیر تاریخ عالم میں نظر نہیں آتی۔ بلکہ یہ جزا سزا کا دور تمام جہان اور تمام اقوامِ عالم میں بڑے زور سے چل رہا ہے۔ اگر لوگ نہیں دیکھتے۔ تو یہ بھی بدعملی کی ایک سخت سزا ہے۔ کہ اپنے حال اور مآل سے بے خبر ہیں۔ گویا ایسے مرض نے حملہ کیا ہے۔ کہ آنکھیں بجھی جاتی رہی ہیں۔ اب انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔ یا ایسے بُرے حال میں مبتلا ہیں۔ کہ احساسات مر گئے ہیں۔ قوی سُن ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی کچھ دکھانا یا سنانا چاہتا ہے تو انہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حس ہی ماری گئی ہے۔ کیا یہ شرمناک حالت نہیں؟ کیا یہ دل کی موت نہیں؟ کیا یہ سب سے بڑی سزا نہیں؟

بہرحال یوم الدین یعنی جزا سزا کا زمانہ بڑے زور سے اپنا کام کر رہا ہے اور وہ اُس وقت تک کرتا رہیگا۔ جب تک قانون الٰہی کے مطابق اس کا یہ کام ضروری ہے۔ کوئی طاقت اسے اپنے کام سے باز نہیں رکھ سکتی۔ یہاں پر تمام حکومتیں اور ساری قومیں محکوم اور مغلوب اور عاجز ہیں۔

اب آیئے ہم غور کریں کلام الٰہی یوم الدین کے متعلق کیا کہتا ہے۔ یوم الدین کی حقیقت اور کیفیت کیا بتاتا ہے۔ اپنے خیالات کے شور و شر کو خاموش کر دیجئے۔ اور دلی توجہ سے سنئے! عہ

عہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (اعراف)

خداوند عالم فرماتا ہے۔

وما ادراک مایوم الدین ثم ما ادراک مایوم الدین	اور تم جانتے ہو یوم الدین کیا ہے؟ پھر پوچھتا ہوں تم سمجھتے ہو یوم الدین کیا ہے؟

اس طرح موکد سوال کر کے خداوند عالم ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ اور پھر یوم الدین کی حقیقت یوں سمجھاتا ہے کہ یوم الدین وہ زمانہ ہے۔

یوم لا تملک نفس لنفس شیئاً والامر یومئذ للّٰہ (الفطار)	جس وقت کوئی شخص کسی کے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتا ہے اور حکم اس وقت صرف خدا کا ہوتا ہے

یوم الدین حکومت الٰہیہ کا وہ زمانہ جب خدائی احکام نازل ہوتے ہیں اطاعت الٰہی کے سوا انسان کے لئے کچھ مفید نہیں ہوتا۔ کوئی انسان کسی انسان کے لئے بھلائی کا اختیار نہیں رکھتا۔ کوئی کسی کو ہدایت نہیں کر سکتا۔ ہاں خدا کا امر اس وقت جاری و نافذ ہوتا ہے۔ وہی سب کو راہ دکھاتا ہے۔ اسی میں سب کا بھلا ہوتا ہے۔ سب اس کی اطاعت کے لئے مامور ہیں۔ خداوند امر حقیقی اپنا حکم اور فیصلہ، اپنا دین مذہب اور جزا ظاہر کرتا ہے جس کے مقابلہ میں کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔ چنانچہ لا تملک نفس لنفس شیئاً کے مطابق دین اسلام کے ظہور کے وقت پیغمبر کو اور ہر شخص کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ یہ اقرار و اعلان کریں کہ۔

قل انی لا املک لکم ضراً ولا رشداً (جن)	اے پیغمبر کہدو۔ کہ میں تمہارے لئے برائی بھلائی کا کچھ اختیار نہیں رکھتا
قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً (اعراف)	کہدو میں خود اپنے لئے کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔

بل للہ الامر جمیعاً (رعد ع ۴)	بلکہ تمام حکم خدا ہی کا ہے۔
قل ان الامر کلہ للہ (آل عمران ع ۱۶)	کہدو کہ امر حکم سب کا سب خدا ہی کا ہے۔

یہی بات اس آیت یوم الدین میں فرمائی ہے۔ کہ امر اس دن خدا کا ہوتا ہے۔ اس خدائی بیان نے واضح کر دیا ہے۔ کہ یوم الدین وہ زمانہ ہے۔ جب کوئی انسان کسی انسان کے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور اس دن امر و حکم خدا ہی کا ہوتا ہے۔ پس یوم الدین خدا کی حکومت کے نئے ظہور کا زمانہ ہے۔ بعثت محمدیہ سے بھی یوم الدین جلوہ گر ہوا تھا۔ چنانچہ اسی سورۂ انفطار میں آیت مذکورہ کے سلسلے میں اس سے پہلے فرماتا ہے:۔

یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک	اے انسان! تجھے اپنے خداوند کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ جس خدا نے تجھے بنایا اور درست کیا۔ پھر اعتدال پر لایا جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دی

یعنی جسمانی و روحانی پیدائش و تربیت اور ترکیب و تنظیم فرمائی۔ یہ اپنی ربوبیت مالکیت و حاکمیت ظاہری و باطنی کا بیان فرمایا ہے۔ جو دینی و دنیادی پہلو سے عالم میں جلوہ گر ہے۔ اور سب کو کسی نہ کسی صورت میں اس کا اقرار ہے۔ ہر دین والا اپنے دین کے دائرے میں خدا کی مالکیت و حاکمیت اور شریعت و اطاعت اور اس کی جزا کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ پھر بھی دین کے تسلسل اور نئے ظہور سے انکار کرتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم اس پر اظہار ناراضگی فرماتا ہوا ارشاد کرتا ہے۔ کلا بل تکذبون بالدین ۵

ہاں! اس حقیقت سے غافل ہو بلکہ تم دین کو جھوٹا بتلاتے ہو۔ خدا کی حاکمیت واطاعت سے روگردان ہو۔ دینِ حق اور جزا سزا سے منکر ہو۔ ان علیکم لحافظین اور یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ جو تمہاری دینی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ کراماً کاتبین۔ عالی قدر فضائل و اخلاقِ حمیدہ رکھنے والے عالم۔ جو اعمال تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں (کہ اچھے لوگ یہ یہ اعمال کرتے ہیں اور برے لوگ یہ یہ اعمال کرتے ہیں۔ اور ان کے یہ یہ نتائج ہوتے ہیں۔ کیونکہ علمِ دین اور علمِ فطرت کے عالم ان حقائق سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو آگاہ کرتے رہتے ہیں اسی سے لوگوں کی حفاظت و نگرانی ہوتی ہے۔

ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم امر واقعی یہ ہے کہ نیکوکار نہایت اچھی حالت میں ہیں۔ یہ ان کا نقد حال ہے۔ اور بدکار آتشِ قہرِ الٰہی میں ہیں۔ یہ ان کی موجودہ کیفیت ہے۔ یہ دونوں جملے کیفیتِ حال بتا رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ابرار و فجار اچھی حالت اور بری حالت میں صرف آئندہ کسی زمانے میں ہوں گے۔ فجار اب موجودہ یوم الدین میں بھی حسد اور غضب کی آگ میں جل رہے ہیں۔ اور آئندہ یوم الدین میں بھی جلیں گے۔ چنانچہ فرمایا۔ کہ فجار آگ میں ہے۔ یصلونہا یوم الدین آئندہ زمانۂ دین اور آئندہ جزا سزا کے وقت بھی وہ آگ میں جلیں گے۔ اور صاف صاف فرماتا ہے۔ وماھم عنھا بغائبین اور اب بھی وہ اس آگ سے غیر حاضر نہیں۔ اب بھی آگ میں ہیں۔ یہ نہایت تصریح ہے۔ کہ وہ لوگ اب بھی آگ سے غائب نہیں ہیں۔ اب بھی یوم الدین ہے۔ آئندہ بھی ہوگا۔ حضرت رسولِ اکرم کے وقت بھی یوم الدین تھا اور اس کے بعد جب یوم الدین کا وعدہ تھا۔ وہ

عہ لسان۔ اور بے مطابق یہ ترتیب بالکل مجیب لغت کی کتاب مختار الصحاح وہی لکھا ہے والکاتب عند العرب العالم وعزو قول تعالیٰ ام عندہ الغیب فھم یکتبون کاتب بمعنی عالم کہ مجھے ہیں اور اسی سے خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ کیا ان کے پاس علم غیب ہے لیکن وہ مثل ہیں اور بھی بیان لکھا گیا ہے قاموس میں بھی کاتب کے معنی عالم لکھے

حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کے زمانے میں ظاہر ہوگیا۔ اسی کو "الیوم الموعود" فرمایا ہے۔

یومُ الدّینِ محمّدی } ہر پیغمبر کے ظہور کا زمانہ خدائی حکومت کا خاص وقتِ ظہور ہوتا ہے۔ دینِ حق نئی شکل میں جلوہ دکھاتا ہے۔ بندوں کو نئی قوتِ روحانی کے ساتھ اطاعتِ الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے۔ مذاہب واقوام کے جھگڑوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ نیکو کو ترقی وعروج اور بدوں کو نیچا دکھا کر جزا سزا دی جاتی ہے۔

یہی تمام حقائق وواقعات اس وقت رونما ہوئے۔ جب حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے خدا نے اپنی حاکمیت کی تجلّی فرمائی۔ دینِ حق بھیجا۔ قوموں کے فیصلے کئے۔ اطاعت کرنے والوں کو بہترین جزا اور نافرمانوں کو سزا دی گئی۔ ان حقائق وواقعات کے ذکر سے قرآن مجید از اوّل تا آخر بھرا پڑا ہے۔ اس سلسلے میں بعض آیات یہاں درج کی جاتی ہیں۔ خوب غور سے فرمائیے۔ قرآن مجید کے پہلے ہی پارے میں فرمایا ہے کہ۔

کنتم امواتاً فاحیاکم } اے لوگو! تم مردہ تھے۔ ہم نے تمہیں زندہ کردیا۔

کس طرح؟ ظہورِ حضرت رسول کریم کے ذریعے "دعاکم لما یحییکم" خدا رسول تمہیں زندگی بخشنے کو بلا رہے ہیں۔

کان میتاً فاحییناہ } ایمان لانے والا شخص مردہ تھا ہم نے اسے جِلا دیا۔

اسی مضمون کو سورۂ ہود میں یوں فرماتا ہے۔ کہ بعثتِ محمدیہ کے ذریعے اب عرب میں نئی زندگی رونما ہے۔ اور لوگ قومی حیاتِ جدید میں مبعوث ہو چکے ہیں۔

ہو رہے ہیں۔ اور اس بعثت کے اثر کو دیکھ کر انکار کرنے والے اسے جادو بتا رہے ہیں۔ کیونکہ بعثت محمدیہ کے اثر سے تو انکار نہیں کر سکتے۔ اور انکار حق پر کمربستہ ہیں۔ اس لئے اثرِ حق کو جادو کہہ کر اپنے دل کو بہلا رہے ہیں۔ ؎
جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے۔ آیت ذیل تلاوت کیجئے

ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین	جب آپ فرمائیں گے۔ کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھائے گئے ہو۔ تو اہلِ انکار کہیں گے کہ یہ تو محض کھلا جادو ہے (سورۂ ہود ع ۱)

اس آیت میں صاف صاف یہ ارشاد ہے کہ تم لوگ قومی طور پر مرنے کے بعد زندہ کئے گئے ہو۔ تو اس حقیقت کو اہلِ ایمان خوب جانتے اور مانتے ہیں اہلِ انکار کہتے ہیں کہ تمہارا اثر تو ضرور ہے۔ لیکن جادو ہے اور باطل چیز کا اثر ہے۔

اس آیت میں یہ کہیں نہیں ہے۔ کہ تم فنائے عالم کے بعد مبعوث کئے جاؤ گے۔ "انکم مبعوثون من بعد الموت" بالکل وہی جملہ ہے۔ جو بنی اسرائیل کے بارے میں خداوند عالم نے پہلے سپارے میں فرمایا ہے۔ کہ

ثم بعثنکم من بعد موتکم۔ } پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد زندہ و مبعوث کیا

یہی حضرت رسولِ اکرم کے ظہور کے وقت اعلان ہو رہا تھا۔ کہ اب مردوں کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ اور بہت سے لوگ زندہ ہو چکے ہیں۔ اور آئندہ اور بھی ہوں گے۔ دینِ محمدی کا ظہور دلوں میں نئی روح ڈال رہا ہے۔ چنانچہ چشمِ عالم نے دیکھ لیا۔ کہ یہ اعلان سراسر حق تھا۔ جو واقعہ بن کر رہا۔

یوم دینِ محمدی کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ اب ہم نے

مومنینِ محمدی کو نہایت مضبوط بنایا ہے۔ کہ ان کا اثر دوسروں پر ہوتا ہے
دوسروں کا اثر ان پر نہیں ہوتا۔

سورۂ صٰفّٰت میں فرماتا ہے:۔

فاستفتھم اھم اشدّ خلقاً ام مّن خلقنا۔ انّا خلقنٰھم مّن طینٍ لازب	ان منکرین سے پوچھئے کہ کیا یہ منکرین بناوٹ میں مضبوط تر ہیں یا جنہیں ہم نے بنایا (یعنی مومنین) ہم نے انہیں مضبوط مٹی سے پیدا کیا۔

پھر فرماتا ہے۔ کہ آپ ان لوگوں پر تعجب کرتے ہیں۔ اور یہ منکرینِ حق مذاق اڑاتے ہیں۔ اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب کوئی آیت دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں (اور مومنوں کی خلقِ جدید کو دیکھ کر) اثرِ محمدی کا انکار تو نہیں کر سکتے۔ اس اثر کو جادو کہہ دیتے ہیں۔

وقالوا ان ھذا الا سحر مّبین ءاذا متنا وکنا ترابًا وّعظامًا ءَ انّا لمبعوثون اوَ اٰباءنا الاوّلون	اور انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ کیا جبکہ ہم مر چکے۔ اور صرف مٹی اور ہڈیاں ہو گئے (روح انسانیت مفقود اور صرف ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے)

تو کیا اب ہم مبعوث کئے گئے ہیں اور کیا ہمارے بزرگ سردار و علماء بھی مبعوث ہوئے ہیں یا ہوں گے؟

اس کے جواب میں خداوند عالم فرماتا ہے:۔

قل نعم وانتم داخرون۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں ہاں تم اور تمہارے بڑے سب مبعوث ہوئے ہیں۔ اور ہوں گے اور تم ذلت میں اٹھائے گئے اور اٹھائے جاؤ گے کیونکہ بعثتِ رسول و ظہورِ حق میں سب لوگ اٹھائے گئے ہیں۔ بعض عزتِ

عسے ایا نوسے مولعات کو اور بڑے دگی جی بیگی جیسی کو تقاد کی جو ہیں پڑے گا بھی پڑے مردا دوں اور بعض کی اطاعت کی۔ اور مردل بعد کو مرد علی علی منتظم پر (نعوذ) دا جی

ہدایت وسعادت میں مبعوث کئے گئے۔ اور بعض ذلت وضلالت وشقاوت میں تیز زور سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

فاذا ھم ینظرون (انشرعتام) یہ بعثت ودعوتِ محمدیہ ایک ڈانٹ ڈپٹ ہے تو لوگ آنکھیں کھول کر دیکھنے لگے ہیں

کوئی جلوۂ حق دیکھتا ہے اور کوئی حیرت ودہشت سے تک رہا ہے (ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ اے رسول! وہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ مگر بصیرت سے نہیں دیکھتے)

وقالو یلویلنا ھذا یوم الدین اور منکروں نے کہا ہائے ہماری تباہی۔ یہ یوم الدین ہے؛ جس میں نیا دین آیا اور ہمیں سزا دیئے جانے کا اعلان ہو رہا ہے خداوندِ عالم فرماتا ہے ھذا یوم الفصل الذی کنتم بہ تکذبون۔ یہ فیصلے کا دن ہے جس کی تم تکذیب کرتے رہے ہو۔

جب مسلمانوں کا غلبہ منکرین پر ہوا تو ان واقعات کا نقشہ سب کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ فتح مکہ اور بدر وغیرہ کے واقعات پر نظر ڈالیئے۔

سورۂ صٰفٰت میں آیت مذکورہ کے بعد ظالموں کی سزایابی کا مفصل ذکر ہے اختصار کی غرض سے ہم صرف ترجمہ لکھ دیتے ہیں۔ مومنوں کو خطاب کرکے خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ تم پر ظلم کر چکے ہیں اور ان کے ساتھی جو اپنے سرداروں کی بندگی میں محو تھے۔ سب کو اکٹھا کرو اور انہیں تباہی و بربادی کی راہ دکھا دو اور انہیں ٹھہراؤ کہ ان سے بازپرس ہوگی۔ کیوں تم اب ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ سر جھکائے ہوئے کھڑے ہیں"

اس کے بعد ظالموں اور ان کے لیڈروں کی باہم گفتگو ہے جس میں وہ ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔

ان تمام آیات میں ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے۔ کہ یہ یوم الدین فنائے عالم کے بعد ہوگا۔ بلکہ صاف صاف وہ واقعات ہیں جو ظہور محمدی میں رونما ہوئے۔ یہ تو مختصر محمدی یوم الدین کا بیان جس کی اور بھی بہت تفصیل قرآن مجید میں ہے۔

یوم الدین یہاں ہے سورۂ ق کے آخر میں خداوند عالم نے اعلان فرمایا ہے کہ

واستمع یوم یناد المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذٰلک یوم الخروج۔ انا نحن نحي و نمیت والینا المصیر۔ یوم تشقق الارض عنھم سراعاً ذٰلک حشرٌ علینا یسیرٌ۔ (پ۲۶ سورۂ ق آخری آیات)	خوب توجہ سے سنتا۔ جب منادی الٰہی (پیغمبر) قریب جگہ (عرب سے قریب ایران) سے ندا بلند کریگا جب لوگ آوازِ حق سنیں گے۔ یہی خروج و ظہور کا دن ہوگا۔ یقیناً ہم ہی جِلا رہے ہیں (ظہور محمدی میں لوگوں کو زندگی عطا فرما رہے ہیں) اور ہمیں انہیں بے روح کر دیں گے۔ اور پھر ہماری طرف رجوع ہوگا۔ جب کہ لوگ بستی سے جلد جلد نکلیں گے۔

یہ لوگوں کو فراہم کرنا ہمارے لئے آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔

اس کے فوراً بعد سورۂ ذٰریات شروع ہوتی ہے جس میں آنے والے یوم الدین کا تفصیل سے ذکر ہے۔ ذیل میں وہ آیت درج کی جاتی ہیں۔

والذّٰریات ذرواً۔ اُن ارواح کے حالات شاہد حقیقت ہیں، جو دین کے

بیج کو بکھیر رہی ہیں۔ فالحٰملٰت وقرًا۔ اور جو نظم ملت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والی ہیں۔ فالجٰریٰت یسرًا اور جو نرم روی کے ساتھ تبلیغ دین میں چل رہی ہیں فالمقسّمٰت امرًا پھر وہ جو امر اللہ یعنی نعمت دین کو دنیا میں ادھر ادھر بانٹ رہی ہیں۔ ایسی ارواح طیبہ کے حالات کا مشاہدہ کرو۔ تو تم پر یقینیاً واضح ہو جائیگا۔ کہ خدا کا نظام دینی ایک منظم و مسلسل تحریک ہے جو اب کبھی نہ ہے اور بعد کو بھی رونما ہونا ضرور ہے۔ جیسا کہ سورہ قٓ کے آخر میں منادی الٰہی کے ظہور کا وعدہ ہے۔ اور یہ بھی اعلان ہے۔ کہ دنیا کے لوگ آوازِ حق ضرور سنیں گے اور قبول بھی کریں گے۔ اور پستی کی حالت سے بھی نکل آئیں گے۔ اور دینی و روحانی زندگی ضرور اختیار کریں گے۔ ان آیتوں کے بعد سورۂ ذٰریٰت میں فرماتا ہے کہ

اِنّما توعدون لصادقٌ	جس (ظہور منادی) کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے وہ صادق ہے۔
وانّ الدّین لواقع	اور دین یقینیاً ظاہر ہوگا۔ منادیِ الٰہی دینِ حق لائیگا اور ماننے والوں کو جزا ضرور ملے گی۔
والسّماءِ ذات الحبُک انکم لفی قول مختلف	قسم ہے اُس آسمانِ دین کی جس میں شکن پڑ گئی ہیں تم لوگ اختلافی باتوں میں گرفتار ہو
یؤفک عنہ من افک	واقع ہونے والے دین سے وہی شخص پھیر دیا جائیگا جو راندۂ درگاہ ہے۔
قتل الخرّاصون الّذین ھم فی غمرۃ	ہلاک ہوئے وہ لوگ جو بے بنیاد خیالات والے

ساھون یسئلون ایان یوم الدین یوم ھم علی النار یفتنون ذوقوا فتنتکم ھٰذا الذی کنتم بہٖ تستعجلون ان المتقین فی جنت وعیون اٰخذین ما اٰتٰھم ربھم انھم کانوا قبل ذٰلک محسنین کانوا قلیلاً من الیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون وفی اموالھم حق للسائل والمحروم

ہیں جو بے دینی و جہالت میں بے سُدھ ہو رہے ہیں پوچھتے ہیں اور پوچھیں گے۔ یوم الدین کب آئیگا۔ جس دن وہ آتش امتحان پر آزمائے جائینگے اپنی آزمائش کا مزہ چکھو۔ تم اسی کی جلدی کرتے تھے۔ پرہیزگار لوگ (رحمت کے) باغوں اور چشموں میں ہیں۔ اُن کے رب نے جو نعمتِ شریعت انہیں دی ہے اُسے مضبوط تھامے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے۔ رات کو کم سوتے تھے (تہجد گذار تھے) صبح سویرے استغفار کرتے تھے۔ ان کے مالوں میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حصہ تھا۔

یہ تو اُن دینداروں کا ذکر کیا۔ جو آنے والے یوم الدین سے پہلے بھی نیکیاں کرتے تھے جس کے نتیجے میں انہیں آنے والے یوم الدین میں ہدایت و رضا الٰہی حاصل ہوئی۔ اب ان مومنین کے علاوہ بھی جو نشانات یوم الدین کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کے متعلق فرماتا ہے وفی الارض اٰیٰت للموقنین اور تمام روئے زمین پر اہلِ یقین کے لئے خدائی امر کے بہت سے نشانات ہیں اور دوسرے کیوں جاؤ وفی انفسکم افلا تبصرون خود تمہارے اندر قدرتِ الٰہی کے نشانات ہیں۔ جو بتاتے ہیں۔ کہ خدا کا دین و قانون ایک ضروری و مؤثر چیز ہے۔ کہ تمہاری فطرت اس کو لازم قرار دیتی ہے۔ خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہو۔ نیز ارض کے معنی پستی بھی ہیں تو معنی یہ ہوئے۔ کہ تم لوگ اوروں کی اور اپنی پستی پر غور کرو گے۔ تو صاف

معلوم ہو جائے گا۔ کہ دین کی ضرورت ہے اور تم اپنے اعمال کی سزا میں ہی
نیچے گر گئے ہو۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون اور تمہاری خوراک یا مایہ
زندگی بلندی میں ہے اور وہ منادیِ الہی یا ظہور دین جس کا تمہیں وعدہ دیا
جارہا ہے۔ وہ بھی بلند تر ارتقائی مقام پر ظہور فرما ہوگا۔

فوربّ السماء والارض انہٗ لحق مثل ما انکم تنطقون	ہر بلند و پست کو نشوو نما و ترقی دینے والے کی قسم کہ یہ وعدۂ دین و یوم الدین برحق ہے۔ اسی کا ظہور یقینی ہے۔ جیسے تم باتیں کرتے ہو

کلمۂ مبارک مثل ما انکم تنطقون کس قدر عظیم برہان فطرت ہے خداوند
عالم فرماتا ہے کہ جس طرح تم باتیں کرتے ہو۔ کہ بچپن میں نہایت بھگانہ باتیں
ہوتی ہیں۔ آہستہ آہستہ عمر اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ تم بولنے میں بھی
خوبی اور عمدگی میں ترقی کرتے ہو جس طرح تمہاری گفتگو میں ترقی ہوتی ہے
اسی طرح تم فہم حقائق و دین میں ترقی کرو گے۔ جیسے تمہارا کلام تدریجی ترقی
کرتا ہوا اعلیٰ کمال حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح دین بھی تدریجی ترقی کرتا ہوا اسکے
طور پر ظہور پذیر ہوگا۔ نطق فہم و ادراک کو بھی کہتے ہیں۔ تو معنی یہ ہوئے کہ جیسے
جیسے انسان فہم و ادراک میں ترقی کریگا۔ دین بھی ترقی کریگا۔ اور اس کی جزا
بھی بہتر صورت میں نمودار ہوگی۔ یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ جس طرح تم
اپنی قوتِ ناطقہ سے کام لے کر بولتے رہتے ہو۔ ویسے ہی کلام خدا کا
نزول اور دینِ حق کا ظہور ہوتا ہی رہیگا۔ یہ امر فطری اور واقعی ہے۔ جس
کے ظہور میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

سورۂ نور میں ایسے لوگوں کا بہت ذکر ہے۔ جو زبان سے تو دینداری کا دعوے کرتے ہیں۔ لیکن عمل اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ سورۂ نور اس بیان پر ختم ہوتی ہے کہ اے مسلمانو! رسول خدا جو دعوت و تبلیغ کر رہے ہیں۔ اس کو معمولی نہ سمجھو۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ جو کوئی آڑ لے کر اطاعت رسول سے نکل جائینگے۔ انہیں ڈرنا چاہیئے۔ کہیں وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔ سلمٰوت وارض میں جو کچھ ہے۔ سب خدا کا ہے۔ وہ تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے۔ اور جس دن لوگ دوبارہ خدا کی طرف متوجہ کئے جائیں گے۔ تو خدا انہیں ان کے کاموں کی خبر دیگا۔ اور خدا سب کچھ جانتا ہے۔ اسی سورۂ نور کی آیت ۲۴ - ۲۵ میں فرماتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو دنیا اور دین میں خدا کی رحمت سے دور کئے گئے ہیں۔ وقت آئے گا۔ کہ جب ان کی زبانیں خود ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ کہ ہم دین سے دور ہو گئے ہیں۔ اور ہاتھ پاؤں اعضاء سے جو کام وہ کریں گے۔ وہ بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان کی ہاتھوں کی تحریر اور دستکاریاں اور کام ان کے پاؤں کی رفتار سب ان کی بے دینی کی گواہ ہونگی۔ کہ ان کے قدم نیکی کے لئے کم اور بدی کی طرف زیادہ بڑھتے ہونگے۔ اور وہ رات دن اپنے بداعمال ہونے اور ادبار میں پڑ جانے کا چرچا کرتے ہوں گے۔ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ انہیں تنزل میں ڈال کر ان کے اعمال کی سزا دیگا۔ اور ساتھ ہی اس تاریکی میں سے دین کی روشنی نمودار کریگا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے یومئذٍ یوفیھم اللّٰہ دینھم الحق و یعلمون ان اللّٰہ ھو الحق المبین اس دن خدا انہیں اُن کا دینِ حق مکمل

شکل میں عطا فرمائے گا۔ اور وہ لوگ جان لیں گے۔ کہ بیشک خدائے تعالیٰ موجود برحق ظاہر و جلوہ گر ہے"!

یہاں صاف الفاظ میں دین عطا فرمانے کا وعدہ ہے اور چونکہ لفظ دین میں جزا کا مفہوم بھی ہے۔ اس لئے یہ بات بھی اس میں آگئی۔ کہ خدا انہیں ان کی پوری جزا دیگا۔ دینِ حق کی شکل میں خدا کی رحمتِ کاملہ کا ملنا بھی ایک امت کیلئے بہترین جزا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ سورۂ صفّت میں فرمایا ہے یوم الدّین میں وہی لوگ رحمتِ حق حاصل کرتے ہیں۔ جو نیکوکار ہوں اور جو بدکار ہوں وہ محروم رہ کر خدا کے غضب سے سزا پاتے ہیں۔ چونکہ لفظِ دین، دین و مذہب اور جزا سزا دونو معنوں کو جامع ہے۔ اس لئے اس کی جامعیت میں دونوں پہلو آگئے۔ پس یوفّیھم اللہ دینھم الحق کے معنے اجامع طور پر یہی ہیں۔ کہ خدا انہیں دینِ حق دے گا۔ اور انہیں جزا سزا دیگا۔ اسی زمانہ کو جب کہ دینِ حق اور جزا سزا کا ظہور ہوتا ہے یوم الدین کہتے ہیں۔ جس کا وعدہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ سورۂ واقعہ میں صاف صاف فرمایا ہے۔ کہ جب ہو جانے والی بات ظاہر ہو جائیگی یعنی وہی جس کا ذکر ذریات میں تھا کہ انّ الدّین لواقع دین جلوہ گر ہوگا۔ اسی کو سورۂ واقعہ میں وہ چیز قرار دیا۔ جو بعض لوگوں کو بلند کر دیگی۔ اور بعض لوگوں کو نیچا دکھائیگی۔ پھر اس کے آگے مقربین اور اصحٰب الیمین اور اصحٰب الشمال (یعنی مومنین و منکرین) کا مفصل ذکر فرمایا ہے۔ مومنوں کے لئے طرح طرح کے انعامات کا ذکر ہے۔ اور منکروں کے لئے قسم قسم کے بُرے حالات اور عذاب کا ذکر ہے۔ یہ سب ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ ھٰذا نزلھم یوم الدّین کہ یہ سب کچھ ان کی مہمانی اور

خوراک روحانی وجسمانی کا انتظام ہے۔ یوم الدین میں سب کہ دین حق ظاہر ہوگا۔
اور نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا کا حکم سنایا جائے گا۔ اور اپنے اپنے اعمال
کے مطابق ہر ایک اپنی کارکردگی کا نتیجہ پائے گا۔ کوئی ترقی و رفعت میں پہنچ
کر بلند مقامات حاصل کریگا۔ کوئی پستی میں گر کر تباہ حال ہوگا۔ اب یہی واقعات
رونما ہو رہے ہیں۔ کیا دیکھنے والے چشم بصیرت سے دیکھ کر یقین نہ کرینگے ؟

سورۂ مدثر میں ہے کہ اصحٰب الیمین (ظہور حق پر ایمان لانے والے) اپنی
جنات ایمان وعرفان میں رہتے ہوئے مجرموں سے (جنہوں نے ظہور حق سے تعلق
پیدا نہ کیا) دریافت کرینگے۔ کس چیز نے تمہیں سقر میں جلایا ہے ؟ سقر ایسی
حالت کا نام ہے۔ جو انسان کی قوتوں خوبیوں اور نعمتوں کو سوختہ کر دے۔ مجرم
کہیں گے ہم نمازی اور عبادت گذار نہ تھے۔ غریبوں کو کھانا نہ کھلاتے تھے۔ ہمدردی
کا مادہ ہم میں نہ تھا۔ اور بے ہودہ فکروں میں مبتلا رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی
بیہودہ فکریں کرتے تھے۔ وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتنا الیقین۔ فما تنفعہم
شفاعۃ الشافعین اور ہم یوم دین کو جھٹلاتے تھے۔ کہ اس زمانہ میں خدا کا دین
نہیں آیا۔ اور ہم جزا سزا کے دل سے قائل نہ تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ ہمیں سزا نہیں
ملیگی۔ یہاں تک کہ اب ہمیں یقین آگیا۔ کہ واقعی ہم خدا کے گرفت میں ہیں۔ اپنی
تباہی کو دیکھ کر یہ یقین آہی جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی سفارشی
کی سفارش کچھ مفید نہیں ہو سکتی۔ انہیں کتنی ہی تبلیغ کیجئے۔ فائدہ نہ اٹھائینگے
ہمیشہ نصیحت سے روگرداں رہیں گے۔

جیسے یہود و نصاریٰ نے ٹھوکر کھائی اور سمجھ لیا۔ کہ ہم تو خدا کے مخصوص

کئے ہوئے ہیں۔ ہم پر ہلاکت نہ آئیگی۔ اسی طرح آج مسلمانوں نے بھی یہی دھوکا کھایا ہے

وقالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللّٰہ واحبّاءہٗ	یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم تو خدا کے بیٹے اور خدا کے پیارے ہیں

خداوند اس کا جواب دیتا ہے۔

قل فلم یعذبکم بذنوبکم	اے پیغمبر! ان سے فرما دیجئے۔ کہ اگر تم خدا کے بیٹے اور پیارے ہو۔ تو پھر خدا تمہارے گناہوں کے باعث تمہیں عذاب کیوں دے رہا ہے۔

یہی جواب مسلمانوں کے لئے ہے۔ کہ اگر تم خدا کے خاص بندے ہو۔ تو خدا تمہیں آج دنیا میں قومی عذاب کیوں دے رہا ہے۔ غلامی اور تباہی میں کیوں ڈال دیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو خاص خطاب فرما کر اس بات کا جواب خدا نے یوں دیا۔

لیس بامانیکم ولا بامانیِّ اھل الکتاب۔ من یعمل سوءً یجز بہٖ	مسلمانو! تمہاری آرزوؤں سے کچھ نہ ہو گا۔ اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے کچھ فائدہ۔ قانونِ حق یہ ہے کہ جو کوئی برائی کریگا۔ اس کا بدلہ پائے گا۔

انہیں حقائق و واقعات کو مدِّ نظر رکھکر خداوند فرماتا ہے کہ "تین و زیتون اور طورِ سینا اور مکہ معظمہ کے واقعات دیکھو۔ جن میں حضرت مسیح۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت محمد، صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ظہورات ہوئے۔ نیک انسان کس قدر بلند مقامات پر پہنچے۔ اور انکار کرنے والے نیچوں سے نیچ

ہو گئے۔ یہ ہر دین کے ظہور پر نیک و بد کی جزا سزا ہوئی۔ پھر فرماتا ہے فما یکذّب بالدّین حیب واقعات یہ ہیں تو اب اے رسول! کون تجھے دین اور جزا سزا کے بارے میں جھٹلا سکتا ہے۔ الیس اللّٰہ باحکم الحاکمین کیا خدا تمام حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟"

اس آیتِ مبارکہ میں دینوں کے ظہور اور پیغمبروں کی آمد کا بھی ذکر فرما دیا اور بتا دیا کہ دین پیغمبر کے ذریعے آتا ہے۔ جو لوگ اس پر چلتے ہیں۔ بلند درجات حاصل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں۔ گہری پستی میں جا پڑتے ہیں۔ یہ واقعات عالمگیر ہیں۔ ہر ظہورِ حق میں ہو چکے ہیں۔ اور یہ سب کچھ خدا کی حکومت و حاکمیت کا ظہور ہوتا ہے۔ تو کیا اب خدا تعالیٰ صاحبِ حکومت نہیں رہا ہے۔ جو اب دین اور جزا سزا کا سلسلہ بند ہو جائے۔ یقیناً خدا احکم الحاکمین تھا اور ہے اور آیندہ بھی رہیگا۔ ولہ الدّین واصباً۔

دین و فرمانروائی اور جزا سزا دینا ہمیشہ ہمیشہ خدا ہی کے لئے مخصوص ہے جسے کبھی انقطاع نہیں۔

دین اور یوم الدّین قرآن مجید کا مرکزی موضوع کلام ہے۔ اس لئے تمام قرآن مجید اسی کی تفصیل میں طرح طرح سے بار بار بیانات فرماتا ہے اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ مضمون تمام کتاب کی جان ہے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ جو متنِ قرآن ہے دین اور یوم الدین کے بارے میں وہ بیان کرتی ہے جس کی تشریح و تفصیل سے سارا قرآن پُر ہے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ میں پہلے یہ بتایا ہے۔ کہ خدا ربّ العٰلمین ہے۔ تمام جہانوں اور لوگوں کو تربیت

ونشو ونما عطا فرماتا ہے۔ اور انہیں رفتہ رفتہ بڑھاتا اور ترقی دیتا جاتا ہے
یہ فیضِ الٰہی دنیاوی اور مادی چیزوں میں ہے۔ اور دینی و روحانی پہلو سے بھی
جاری ہے۔ دین و شریعتِ الٰہیہ کا ظہور تربیت و ترقی عالمِ انسانی میں سب سے
بڑا فیضِ الٰہی ہے۔ جو ہمیشہ جاری رہا ہے اور رہیگا۔ پھر بتایا ہے۔ کہ وہ رحمٰن
و رحیم ہے۔ اس کے تمام کام رحمت پر مبنی ہیں۔ دین و پیغمبر کا ظہور بڑی رحمت
ہے۔ وہ مالکِ یوم الدین ہے۔ یعنی دورِ ضلالت کے بعد جب دین آتا ہے اور
ہدایت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تو اس زمانے کا وہی مالک ہے۔ اسی کے حکم سے
دین آتا ہے۔ اسی کے حکم سے جزا سزا دی جاتی ہے۔ یہ کام صرف اسی کے قبضہ
اقتدار میں ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہو سکتا۔ کہ
دین و شریعت جاری کر سکے۔ اور اپنی اطاعت حاکم مطلق کے طور پر کرا سکے لوگوں
کے مخفی سے مخفی نیک و بد اعمال کی جزا سزا دے سکے۔ چنانچہ اقوام عالم کی تاریخ
شاہد ہے کہ خدا کے سوا کوئی شخص بھی آج تک دین و شریعت نہیں چلا سکا۔ وہی
مالک و مختار ہے۔ دین کا دَور و زمانہ وہی لاتا ہے۔ اور کوئی نہیں لا سکتا۔

ایاکَ نعبد و ایّاکَ نستعین یہ بندوں کا وہ معاہدہ ہے۔ جو عبودیت کے
لئے وہ خدا سے کرتے ہیں۔ کہ ہم صرف تیری ہی عبادت و اطاعت کریں گے۔ تجھی
سے مدد کے طلبگار رہیں گے اور کسی سے نہیں۔ پھر بندے درخواست کرتے

ہمیں اھدنا الصراط المستقیم خدایا! ہمیں دین حق کی سیدھی راہ پر چلا یہاں دین و شریعت کی درخواست ہے کہ ہمیں اپنا دین عطا فرما اور اس پر ہمیں ثابت قدم رکھ۔

صراط الذین انعمت علیھم اس راہ پر ہمیں چلا جس پر تیرے انعام یافتہ بندے چلا کرتے ہیں۔ یعنی تیرا ہی مقرر کردہ دین۔ نہ کہ غلط کار لوگوں کا راستہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اُن لوگوں کی راہ سے ہمیں بچا۔ جن پر تیرا غضب ہوا ہے۔ اور جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔

پس سورۂ فاتحہ میں یوم الدین کی ہر شان کو بیان کر دیا ہے۔ یہ بھی کہ دین کے زمانہ کا مالک خدا ہی ہے۔ دین حکومتِ الٰہیہ ہے۔ دین، خدا کا واجب الاطاعت امر ہے۔ دین کا زمانہ جزا سزا بھی دنیا میں آشکارا کرتا ہے۔ جس کا بیان منعم علیہم، مغضوب علیھم اور ضالین کے ذکر میں فرما دیا۔ انہیں حقائق عالیہ کو قرآن مجید میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

کتاب اللہ کی آمد اور جزا سزا کا ظہور

خداوند عالم کا فیض ازلی ابدی ہے۔ لیکن وہ ظرفِ زمان و مکان کے مطابق نازل ہوتا ہے ان من شیءٍ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہٗ الا بقدرٍ معلوم۔ ہر شے کے خزانے ہمارے پاس ہیں، مگر ہم اُسے ایک معلوم و معیّن مقدار پر نازل کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ دین و شریعت بھی رب العٰلمین کا فیض اعظم ہے۔ لیکن آج تک حسبِ اقتضائے زمانہ اس کا ظہور و نزول ہوتا رہا ہے وکان امر اللہ قدرًا مقدورًا۔ (احزاب) خدا کا امر ایک معین اندازے کے ساتھ

رونما ہوا کرتا ہے۔

ولکل امۃ اجل (اعراف ع ۴) ہر امت کیلئے ایک مقررہ مدت حیات ہوتی ہے جب وہ اپنی قومی زندگی کا دور ختم کر چکتی ہے۔ مردہ قوم بن کر رہ جاتی ہے۔ ولکل اجل کتاب (رعد ع ۶) ہر دور معین کے لئے ایک کتاب الٰہی ہوا کرتی ہے۔ جو امت کو اپنی مدت حیات کا پروگرام بتاتی ہے اور اس پر عمل کرنا امت کا فرض ہوتا ہے۔ اور جب یہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ تو امت بھی بے روح ہو جاتی ہے۔ اور کتاب بھی اپنا اثر دکھانا چھوڑ دیتی ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ اور کتاب نازل کرتا ہے۔ دوسری امت برپا کرتا ہے۔ ہر امت اسی وقت ہلاک ہوتی ہے جب وہ اپنی کتاب پر عمل کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔

وما اهلكنا من قرية الا ولها كتاب معلوم۔ ما تسبق من امة اجلها وما يستأخرون

ہم نے جو بستیاں ہلاک کی تھیں۔ ان کے پاس معلوم و مقررہ کتاب تھی۔ کوئی قوم اپنے وقت مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

کتاب اللہ کسی پیغمبر کے ذریعے آتی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے

وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا وكم اهلكنا من القرون من بعد نوح وكفى بربك بذنوب عباده

ہم جب تک پیغمبر نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے اور کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہیں تو اس کے لئے یہی قانون ہے کہ ہم وہاں آسودہ لوگوں کو اپنا حکم دیتے ہیں۔ وہ حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ تب ان پر قانون جزا کے مطابق الزام ثابت ہو جاتا ہے۔ سو ہم ان بستیوں کو ہلاک اور تباہ حال کر دیتے ہیں۔ نوح کے بعد بہت سے دور ہم ہلاک کر

خبیراً بصیرا (بنی اسرائیل ع۲) } چکے ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں کے گناہ آپ ہی خوب جانتا
ان آیات میں اذا استمرار کے لئے لیا جائے۔ تو یہ قانون استمراری کا بیان ہے
اور اذا ماضی پر داخل ہو۔ تو مستقبل کے معنی بھی ہو جاتے ہیں۔ تو یہ آیات ایک پیغمبر
صاحب امر کے ظہور کی خبر دیتی ہے۔ اور امر اللہ سے سرتابی کرنے والوں کی ہلاکت
وتباہ حالی کے لئے پیشگوئی کرتی ہیں۔ اور دونوں باتیں صحیح اور درست ہیں۔ باہم
کوئی تعارض نہیں۔ ایک ہی حقیقت کا مستمر بیان اور آئندہ اس کے نئے ظہور کا
اعلان ہے۔

چنانچہ آگے چل کر اسی سورۂ بنی اسرائیل میں ایک پیشوا کے عالم کے ظہور کا مژدہ
دیا گیا ہے:۔

یوم ندعوا کل اناس بامامہم } جس دن ہم سب آدمیوں کو ان کے پیشوا کے ذریعے دعوتِ
حق دیں گے۔

پیغمبرِ وقت مقامِ اول میں امام الناس ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا
انی جاعلک للناس اماما۔ میں تجھے لوگوں کے لئے پیشوا بناؤں گا۔ امام کتاب اللہ
کو بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمۃ۔ اس
سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام و رحمت تھی۔ تو آیتِ مبارکہ میں یہ بات بھی آگئی۔ کہ
سب لوگوں کے لئے ایک کتاب نازل کریں گے۔ جس کے ذریعے انہیں دینِ حق کی
دعوت دیں گے۔ فمن اوتی کتابہ بیمینہ فاولئک یقرأون کتابھم ولا یظلمون
فتیلا۔ پس جس کسی کو کتاب داہنے ہاتھ میں دی جائے گی۔ یعنی وہ سیدھے طریق
پر اسے سمجھیگا۔ تو صحیح معنوں میں ایسے ہی لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے۔ اور ان کا

کوئی حق ضائع نہ کیا جائیگا۔

کتابۂ سے مراد ہر شخص کی اپنی پہلی مذہبی کتاب مراد لینا ٹھیک ہے۔ کیونکہ سورۂ جاثیہ میں فرمایا ہے۔ کہ آئیندہ ظہور کے وقت ہر امت کو اُس کی کتاب کی طرف بلایا جائیگا۔ وہ بھی امر اللہ کی جانب رہنمائی کریگا۔

اسی سورۂ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے:۔

یسئلونك عن الروح۔ قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیك ثم لا تجد لك به علینا وکیلا الا رحمة من ربك	تجھ سے روح یعنی وحی الٰہی کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہدو کہ وحی الٰہی امر ربانی ہے اور تمہیں علم تھوڑا ہی ملا ہے۔ اور جب ہم چاہیں گے تو وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی ہے اُسے لے جائیں گے۔ پھر اس کا تم کوئی ذمہ دار نہ پاؤ گے۔ ہاں پروردگار کی رحمت ضرور ذمہ دار ہے۔ رحمت والا پروردگار پھر وحی نازل کر دیگا۔

سورۂ بنی اسرائیل سے آگے سورۂ کہف میں خداوند عالم دو آدمیوں کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ دونوں کے پاس باغ تھے ایک شخص شکر گذار تھا۔ دوسرا ناشکرا ظالم جو کہتا تھا۔ کہ میرا باغ کبھی تباہ نہ ہوگا۔ اور اس پر برا وقت کبھی نہ آئیگا۔ ان دونوں کی گفتگو مفصل ہے۔ آخر اس ظالم ناشکرے کا باغ تباہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کف افسوس ملتا رہتا ہے۔ یہ ان مسلمانوں کا حال بیان فرمایا جو کہتے تھے کہ ہم کبھی تباہ نہ ہوں گے۔ اور ہمارا باغ ملت ہمیشہ شاداب رہیگا۔ مگر ان کے اس زعم کے خلاف واقعات رونما ہو گئے۔ اور وہ اب افسوس کر رہے ہیں۔

پھر ایک اور تمثیل وحی ہے کہ بادل سے صاف شفاف پانی برستا ہے۔ زمین کے

کوڑے کرکٹ سے مل کر خراب ہو جاتا ہے۔ بارش سے سبزہ اُگتا ہے اور پھر سوکھ جاتا ہے۔ یہی حال حیاتِ اقوام کے قانون کے مطابق مسلمانوں کی قوم کا بھی ہو کر رہیگا۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی انقلابِ عالم اور حشرِ اقوام کا ذکر ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا ہے

وعرضوا علیٰ ربک صفّا۔ لقد جئتمونا کما خلقنٰکم اول مرۃ بل زعمتم الن نجعل لکم موعدا	اور تیرے رب کے سامنے صف بستہ پیش کئے جائیں گے۔ یعنی ظہورِ حق کے روبرو ہونگے۔ خدا فرمائیگا اب تم ہمارے پاس اسی طرح آئے ہو۔ جیسے ہم نے تمہیں پہلے دور میں بنایا

تھا۔ یعنی دینِ جدید کی آمد کے وقت تم خدا کے حضور بلائے گئے تھے ویسے ہی اب پھر بلائے گئے ہو مگر تم تو یہ خیال کئے بیٹھے تھے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ گاہ اور وقت آخر مقرر نہ کرینگے اس کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے۔

ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیہ	اور کتابِ الٰہی لاکر رکھ دی جائیگی۔ تو تم دیکھو گے کہ مجرم اس کتاب کی باتوں سے سہمے جا رہے ہیں۔

یہاں صاف الفاظ میں کتاب کا لاکر رکھا جانا بیان فرمایا ہے اور پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ قانونِ الٰہی یہی ہے کہ کتاب اللہ نازل ہوتی ہے۔ لوگ امر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں تب سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

آج کتاب اللہ میں بار بار تصریح سے فرمایا ہے۔ کہ جو جو احکام اب دیئے جا رہے ہیں۔ ان سے سرکشی کرنے والے سزا پائیں گے۔ بلکہ شاہانِ عالم اور بزرگانِ اقوام کو خطاب فرما کر صاف صاف تنبیہات فرمائی تھیں۔ کہ اگر امر اللہ کے خلاف چلوگے۔ تو تباہی کے غار میں گروگے۔ آج واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ لوگوں

نے امراللہ کے پیغام کو قبول نہ کیا۔ وحدت و اتحاد اور اصلاحات کی طرف قدم نہ بڑھایا۔ بلکہ تعصبات و فسادات کی جانب بڑھے۔ قدرت انہیں کے ہاتھوں انہیں سزا دے رہی ہے ایسی خوفناک سزا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ یہی ہے وہ یوم الدین جس کی خبر نبیوں اور مقدس کتابوں نے دی تھی۔

فانظروا یا اولی الابصار

"ظہور اللہ و لقاء اللہ"

باب ہشتم

ظہور اللہ و لقاء اللہ

ذاتِ غیب یہ قطعی طور پر مسلّم ہے کہ خدا ذاتِ غیب ہے۔ اس مفہوم کیلئے خدا کا ایک نام الباطن ہے۔ اسی بات کو قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے "لایحیطون بہ علماً" (طٰہٰ) کہ لوگوں کا علم وادراک خدا پر محیط نہیں ہوسکتا۔ لاتدرکہ الابصار (انعام) عقل و بصر اسے پا نہیں سکتی ہیں۔ کتاب مبارک ایقان میں ارشاد ہے کہ "غیب ہویہ ذاتِ احدیہ بروز وظہور وصعود ونزول۔ دخول وخروج سے مقدس ہے۔ ہر وصف کرنے والے کے وصف سے برتر ہے۔ ہر ایک سمجھنے والے کی سمجھ سے بالاتر ہے وہ ہمیشہ اپنی ذاتِ غیب میں غفا۔ اور اب بھی ہے۔ اور آئندہ بھی اپنی ہستی میں ہمیشہ ابصار و انظار سے پوشیدہ رہیگا۔ لاتدرکہ الابصار و یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر (سورۃ الانعام) اُسے ابصار ادراک نہیں کرسکتیں۔ وہ ابصار کو ادراک کرتا ہے وہ لطیف و خبیر ہے"

"تمام انبیاء۔ اوصیاء۔ علماء عرفاء۔ حکماء۔ اس جوہر الجواہر کی معرفت تک نہ پہنچ سکنے کا اعتراف کرتے ہیں اور اس حقیقت الحقائق کے عرفان سے عاجز ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔"

مظاہر قدرت — خدا ذات غیب ہے۔ اور اس کا نام الباطن ہے ساتھ ہی اس کا نام الظاہر بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ باطن ہونے ہوئے بھی ظہور فرماتا ہے۔ اللّٰہ نور السّمٰوت والارض (سورۂ نور) خدا تمام آسمان و زمین کی روشنی ہے۔

مظاہر عام — کتاب الیقان میں ارشاد ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ صفات و اسمائے الٰہی کا جلوہ گاہ ہے چنانچہ ہر ذرّے میں اُس آفتاب حقیقی کی تجلّی کے آثار ظاہر و ہویدا ہیں" (الیقان)

مظاہر خاص — تمام موجودات میں سے خاص طور پر انسان اس خلعت سے مخصوص اور اس شرف سے ممتاز ہوا ہے۔ چنانچہ تمام صفات و اسمائے الٰہی، انسانی مظاہر کے ذریعے اکمل و اشرف طور پر نمودار ہیں" الیقان" انسان جو مخلوقات میں سب سے اشرف و اکمل ہے، سب چیزوں سے زیادہ قدرت الٰہی پر دلالت کرتا ہے۔ اور سب معلولات سے بڑھ کر خدا کی قدرت کا نشان ہے (الیقان)

مظاہرِ اخصّ و اعلیٰ — اور انسانوں میں سب سے کامل۔ افضل اور لطیف ترین نمایندے آفتاب حقیقت کے مظاہر ہیں"۔ اور یہ قدسی ہیاکل اوّلین قدیم آئینے ہیں جو غیب الغیوب اور اُس کے تمام اسماء و صفات اس کے علم و قدرت اور سلطنت و عظمت۔ رحمت و حکمت و عزت و جود و کرم کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تمام صفات ان جواہر احدیہ کے ذریعے ظاہر و ہویدا ہوتی ہیں اور یہ صفات صرف چند پیغمبروں سے مخصوص نہیں بلکہ تمام مقرب پیغمبر

اور مقدس اصفیا ان صفات سے موصوف اور ان اسماء سے موسوم ہیں نہایت یہ ہے کہ بعض پیغمبر بعض مراتب میں ظہور کے لحاظ سے بڑھ کر اور نور کے لحاظ سے برتر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض (ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے) (القان)

حضرت بہاء اللہ لوح تفسیر والشمس میں فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح یہ بندہ تم کو نصیحت کرتا ہے جس کے وجود کا ہر ایک عضو اور رگ رگ اس بات کی شاہد ہے۔ کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ سے اپنی عظمت و جلال کی بلندی اور رفعت و اجلال کی برتری میں ہے۔ اور جن لوگوں کو اس نے حق و ہدایت کے ساتھ بھیجا یہ لوگ اس کی مخلوق ہیں۔ اس کی وحی کے مشارق اور اس کے بندوں کے درمیان اس کے امر کے مطالع اور اس کے الہام کے سرچشمے ہیں۔ انہیں کے ذریعے اسرار ظاہر ہوئے اور شریعتیں قائم ہوئیں اور خداوند غالب و مختار کا امر روشن ہوا۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی علیم و خبیر۔"

حضرت محمدؐ بھی مطلع اسمائے حسنیٰ تھے

اسی لوح تفسیر والشمس میں حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں:۔

درود و سلام اسمائے حسنیٰ و صفات علیاء کے اس مطلع پر جس کے نام کے ہر حرف میں اسمائے حسنیٰ کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ اور اس کے ذریعے عالم غیب و شہود کے کل وجود آراستہ ہوئے جس کا نام ملکوت اسماء میں محمدؐ رکھا گیا اور جبروت بقاء میں احمدؐ کے نام سے موسوم ہوا۔"

تمام مظاہر اعلیٰ کی نسبت کتاب ایقان میں فرماتے ہیں کہ :-

"یہ قِدم کے آئینے اور ہویت کے مطالع اس آفتاب وجود اور جوہر مقصود کی نمایندگی کرتے ہیں۔ مثلاً ان کا علم اس کے علم کا نمایندہ ہوتا ہے۔ ان کی قدرت اس کی قدرت کا نشان ہوتی ہے۔ اُن کی سلطنت اس کی سلطنت کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کا جمال اس کے جمال کا جلوہ دکھاتا ہے۔ ان کا ظہور اس کے ظہور سے ہی ہوتا ہے"۔

اور فرماتے ہیں :-

"اُن مقدس انوار کی ملاقات سے خدا کی ملاقات حاصل ہوتی ہے اور ان کے علم سے خدا کا علم اور ان کے چہرے سے خدا کا چہرہ" (ایقان)

پیغمبر کا مقام فنا از نفس و بقا باللہ ہے۔ پیغمبر جو کچھ کرتا ہے خدا کے حکم سے کرتا ہے۔ ما کان لرسول ان یأتی بایۃ الا باذن اللہ (رعد ع) کسی رسول کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کوئی آیت و حکم خدا کی اجازت کے بغیر دے سکے۔ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ (سورۂ نجم ع) پیغمبر اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ وحیِ الٰہی سے بولتا ہے۔ قل ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ (انعام ع) اے پیغمبر کہدے کہ میں تو صرف وحیِ الٰہی کی اطاعت کرتا ہوں۔ قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین (انعام ع) کہدے کہ میری نماز۔ میری قربانی۔ میرا جینا میرا مرنا سب خدائے رب العلمین کے لئے ہو۔ پیغمبر کا اپنے آپ کو خدا کے حضور فنا کرنے اور صرف تجلیِ الٰہی کے باقی رہنے کا بیان کلام الٰہی میں بکثرت

ہے اور یہ مقام فنا از نفس اور بقا باللہ کا مقام ہے۔ اور یہ کلمہ اگر ذکر ہوتا ہے تو نیستیِ محض پر دلالت کرتا ہے۔ یہ مقام ایسا مقام ہے جس کی بابت کہا گیا ہے کہ نہیں اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک ہوں اور نہ حیات و نشور کا"

(لوح ابن ذئب اردو ص ۲۹)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنِ الحکم اِلَّا للّٰہ (انعام ع) ولا یشرک فی حکمہٖ احداً۔ (کہف ع) حکم کرنا صرف خدا کا حق ہے اور خدا اپنی حاکمیت میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔ اس کے ساتھ ہی رسول کو حاکم بناتا ہوا فرماتا ہے فاحکم بینھم بما انزل اللّٰہ (مائدۃ ع) تو وحی خدا کے مطابق ان میں حکم کر" تو کیا خدا نے رسولوں کو شریک حکم بنا لیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اپنا محکوم اور خلق کا حاکم بنایا۔ یہ خدا کی حکومت کا ظہور ہے جس کا مظہر اعلیٰ پیغمبر کو مقرر فرمایا ہے یہاں پیغمبر ذاتی لحاظ سے فنا کے مقام میں ہے اور خدا ہی حاکم ہے۔ یعنی پیغمبر کا ذاتی حکم کچھ نہیں وجود بھی کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے خدا کا حکم ہے۔ خدا سے الگ ہو کر تو رسول کا حکم ہی نہیں وجود بھی کچھ نہیں۔ کیونکہ کلّ شیءٍ ھالکٌ الا وجھہٗ ہر چیز فانی و نابود ہے۔ صرف جلوۂ الٰہی یا توجہ خداوندی مقام بقا میں ہے۔ اگر خدا کا جلوۂ قدرت نہ ہو۔ تو کوئی چیز ہستی بھی نہیں رکھ سکتی۔ پس حقیقت میں حاکم صرف خدا ہے اور حاکمیت خدا ہی کا مقام ہے۔ اسی حاکم مطلق نے رسول کو خلق پر حاکم بنایا ہے۔ اسی بات کو نیابت یا مظہریت کہتے ہیں۔ یعنی رسول حاکمیتِ الٰہیہ کا مظہر ہے از خود کچھ نہیں۔ خدا نے ہی اسے اس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتّٰی یحکموک فی ما شجر بینھم ثمّ لا

یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً (نساء ع ۹) تیرے رب کی قسم
یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنے اختلافات میں حکم نہ بنا لیں۔
اور جو فیصلہ تو کر دے اُسے کھلے دل سے قبول نہ کر لیں۔ اور بے چون و چرا تسلیم نہ
کر لیں۔ پس خداوند عالم نے پیغمبر کو واجب التسلیم حاکم و حکم مقرر فرمایا۔ یہی مظہر یت ہے

قولِ رسول قولِ الٰہی ہے خداوند عالم اپنی وحی کو اپنا قول کہتا ہے۔ قولہ الحق
(انعام ع ۹) لقد وصلنا لھم القول (قصص ع ۶) اس
کے ساتھ ہی اپنے قول و کلام کو رسول کا قول کہتا ہے انہٗ لقول رسول کریم (حاقہ ع ۲)
یہ قرآن رسولِ کریم کا قول ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کلام خدا نے فرمایا ہے رسول کی
کی زبانی ظاہر ہوا۔ تو اُسے خدا کا قول کہئے یا رسول کا قول کہئے۔ اپنے اپنے مقام پر
ہر ایک نسبت درست ہے۔ خدا کا قول اصل حقیقت کے لحاظ سے ہے اور رسول کا
قول واسطہ ہونے کے لحاظ سے ہے یعنی رسول، خدا کی صفت کلام کا مظہر یا جلوہ گاہ
ہے۔ جیسے زبان، انسان کی صفت کلام کے لئے مظہر یا جلوہ گاہ ہے۔ اسی وجہ سے
آدمی دونوں طرح کی عبارت استعمال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا کہا مان لیجئے۔ یوں
بھی کہتا ہے کہ میری زبان کا اعتبار کیجئے۔ ان دونوں عبارتوں کا ایک ہی مدعا ہے
اور دونوں صحیح ہیں۔ قول کو خود اپنی طرف نسبت کیجئے یا زبان کی طرف نسبت کیجئے۔
کوئی فرق نہیں۔ تمام قرآن لفظِ قل سے بھرا پڑا ہے۔ قل یعنی اسے پیغمبر کہہ سے
اس اعتبار سے تمام قرآن قولِ رسول ہوا۔ اور اصل متکلم کے لحاظ سے قولِ خدا ہے
دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ بلکہ اس سے اصل حاکم اور نائب۔ مظہر اور مظہر
کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔

فعلِ رسول فعلِ الٰہی ہے

قرآن مجید میں فرماتا ہے ما رمیت اذ رمیت ولکنّ اللہ رمٰی (انفال ع۲) اے رسول! جب تو نے کنکریاں پھینکیں تھیں تو تو نے نہ پھینکیں تھیں۔ مگر خدا نے پھینکی تھیں۔"

یہاں صاف صاف فرماتا ہے۔ کہ اے رسول! تو نے جو کنکریاں پھینکی تھیں۔ وہ تو نے نہیں خدا نے پھینکی تھیں۔ اس عبارت سے یہ نہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ یہاں رسول خود خدا بنتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مقصد یہی ہے کہ باوجودیکہ ظاہر ظاہر میں خود رسول نے ہی کنکریاں پھینکی تھیں۔ لیکن خدا اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ اصل میں تو قوت الٰہیہ تھی جو رسول کے وجود میں کام کر رہی تھی۔ اس لئے رسول کے وجود کو یہاں مقام فنا میں رکھا اور بقاء باللہ کے لحاظ سے فعل رسول کو فعل خدا کہا۔ کیونکہ حقیقت میں قوت و قدرت تو خدا ہی کی تھی۔ جو رسول کے ہاتھوں ظاہر ہوئی۔ رسول تو صرف مظہر تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے خدا نے رسول سے بیعت کرنے والوں کو خدا سے بیعت کرنے والا بنایا ہے اور رسول کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ ان الّذین یبایعونک انّما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم (فتح ع۱) اے رسول! جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں حقیقت یہی ہے کہ وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

اسی حقیقت کو روشن کرنے کے لئے چند آیات قرآنی اور بھی لکھی جاتی ہیں:۔

اصل	ترجمہ
(۱) ومن یطع اللہ ورسولہ (نساء ع۹۔ احزاب ع۹۔ فتح ع۲)	جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریگا۔

(۲) اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول (نساء ع۸۔ مائدہ رکوع۱۲۔ تغابن ع۲۔ نور ع۷)	اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔
(۳) اطیعوا اللّٰہ و رسولہٗ (انفال ع۱۔ مجادلہ ع۲)	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔
(۴) اطیعوا اللّٰہ و الرّسول آل عمران ع۴۔ ع۱۴)	اللہ اور رسول کی اطاعت کرو
(۵) و من یّطع اللّٰہ و الرسول (نساء ع۹)	جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریگا۔
(۶) و من یّطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (نساء ع۱۱)	جو کوئی رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی اللہ کا فرمانبردار ہے
(۷) و من یّعص اللّٰہ و رسولہٗ (نساء ع۲۔ احزاب ع۵۔ جن ع۲)	جو اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہو۔
(۸) استجیبوا اللّٰہ و الرّسول (انفال ع۳)	اللہ اور رسول کی بات مانو۔
(۹) الّذین استجابوا اللّٰہ و للرّسول (آل عمران ۱۸)	جو لوگ اللہ اور رسول کی بات مانتے ہیں۔
(۱۰) فردّوہ الی اللّٰہ و الرّسول (نساء ع۸)	تو اسے اللہ اور رسول کے سامنے پیش کرو۔
(۱۱) قل الانفال للّٰہ و الرّسول (انفال ع۱)	کہہ دے مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔

(۱۲) للہ العزۃ ولرسولہ (منافقون ع۱)	عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی۔
(۱۳) ما حرم اللہ ورسولہ (توبہ ع۴)	جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے
(۱۴) ما اٰتٰھم اللہ ورسولہ توبہ ع۷	جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا۔
(۱۵) سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ (توبہ ع۷)	ہمیں خدا اپنے فضل سے اور اس کا رسول دیگا۔
(۱۶) واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ (توبہ ع۸)	اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اسے خوش کیا جائے
(۱۷) اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ توبہ ع۱۰	اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انہیں مالدار بنا دیا
(۱۸) اذا قضی اللہ ورسولہ امراً (احزاب ع۵)	جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کرے۔
(۱۹) ومن یتول اللہ ورسولہ (مائدہ ع۸)	جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے۔
(۲۰) الذین یحاربون اللہ ورسولہ (مائدہ ع۵)	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں
(۲۱) شاقوا اللہ ورسولہ (انفال ع۲۔ حشر ع۱)	اللہ اور اس کے رسول کی انہوں نے مخالفت کی۔

(۲۲) ومن یحاد د اللہ ورسولہ (توبہ ع)	جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی جھگڑا کرے
(۲۳) لمن حارب اللہ و رسولہ (احزاب ع)	اس شخص کیلیے جو اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرے
(۲۴) وان کنتن تردن اللہ و رسولہ (احزاب ع)	اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو چاہتی ہو
(۲۵) ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ (احزاب ع)	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں
(۲۶) من حاد اللہ ورسولہ (مجادلہ ع)	جس نے اللہ اور اس کے رسول سے عداوت کی
(۲۷) ینصرون اللہ ورسولہ (حشر رکوع)	مؤمن اللہ اور رسول کی مدد کرتے ہیں
(۲۸) مہاجراً الی اللہ ورسولہ (نساء ع)	جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے
(۲۹) لاتقدموا بین اللہ ورسولہ (حجرات ع)	مومنو اللہ اور رسول کے آگے مت چلو۔
(۳۰) فاذا جاء رسولہم قضی بینہم (یونس ع)	جب ان کا رسول آجاتا ہے ان میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے
(۳۱) وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ	ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا۔ کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے

ان تمام آیات مبارکہ میں خدا اور رسول کی نسبت کتنے الفاظ ہیں۔ جن میں خدا اور رسولؐ کو ایک ساتھ ذکر فرمایا۔ اور بتایا ہے۔ کہ ان امور میں خدا اور رسول کی یگانگت ہے۔ مثلاً کتنی ہی آیتوں میں خدا اور اس کی اطاعت کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا ہے۔ کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت میں ہی مضمر ہے۔ یا یوں کہیئے۔ کہ رسولؐ کی اطاعت کوئی الگ چیز نہیں۔ وہ صرف خدا کی ہی اطاعت ہے۔ مگر چونکہ اطاعت کا تمام دستور العمل رسول کے ذریعے ہی انسان کو ملتا ہے۔ اسلئے

رسولؐ کا ذکر بھی ہے۔ ورنہ اصل میں اطاعت تو صرف خدا کی ہے۔ اب بار بار اطاعتِ
رسولؐ کا حکم دینا کیا یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ خدا اپنے ساتھ رسولؐ کو بھی شریک کرنے
کا حکم دیتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مقصد یہی ہے۔ کہ خدا کی اطاعت کا ظہور اب خدا کے
مظہر پیغمبرؐ کی اطاعت میں ہے۔ قل اِن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (آل عمران ع)
اے رسول کہہ دے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو۔ تو میری اطاعت کرو۔ خدا تم سے محبت کریگا۔
اسی حقیقت کو یوں فرمایا۔ کہ تم معاملات خدا اور رسولؐ کے سامنے پیش کرو۔ روشن ہے۔
کہ بندوں کے سامنے تو صرف رسولؐ تھا۔ اس کے حضور میں معاملات کو پیش کرنا ہی
خدا کے حضور میں پیش کرنا تھا۔

اسی طرح خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کا حکم ہے اور عجیب بات ہے
کہ اس آیت میں یوں فرمایا ہے۔ کہ خدا اور رسولؐ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس
کو خوش کیا جائے ”ان یرضوہ“ اس کو راضی کیا جائے۔ اس میں ضمیر مفرد رکھ کر خدا اور
رسولؐ کی یگانگت ظاہر فرما دی۔ اس نظر سے خدا اور رسولؐ الگ الگ نہیں۔

اسی طرح فرمایا کہ اللہ اور رسول کا فیصلہ ایک ہی ہے۔ یعنی فیصلہ تو اصل میں
خدا ہی کا ہے۔ مگر وہ رسولؐ کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ فرمانا کہ یہ لوگ اللہ اور
رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ خدا رسولؐ کی یگانگت کا اعلان ہے۔ کہ اس آیت میں رسولؐ کو ایذا
دینا خدا کو ایذا دینا قرار دیا ہے۔ خدا تو اس بات سے منزہ و مقدس ہے۔ کہ اسے کوئی
ایذا دے سکے۔ تو پھر یہ کہنا۔ کہ جو اللہ کو ایذا دیتے ہیں۔ یہی معنی رکھتا ہے۔ کہ رسولؐ
کو ایذا دینا اللہ کو ایذا دینا ہے۔ اسی طرح ساتھ ساتھ بہت سی باتوں کو ملا کر خدا اور
رسولؐ کی یگانگت کو بتایا۔ مثلاً یہ فرمانا کہ اللہ اور رسولؐ کے آگے مت چلو۔ بھلا اللہ کہاں

چلتا ہوا دکھائی دیا۔ جس کے آگے لوگ ہیں پیچھے۔ البتہ رسولؐ زمین پر چلتے تھے۔ تو خدا نے لوگوں کو ادب سکھایا۔ یا کہ رسولؐ کے آگے مت چلو۔ پیچھے رہو۔ اور اس بات کو یوں کہا۔ کہ اللہ اور رسولؐ کے آگے مت چلو۔ تو بین یدی اللہ کا مظاہرہ بین یدی رسول اللہ میں ہوا مگر اس طرح ملا کر فرمایا۔ کہ اللہ اور رسولؐ کے آگے مت چلو یعنی مظہر کی بے ادبی کرنا مظہر یعنی خدا کی بے ادبی ہے۔

ان آیات پر خوب غور کیجئے۔ تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہو جائیگا۔ کہ رسولؐ کی حیثیت اپنے ذاتی وجود کے اعتبار سے مقام فنا میں ہے۔ اور مظہر حق ہونے کے اعتبار سے مقام بقا میں ہے۔ یہ کیفیت ہر ظہور حق میں نمودار ہوتی رہی ہے۔ اب حضرت بہاء اللہ کے زمانہ ظہور میں یہ کیفیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ نہایت ہی عظیم پیرائے میں ظاہر ہوئی۔ یہاں تک کہ فرماتے ہیں۔ آج خدا کا دن ہے۔ اس میں سوائے خدا کے کسی کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ آفتاب الوہیت کی کرنوں نے تمام اسماء و القاب کو ہی سوختہ کر دیا ہے۔ اور جیسے چودھویں کے چاند کی روشنی میں تارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ الفاظ نبیؐ و رسولؐ اس تجلی اعظم میں محو ہیں یہی راز تھا جو پیغمبروں نے کہا تھا۔ کہ خود خدا آئیگا اور خدا نے بار بار فرمایا تھا۔ کہ میں آؤنگا اور بندے خدا کے پاس حاضر ہوں گے۔

بندوں کا خدا کے پاس آنا (۱) من اتی اللہ بقلب سلیم (شعراء ع) جو کوئی تندرست دل لیکر خدا کے پاس آئیگا (۲) حتیٰ اذا جاءنا (زخرف ع) یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آتا ہے (۳) لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرۃ (انعام ع) تم ہمارے پاس آئے ہو۔ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا (۴) من یات ربہ مجرما (طٰہٰ ع) جو اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئیگا (۵) ومن یاتہ مؤمنا (طٰہٰ ع) اور جو اس کے پاس

مومن بن کر آئیگا (۶) لقد جئتمونا فرادیٰ کما خلقنٰکم اول مرۃ (انعام) تم تنہا تنہا ہمارے پاس آئے ہو۔ جیسا ہم نے پہلی بار تمہیں بنایا تھا (۷) ویاتینا فرداً (مریم ۵) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئیگا (۸) وکلھم اٰتیہ یوم القیٰمۃ فرداً (مریم ع) اور سب لوگ قیامت کے دن خدا کے پاس آئینگے۔ (۹) اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا (مریم ع) کسقدر سنتے اور دیکھتے ہونگے جسدن ہمارے پاس آئینگے (۱۰) یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفداً (مریم ع) جس دن ہم پرہیزگاروں کو بارگاہ رحمٰن میں وارد کریں گے (۱۱) یوم یقوم الناس لرب العٰلمین (تطفیف) جسدن لوگ رب العٰلمین کے حضور کھڑے ہونگے

خدا کا بندوں کے پاس آنا (۱) فاتی اللہ بنیانھم (نحل ع) خدا ان کی عمارتوں میں آ گیا (۲) وجاء ربك (فجر ع) اور تیرا پروردگار آئیگا (۳) ولقد جئنٰھم بکتاب اور ہم اُن کے پاس کتاب لیکر آئے ہیں (۴) جئنا من کل امۃ بشھید (نساء ع) اور ہر جماعت میں سے گواہ لیکر ہم آئینگے (۵) جئنا بك علیٰ ھؤلاء شھیدا (نساء ع) اور ان پر ہم تجھے گواہ لیکر آئینگے (۶) ھل ینظرون الا ان یأتیھم اللہ (بقرہ ۲۸) یہ لوگ یہی انتظار کرتے ہیں کہ خدا ان کے پاس آ جائے (۷) ھل ینظرون الا ان یاتی ربك (انعام ع) یہی انتظار کرتے ہیں کہ تیرا پروردگار آجائے (۸) وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ (قیامت ۲) بہت سے چہرے اس دن تر و تازہ ہونگے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے۔

ان تمام آیاتِ مبارکہ میں بندوں کا خدا کے پاس آنا تصریح سے مذکور ہے اب غور طلب امر یہ ہے۔ کہ ان آیات کا مفہوم کیا ہے۔ خدا کا بندوں کے پاس اور بندوں کا خدا کے پاس آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر نقلِ مکانی کے طور پر خدا بندوں کے پاس آتا ہے۔ تو ظاہر ہے یہ خدا کے لئے جسم محدودیت کا اثبات ہے۔ اسی طرح بندوں کا خدا کے پاس جانا اگر اس طرح ہے کہ

بندے کہیں سے چل کہ کہیں دوسری جگہ جاکر خدا کے پاس پہنچتے ہیں تو بھی وہی تجسم کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ اگر خدا ہر جگہ موجود اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ تو پھر بندوں کا خدا کے پاس جانا کیا بات ہوئی؟ خدا کو کسی دور جگہ عرش پر سمجھ کر خیال کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام آسمانوں کا سفر طے کر کے خدا کے پاس پہنچے تھے۔ اور پھر حضرت موسیٰ کے سمجھانے پہ بار بار لوٹ کر خدا کے پاس گئے۔ سو اگر قرآن خدا کو مجسم و محدود بناتا ہے۔ تو یہ باتیں صحیح ہو سکتی ہیں۔ ورنہ بالکل خلاف حقیقت ہیں۔ اور اگر قرآن خدا کو مجسم و محدود نہیں کہتا۔ تو پھر خدا کا بندوں کے پاس آنا یا بندوں کا خدا کے پاس جانا کچھ اور حقیقت رکھتا ہے۔ جسے معقول رنگ میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کہ نہ عقل سلیم کے خلاف ہو اور نہ مسلمات قرآن کے خلاف ہو۔ اب سمجھئے کہ بندوں کا خدا کے پاس جانا یہ ہے۔ کہ انسان کے دل سے پردے ہٹ جائیں۔ اور وہ چشم بصیرت سے رحمت یا قہر الٰہی کی تجلی دیکھ لے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو حضور خداوندی میں مشاہدہ کرے۔ یہ کیفیت زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی انسانوں کو حسب حالات پیش آتی رہتی ہے۔ لیکن اس حقیقت کا سب سے بڑا ظہور اُس وقت ہوتا ہے۔ جب کہ خدا تعالےٰ اپنی تجلی اعظم کسی پیغمبر یا مظہر ظہور کے ذریعے دنیا میں ظاہر فرماتا ہے سب سے بڑی رحمت کا وقت یہی ہوتا ہے۔ جو ابدی رحمت ساتھ لاتا ہے اور یہی قہر کا بڑا وقت ہوتا ہے۔ کہ تمام قہر اسی سے نمودار ہوتے ہیں۔ جو کوئی مظہر ظہور الٰہی کے ذریعے چشم حق بیں سے جلوۂ الٰہی دیکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر

کوئی بصیر اور خوش نصیب نہیں اور جو کوئی اس آفتاب ظہور کو نہیں دیکھ سکتا وہ ہمیشہ کیلئے دیدِ حق سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ مظہرِ ظہور ہی وہ باب رحمت ہے جس کے ذریعے انسان نعیم ابدی اور عرفانِ الٰہی کی جنت میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس سے باہر رہ کر ہلاکت ظلمت میں گرفتار ہوتا ہے۔ آیاتِ مذکورہ میں کس قدر وضاحت اور کس قدر صراحت سے فرما دیا ہے۔ کہ قیامت کے دن خدا اپنے بندوں کے پاس آئیگا اور بندے خدا کے پاس آئینگے جیسے کلامِ الٰہی پیغمبر کی زبان سے ہی ظاہر ہوتا ہے یعنی پیغمبر کے ذریعے خدا اپنے بندوں سے باتیں کرتا ہے۔ یونہی پیغمبر کے ذریعے خدا بندوں سے ملتا ہے۔ اور بندے خدا سے ملتے ہیں یہ حقیقت ہر پیغمبر کے وقت نمودار ہوتی رہی اور ہر پیغمبر کا زمانۂ ظہور ہی قیامت کا دن تھا۔ مگر ساتھ ہی ہر پیغمبر نے بڑے زور سے بشارت دی تھی۔ کہ بڑی قیامت آنیوالی ہے جس میں خدا اپنے بندوں سے ملیگا۔ ان سے باتیں کریگا۔ اور انہیں اپنے پاس بلائیگا۔ اور بندے خدا کے پاس جائینگے۔ اور اس سے ملاقات کرینگے اس بیان کی حقیقت وہی ہے جو ذکر کی گئی ہے کہ پیغمبر یا مظہرِ الٰہی کے ذریعے یہ ملاقات حاصل ہوتی ہے اب وہ قیامت کبریٰ اپنے وقت پر آگئی۔ اور مظہرِ ظہور نے صور پھونک دیا۔ ندائے الٰہی بلند کر دی اہلِ بصیرت جمالِ حق دیکھنے لگے۔ اور بیمار آنکھوں والے چکاچوند میں پڑے ہوئے ہیں اور حیرت سے آنکھیں مل رہے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا تھا کہ بہت سے لوگ اس دن اپنے رب کا جلوہ دیکھیں گے اور بہت سے اہلِ حجاب دیدارِ حق سے محجوب و محروم رہیں گے۔

آیاتِ لقاء خدائے واحد شاہد ہے۔ کہ لقاء سے بڑھکر کوئی بات اور اس سے زیادہ صریح تر کوئی ذکر قرآن میں نہیں ہے (ایقان) (۱) الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون (بقرہ ع ۵) جو لوگ یقین رکھتے تھے۔ کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (۲) واتقوا اللہ واعلموا انکم ملقوہ (بقرہ ع ۲۸) اور خدا سے ڈرو اور

یقین کرو کہ تم اس سے ملنے والے ہو (۳) قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ (انعام ع) جن لوگوں نے خدا کی ملاقات کا انکار کر دیا۔ وہ ضرر خسارہ میں پڑ گئے ہیں پڑ گئے ہیں۔ (۴) ثم اتینا موسی الکتاب تماما علی الذی احسن و تفصیلا لکل شیء و ھدی و رحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون (انعام ع۱۹) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ نیکوکار پر اپنی نعمت پوری کرنے کو اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت و رحمت تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان رکھیں۔ (۵) ان الذین لا یرجون لقاءنا و رضوا بالحیوۃ الدنیا و اطمانوا بھا و الذین ھم عن ایتنا غفلون اولئک ماوھم النار بما کانوا یکسبون (یونس ع) جو لوگ ہماری ملاقات کی آرزو نہیں رکھتے اور سفلی زندگی میں مگن اور مطمئن ہیں اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا ٹھکانا آگ ہے (۶) یوم یحشرھم کان لم یلبثوا الا ساعۃ من النھار یتعارفون بینھم قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ وما کانوا مھتدین (یونس ع۵) جس دن خدا انہیں جمع کریگا۔ گویا وہ دن کی ایک گھڑی ٹھہرے۔ آپس میں تعارف حاصل کرتے ہونگے۔ جن لوگوں نے خدا کی ملاقات کو جھوٹا بنایا۔ وہ خسارے میں پڑ گئے۔ اور ہدایت یافتہ نہیں۔ (۷) وما انا بطارد الذین امنوا انھم ملقوا ربھم ولکنی اراکم قوما تجھلون (ہود ع) اور نوحؑ نے کہا۔ کہ میں ایمانداروں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں۔ وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں تم نادان قوم ہو (۸) یدبر الامر یفصل الایت لعلکم بلقاء ربکم توقنون (رعد ع) خدا امر کی تدبیر۔ آیات کی تفصیل کرتا ہے۔ تاکہ تم اپنے رب کی لقاء کا یقین

کرو (۹) الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون صنعا۔ اولٰئک الذین کفروا بآیٰت ربھم ولقائہٖ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا (کہف ع۱۲) جن لوگوں کو تمام کوششیں دنیاوی زندگی میں محو ہو گئی۔ اور اس خیال میں نازاں ہیں کہ ہم تو بہترین ہنرمند اور دستکار ہیں ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کر دیا ہے۔ سو ان کے کام ضائع ہو گئے۔ ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے (۱۰) وقال الذین لا یرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملائکۃ او نری ربنا۔ لقد استکبروا فی انفسھم وعتو عتوًا کبیرًا (فرقان ع۳) اور جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ اترے یا ہم خود اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھ لیتے۔ یہ لوگ اپنے جی میں بڑے بنتے ہیں۔ اور بڑی سرکشی کر رہے ہیں (۱۱) من کان یرجوا لقاء اللہ فان اجل اللہ لآت وھو السمیع العلیم (عنکبوت ع۱) جو کوئی لقائے الٰہی کی آرزو رکھتا ہے تو خدا کا مقررہ وقت یقیناً آ رہا ہے (۱۲) والذین کفروا بآیٰت اللہ ولقائہٖ اولٰئک یئسوا من رحمتی واولٰئک لھم عذاب الیم (عنکبوت ع۳) جو لوگ خدا کی آیات اور اس کی ملاقات سے منکر ہیں وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور انہیں عذاب الیم ہے (۱۳) ان کثیرًا من الناس بلقاءِ ربھم لکٰفرون (روم ع۱) اور اکثر لوگ اپنے رب کی لقاء سے منکر ہیں (۱۴) وقالوا ءاذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید بل ھم بلقاءِ ربھم کٰفرون (السجدۃ ع۱) اور انہوں نے کہا۔ کہ جب ہم زمین میں گم ہو چکے ہیں۔ تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہونگے۔

بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی لقاء سے منکر ہیں (۱۵) الا انھم فی مریۃ من لقاء ربھم الا انہ بکل شیٔ محیط (حٰمٓ السجدۃ ع ۶) خبردار یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے شک و شبہ میں ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ خدا تو ہر چیز پر محیط ہے (۱۶) یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ (الانشقاق) اے انسان! تو اپنے رب کی طرف جانے کی نہایت جدوجہد کر رہا ہے۔ سو آخر تو اس سے ملاقات کریگا۔"

حضرت بہاء اللہ فرماتے ہیں۔ "تمام کتب الٰہی میں وعدۂ لقاء صریحاً مسطور ہے اور اس لقاء سے مراد حق جل جلالہ کے مشرق آیات اور مطلع بینات اور مظہر اسمائے حسنیٰ اور مصدر صفات علیاء کی لقاء ہے حق بذاتہٖ خود و بنفس خود غیب منیع لا یدرک ہے۔ پس لقاء سے مراد اس نفس کی لقاء ہے۔ جو بندوں کے درمیان خدا کا قائم مقام ہے۔"

(لوح ابن ذئب اردو صـ۱۸)

مشرقِ وحی۔ مطلعِ امر۔ مامور باللہ۔ مظہرِ الٰہی۔ مقام تجلی مرکزِ لقاء

انّ اوّل ما کتب اللہ علی العباد عرفان مشرق عرفان وحیہ و مطلع امرہ الذی کا	خدا نے سب سے پہلا کام جو بندوں پر فرض کیا ہے یہی ہے کہ خدا کے مشرقِ وحی اور مطلع امر کو شناخت کیا جائے۔ جو عالم امر و خلق میں

کان مقام نفسہ فی عالم الامر والخلق (کتاب اقدس ص)	خدا کا قائم مقام ہے
لیس لمطلع الامر شریکٌ فی العصمۃ الکبریٰ انّہ لمظہر یفعل ما یشاءُ فی ملکوت الانشاء (اقدس ص۱۵)	عصمتِ کبرٰی میں مطلعِ امر کا کوئی شریک نہیں۔ یہ مطلعِ امر عالمِ ہستی میں یفعل ما یشاء یعنی خدا کے اختیارِ مطلق کا مظہر ہوتا ہے۔
قل ھٰذا المطلع الوحی ومشرق الاشراق الذی بہ اشرقت الافاق لو انتم تعلمون (کتاب اقدس ص۶)	کہدے کہ یہ (بہاءاللہ) مطلعِ وحی اور مشرقِ اشراق ہے۔ جس سے تمام آفاق روشن ہو گئے ہیں۔ کاش تمہیں اس حقیقت کا علم ہو۔
عند النّاس دخذ ما اتی بہ مطلع وحی ربك (مجموعہ اقدس ص۸۸)	لوگوں کی باتوں کو چھوڑ دے اور تیرے پروردگار کا مطلعِ وحی جو کچھ لایا ہے اُسے تھام لے۔
یا محمد قبل علیٰ یذکرك المظلوم فی السجن الاعظم لیقربك الی اللّٰہ مولی العالم الذی ظھر بمظھر نفسہ و مشرق آیاتہ ان ربك لھو المقتدر القدیر (مجموعہ اقدس ص۸۷)	اے محمد علی! سجنِ اعظم میں مظلوم تجھے یاد کر رہا ہے۔ تاکہ وہ تجھے اُس مالکِ جہان کے قریب کر دے۔ جو اپنے مظہرِ نفس اور مشرقِ آیات کے ذریعے ظاہر ہوا ہے۔ یقیناً تیرا رب قدرت و اقتدار کا مالک ہے

تاللّٰہ کنت نائماً ایقظنی ید ارادۃ ربکم الرحمٰن وامرنی بالنداء بین الارض والسماء لیس ھذا من عندی لو انتم

(مجموعہ اقدس ص۱۱)

خدا کی قسم میں سویا ہوا تھا۔ تمہارے پروردگار رحمٰن کے ارادے کے ہاتھ نے مجھے جگا دیا اور مجھے آسمان و زمین کے درمیان ندا بلند کرنے کا حکم دیا۔ یہ کارروائی میری طرف سے نہیں ہے کاش اس حقیقت کو شناخت کرو۔

قد اخذ المختار من کفی زمام الاختیار واقامنی کیف شاء وانطقنی کیف اراد انہ ھو المقتدر علیٰ ما یشاء بقولہ کن فیکون

مجموعہ اقدس ص۱۰۶

خدائے مختار نے میرے ہاتھ سے زمامِ اختیار لے لی اور جیسے چاہا مجھے برپا کر دیا۔ اور جس طرح چاہا مجھ سے کلام کرایا۔ یقیناً وہ مالک اقتدار ہے۔ اپنے فرمان کن فیکون سے جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔

قل لا یریٰ فی الکلمۃ الا مکلمھا ولا فی التجلی الا جمال المجلی ولا فی التنزیل الا المنزل المھیمن علیٰ ما خلق بقولہ کن فیکون (مجموعہ اقدس ص۱۲

کہہ دے کلمہ کے اندر اُس کا متکلم یعنی بولنے والا ہی دکھائی دیتا ہے اور تجلّی میں مجلّی یعنی جلوہ گر ہونے والا ہی نظر آتا ہے اور تنزیل وحی میں نازل کرنے والا ہی دیکھتا ہے۔ جو اپنے فرمان کن فیکون سے بنائی ہوئی تمام مخلوق پر غالب و نگران ہے۔

قرآن مجید سے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت سے ہوتی ہے۔ خدا کا فیصلہ رسولؐ کا فیصلہ ہی ہوتا ہے۔ خدا پر ایمان جب ہی ایمان کہلاتا ہے۔ جب کہ رسولؐ پر ایمان ہو۔ خدا کی حکومت کا ظہور رسول کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ خدا کا قرب اُسی قدر انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ جس قدر

انسان رسول کی عادات وصفاتِ عبودیت میں قرب حاصل کرتا ہے۔ اور اسی مسلّمہ اصول کی بناء پر خدا کی لقاء انسان کو پیغمبرِ وقت کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تو بذاتہ غیب لایدرک ہے۔

یہ بات کہ پیغمبر کے ظہور کو خدا کا ظہور کہا جاتا ہے۔ علماء اسلام تیرہ سو برس سے تسلیم کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں رسول کریم کی نسبت فرمایا ہے۔ یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ کہ اہلِ کتاب رسول کریم کے ظہور کی پیشینگوئی تورات میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔ چنانچہ علمائے اسلام نے حضرت موسیٰ کی کتاب استثناء ۳۳/۲ کی یہ آیت ہمیشہ ظہورِ رسول کریم کے بارے میں پیش کی ہے۔

"خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر جلوہ گر ہوا"۔

اس جگہ فاران سے خدا کی جلوہ گری سے مراد ظہور محمدی ہے۔ جسے تمام علمائے اسلام ہمیشہ پیش کرتے رہے ہیں۔ اور کسی عالم اسلام نے اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اس آیت میں حضرت موسیٰؑ کے ظہور اور حضرت عیسیٰؑ کے ظہور کو بھی جو سینا اور سعیر سے ہوا۔ خدا کا آنا قرار دیا ہے۔ اس کلمۂ مبارک سے یہ حقیقت واضح اور مبرہن فرما دی ہے۔ کہ خدا کا آنا۔ خدا کا طلوع ہونا۔ خدا کا جلوہ گر ہونا پیغمبرِ وقت کا ظہور ہے۔ یہ کلامِ الٰہی کی اصطلاح ہے۔ اور یہی حق ہے۔ کیونکہ خدائے غیب الغیب، آمد و رفت، طلوع و غروب، پوشیدگی و جلوہ گری جیسے حدوثی حالات سے مبرّا و منزّہ ہے۔ ہاں اس کی قدرت و مشیّت کا مظہر اعلیٰ پیغمبر ہوتا ہے۔ چونکہ پیغمبر میں اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ جو کچھ نور و ظہور ہوتا ہے۔ وہ خدا ہی کا ہوتا ہے۔ اسلئے

پیغمبر کی آمد خدا کی آمد اور پیغمبر کی خدا کی لقا ہے جیسا کہ اس آیت تورات میں علمائے اسلام متفقہ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اب غفلت اور حقائق دین سے بے پروائی کر کے اہلِ بہا کے سامنے اپنے مسلّمات کا بھی انکار کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح آیاتِ لقا میں آیت نمبر ۶ وما انا بطارد الّذین اٰمنوا انّھم ملٰقوا ربّھم " حضرت نوحؑ کا قول ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نہیں دھتکاروں گا۔ یہ تو اپنے رب کے ملنے والے ہیں۔ خدا کے حضور میں پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ صاف بیان ہے۔ کہ جو لوگ پیغمبر وقت کی کی رفاقت میں ہیں۔ وہ خدا کے حضور میں داخل ہیں۔ اور اپنے رب سے مل رہے ہیں۔ انہیں لقاء اللہ حاصل ہو رہی ہے۔

انّھم ملٰقوا ربّھم صاف اور صحیح ترجمہ یہی ہے۔ کہ وہ اپنے رب کے ملنے والے ہیں۔ خدا کے حضور داخل ہیں۔

حضرت نوحؑ اپنے مومنین کو رب سے ملنے والے اور خدا کے حضور واصل ٹھہراتے ہیں۔ کہ یہ اس بات کا اعلان نہیں کہ پیغمبرِ وقت کی معرفت ولقاء حاصل کرنا خدا کی لقاء حاصل کرنا اور خدا کے حضور واصل ہونا ہے۔

اسی طرح آیت نمبر ۸ یظنون انّھم ملٰقوا ربّھم میں بھی یہی مراد ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں سے مخلص مومنین پیغمبرِ وقت کے ساتھ رہتے ہوئے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ ہم خدا کے ملنے والے ہیں۔ ہمیں لقائے الٰہی حاصل ہے۔

نیز اسی طرح آیت نمبر ۳ واعلموا انّکم ملٰقوہ میں مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ کہ اب ظہورِ محمدی میں ایمان عرفان حاصل کر کے اس ظہور کے ذریعے تم لوگ

خدا کے ملنے والے بن گئے ہو۔ تمہیں لقاءِ الٰہی کا مقام حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ملٰقوہ صیغہ اسم فاعل ہے جو اپنے اصلی معنیٰ میں حال کے لئے استعمال ہوتا ہے "ملٰقوا ربّھم" "ملٰقوا اللّٰہ" "ملٰقوہ" ان سب الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ مومن جو پیغمبر وقت کی معرفت و لقاء سے فائز ہوتے ہیں "خدا کے ملنے والے خدا کے حضور میں واصل ہیں" یہ مرتبہ انہیں موجودہ زندگی میں ابھی حاصل ہے۔ مرنے کے بعد کے لئے موقوف نہیں۔ اور جو آیات آئندہ زمانے میں لقائے الٰہی کی خبر دیتی ہے اُن میں بھی یہی مدّعا ہے۔ کہ جب آئندہ ظہور حق ہو گا۔ اور لوگ ایمان و عرفان سے فائز ہوں گے۔ تو انہیں بھی لقائے الٰہی حاصل ہو گی۔ جیسا کہ پہلے مومنین کو حاصل ہو چکی ہے۔

لقائے الٰہی کی شرط

خداوند فرماتا ہے۔ لقائے الٰہی کا مقام حاصل کرنے کے لئے عمل صالح اور توحید خالص پر قائم ہونا شرط ہے۔ فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً (سورہ کہف رکوع آخری)

"جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی آرزو کرتا ہے وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے"!

اس شرط کے مطابق ہر ظہور حق میں مخلص مومنوں کو لقائے الٰہی کا شرف و امتیاز حاصل ہوتا رہا ہے۔ اور حاصل ہوتا رہیگا۔ جو لوگ بدعملی پر مصر ہیں۔ اور غیر اللہ کی محبت۔ غیر اللہ سے خوف۔ غیر اللہ کی بندگی و غلامی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ لقائے الٰہی کا مقام ملنا حاصل نہیں کر سکتے۔

"قیامت اور تازہ کلام الٰہی"

باب نہم

قیامت اور تازہ کلامِ الٰہی

مسئلہ قیامت اس قدر اہم ہے کہ دین کی اصولی تعلیمات میں داخل ہے۔ لیکن جس قدر یہ مسئلہ اہم ہے اسی قدر اس کے متعلق غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں شروع سے بچوں کو غلط طریقہ پر اس مسئلہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ قیامت فنائے عالم کا نام ہے۔ عموماً علمائے کرام بھی اسی خیال میں ہیں۔ کہ فنائے عالم قیامت ہے۔ جس کے دوسرے حصے میں لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ اور حساب کتاب ہوگا

افسوس ہے کہ قرآن مجید کے صریح خلاف یہ عقیدہ عوام و خواص میں پھیل گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے جس روشنی میں مسئلہ قیامت کو دیکھا ہے۔ وہ خود کلام الٰہی کی روشنی ہے۔ کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں۔ کہ قیامت کا یہ مفہوم جو ہم آگے بتاتے ہیں۔ یہ ایک تفسیر و تاویل ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ انسانی تفسیر و تاویل نہیں ہے۔ انسان خواہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا سوچنے والا ہو۔ ہرگز اس حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آج تک علمائے مفسرین کا گروہِ عظیم تیرہ سو سال میں اس حقیقت کو نہ پا سکا۔ وہ لوگ مستثنےٰ ہیں۔ جو براہِ راست نورِ نبوت سے مستفیض تھے وہ ان حقائق کو جس حد تک اس وقت ممکن تھا۔ خوب سمجھتے تھے۔ بعد کو کچھ ایسا

پر دہ پڑا کہ سب بھول گئے۔ اور قرآن مجید میں جن باتوں کے متعلق درج تھا۔ کہ انہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انہیں کون جان سکتا تھا۔ ہاں وعدے کے مطابق جب ان باتوں کے اظہار و بیان کا وقت آگیا۔ تو خداوند عالم نے خود ہی بیان و تفصیل نازل کر کے ان باتوں کو منکشف فرما دیا۔

سورۂ قیامت میں صاف صاف فرمایا ہے کہ ان باتوں کو بیان کرنے میں لب کشائی نہ کرو۔ جلدی نہ کرو۔ ہم خود ان باتوں کو لوگوں کی زبانوں پر چڑھا دینگے سب کو پڑھا دینگے۔ پھر اپنے وقت پر ان باتوں کا بیان ہم خود ہی کرینگے۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کا بیان وہی ہو سکتا ہے۔ جو وحی کے ذریعے نازل ہو کسی مولوی یا درویش کا بیان خدا کا بیان نہیں ہو سکتا۔ نہ کسی مفسر کا بیان خدا کا بیان کہلا سکتا ہے۔ عالم انسانی کو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ خدا نے ایک کتاب حضرت سید علی محمد باب اللہ پر نازل فرمائی۔ جس کا نام "بیان" ہے۔ اس میں نہایت تفصیل سے موت و حیات کی حقیقت۔ قیامت کی حقیقت۔ حساب کتاب کی حقیقت۔ میزان کی حقیقت۔ جنت و دوزخ کی حقیقت۔ لقاء الٰہی کی حقیقت وغیرہ وغیرہ تمام مسائل شرح و بسط سے خود فرما دئیے ہیں۔ پھر حضرت بہاء اللہ نے کتاب مستطاب ایقان میں ان تمام حقائق کا بیان فرمایا ہے۔ پھر تمام الواح عربی و فارسی میں خداوند عالم نے اسرار قیامت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ کتاب بیان اور الواح حضرت بہاء اللہ انسانی کلام نہیں۔ صریح اور روشن وحی الٰہی ہیں۔ اور جس دلیل سے قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ اسی دلیل سے یہ الواح مبارکہ اور کتاب بیان کلام الٰہی ہے یہاں ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم جو تفسیر آیات قرآنیہ کی بیان کرتے ہیں۔ اور فنائے عالم

کہ قیامت نہیں بتلاتے بلکہ ظہورِ حق کے ایام کو قیامت کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد ہماری شخصی سوچ وبچار نہیں بلکہ خود خداوندِ عالم نے اپنے تازہ کلام میں صاف صاف فرما دیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی آیات کا یہ مطلب ہے۔ اور کھلے کھلے طور پر فرما دیا ہے۔ کہ وہ قیامت وساعت جس کا وعدہ تھا آشکار ہو گئی ہے اور تمام آیاتِ قیامت کو ظہورِ حق کے متعلق پھر نازل فرما کر دکھا دیا ہے کہ جو وعدہ قرآن میں ہم نے بصیغہ مستقبل دیا تھا۔ وہ آج اس ظہور میں پورا فرما دیا ہے۔
ظہورِ قیامت کے متعلق چند آیاتِ الٰہیہ یہاں درج کی جاتی ہیں۔

یومِ قیام یا روزِ قیامت

حمد مقدس از ذکر و بیان مقصود عالمیان را لائق و سزا است کہ عالم را بانوارِ توحید منور فرمود و رائیتِ عظمائے از لا الہ الا ہو را بر اعلیٰ مقامِ عالم بر افراشت سطوتِ امرا و را منع ننمود و از ارادہ ہر باز نداشت۔ رسل فرستاد و کتب نازل فرمود تا کل بصراطِ مستقیم فائز شوند و از برائے عرفانِ نبأ عظیم در یوم قیام مستعد گردند (فردوس صـ ۲۹۳)

ذکر و بیان سے مقدس حمد وثنا تمام جہانوں کے مقصود کی شان کے لائق و شایان ہے جس نے توحید کی روشنیوں سے عالم کو منور فرما دیا ہے اور لا الٰہ الا ہو۔ کا عظیم الشان علم اعلیٰ ترین مقام پر لہرا دیا ہے امیروں کی شان و شوکت اسے اس کے ارادہ سے باز نہ رکھ سکی۔ اس نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں تاکہ سب لوگ سیدھی راہ پر آئیں اور یوم قیام میں نبأ عظیم کو پہچاننے کیلئے مستعد ہو جائیں

یوم اللہ وعدے کے مطابق آپہنچا

الحمد للہ الذی اظہر بسلطانہ
ما اراد و زین الیوم بنسبتہ الیہ و
سماہ فی کتب السماء بیوم اللہ
و فیہ ظہر ما بشر بہ رسلہ و کتبہ
و زبرہ فلما اتی الوعد اشرق نیر
الظہور (فردوس ص۱)

تعریف اس خدا کی جس نے اپنی قدرت سے
جو چاہا ظاہر فرمایا اور اس یوم کو اپنی طرف
منسوب کر کے آسمانی کتابوں میں اسے یوم اللہ
کہا اور اس یوم میں وہ امر ظاہر ہوا جس کی بشارت
خدائی رسولوں اور کتابوں اور نوشتوں نے دی
تھی جب وعدے کے ظہور کا وقت آگیا آفتابِ ظہور چمک اٹھا

تمام انبیاء اور سب اشیاء کو اس دن کی بشارت تھی

امروز حق جل جلالہ ظاہر و امرش باہر
و ہر یک را ذکر فرمودہ بذکرے کہ دائم ست
وازو می طلبیم کل را تائید فرماید بر آنچہ
سزاوار یوم اوست۔ این یوم غیر ایام
بودہ و ہست۔ جمیع انبیاء را باین یوم
بشارت دادہ و ہمچنین اشیاء را
(فردوس ص۲۴۲)

آج حق جل جلالہ ظہور فرما ہے اور
اس کا امر جلوہ گر ہے۔ اس نے ہر ایک
کو ایسے ذکر سے یاد کیا ہے جو ہمیشہ
رہیگا۔ ہم اسی سے طلبگار ہیں۔ کہ وہ
سب کو ایسے کام کی توفیق دے۔ جو اس کے
یوم کے لائق ہو۔ یہ یوم تمام ایام سے ممتاز ہے
تمام انبیاء بلکہ تمام اشیاء کو اس یوم کی بشارت
دی تھی۔

وبکلمۂ مبارکہ "الملک لی" اشراطِ ساعت و اسرار قیامت را ظاہر نمود وله الحمد والثناء وله الشکر والبہآ (فردوس ص ۲۱۸)	اور یہ مبارک کلمہ کہہ کر کہ ملک میرا ہی ہے۔ خداوند عالم نے ساعت کے نشانات اور قیامت کے اسرار ظاہر فرما دیئے ہیں۔ اس کی حمد و ثناء اور اسی کا شکر و بہآء
قل تاالله قد ظهر ماهو المسطور فی کتب الله رب العلمین انه لهو الذی سمی فی التوراة بیهوه و فی الانجیل بروح الحق وفی الفرقان بالنبأ العظیم تمسکوا یا قوم بما وعدتم به من قبل بلسان النبیین والمرسلین (مجموعہ اقدس والواح)	کہہ دے خدا کی قسم۔ خدائے رب العلمین کی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ ظاہر ہو گیا۔ اس کا نام تورات میں یہوہ اور انجیل میں روح حق اور قرآن میں نبأ عظیم ہے۔ اے لوگو! اس چیز کو مضبوط تھامو۔ جس کا وعدہ تمہیں تمام انبیاء و مرسلین کی زبانی دیا گیا تھا۔
قل یا قوم قد اتی یوم القیام قوموا عن مقاعدکم وسبحوا بحمد ربکم العلیم الحکیم (مجموعہ اقدس والواح ص ۸۹)	کہہ دے اے لوگو! یوم قیام آ گیا۔ اپنی نشستگاہوں سے اٹھ کھڑے ہو اور اپنے پروردگار علیم و حکیم کی حمد و تسبیح کرو۔
قد ارتفعت الصیحة واتت الساعة وظهرت القارعة ولکن القوم فی حجاب	آوازِ حق بلند ہو گئی۔ ساعت آ گئی۔ دل دہلا دینے والی چیز ظاہر ہو گئی۔ لیکن قوم

عربی	اردو
غلیظہ (؍؍ ص۸۱)	سخت پردے میں پڑی ہوئی ہے۔
یا جعفر قد تزین المنظر الاکبر و ظہر السّر المستتر و مالک القدر ینادی و یقول یا معشر البشر قد اتت الساعۃ و انشق القمر طوبیٰ لعبد شہد و فاز و ویل لکلّ منکرٍ مکّار۔ (مجموعہ اقدس و الواح ص۱۰۳)	اے جعفر! منظرِ اکبر آراستہ ہو گیا۔ چھپا ہوا بھید ظاہر ہو گیا۔ قضا و قدر کا مالک بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ اے گروہِ بشر! ساعت آ گئی ہے۔ قمر شق ہو گیا (علماء اسلام کا شیرازہ بکھر گیا) مبارک ہے وہ جو حاضر و بامراد ہوا۔ اور ہر ایک انکار کرنے والے فریب کار پر افسوس۔
قل ہٰذا الظہور رجع حدیث الطّور و نفخ فی الصور و قام العباد للّٰہ العزیز الودود۔ (مجموعہ اقدس و الواح ص۷۱)	کہہ دے اس ظہور سے طور کا واقعہ دوبارہ نمودار ہوا ہے۔ صور پھونک دیا گیا ہے اور بندے، پیارے اور محبت کرنے والے خدا کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔

منکرینِ قیامت

چونکہ قیامت آ چکی ہے۔ خداوند عالم نے اعلان فرما دیا ہے۔ دلائل و براہین کے لشکر پکار رہے ہیں۔ حالات و واقعاتِ زمانہ گواہی دے رہے ہیں۔

غفلت و حجاب میں پڑے ہوئے لوگ جیسا کہ پہلے سے خبر دی گئی تھی ناہوش ہیں۔ انہیں آدیہ قیامت کی خبر بھی نہیں۔ اگر خبر دی جاتی ہے۔ تو سختی سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ قیامت ابھی نہیں آئی۔ ایسے لوگوں کا ذکر بھی خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

یا امتی اسمعی ندائی من شطر سجنی اذا احاطتنی اعدائی الذین انکروا القیامۃ آثارہا والساعۃ واشراطہا الا انہم من الصاغرین۔

(مجموعہ اقدس والواح ص۱۰۲)

اے میری کنیز! میری سجن سے میری ندا سن جبکہ میرے دشمنوں نے مجھے گھیرا ہے جنہوں نے قیامت اور اس کے نشانوں کا۔ ساعت اور اس کی علامات کا انکار کر دیا ہے۔ دیکھو سنو۔ یہ تو ذلت پسند لوگ ہیں۔

آیات الٰہی کہ در ذکر قیامت و ساعت چہ در کتب قبل چہ در فرقان نازل شدہ اکثر ماول است ولا یعلم تاویلہ الا اللہ۔ این مراتب در کتاب ایقان واضح و مبرہن است۔ ہر نفسے کہ در آن تفکر نماید آگاہ شود بر آنچہ از نظر کل مستور بودہ۔

(کتاب اقتدار ص۲۶۴)

قیامت و ساعت کے متعلق آیات الٰہی کیا پہلی کتابوں میں اور کیا قرآن میں جو نازل ہوئی ہیں اکثر ماول ہیں اور ان کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ مراتب و بیانات کتاب ایقان میں واضح اور مدلل طور پر لکھے ہوئے ہیں جو شخص انہیں دیکھیگا۔ وہ ان اسرار و حقائق قیامت سے آگاہ ہو جائے گا۔ جو اب تک سب کی نظروں سے پوشیدہ رہے ہیں۔

قیامت کے متعلق جو کچھ اہلِ بہا کہتے ہیں۔ وہ کلامِ الٰہی سے کہتے ہیں۔ وہ متکلم جس نے پہلی کتبِ آسمانی اور قرآن مجید نازل فرمایا تھا۔ آج بول رہا ہے اور تصریح سے بتا رہا ہے۔ کہ قیامت کی حقیقت یہ ہے۔ اہلِ بہا جو مفہوم قیامت بتا رہے ہیں۔ وہ انسانی دماغ کا سوچا ہوا خیال نہیں۔ بلکہ خود حق کا تعلیم کردہ علم ہے۔ متکلم نے خود اپنے کلام کی تفصیل و توضیح فرما دی ہے اور واقعات میں اسے رونما کر دیا ہے۔ یہ صرف خدا ہی کا کام تھا۔ جو اس نے خود کیا ہے۔ اسی کی تائید میں قواعدِ علمیہ، لغتِ عرب اور آیاتِ قرآن سے بھی ہر پہلو کو مبرہن کر دیا گیا ہے۔ انسانوں کو چاہیئے۔ کہ علم و بصیرت کی چشمِ بینا سے دیکھیں اور یقین و عرفان سے فائز ہوں۔

اس سلسلہ میں حضرت عبدالبہاء کا ایک بیانِ مبارک بھی دیا جاتا ہے۔ جو نہایت روح بخش ہے۔ حضرت عبدالبہاء اس میں کلامِ الٰہی کے اول مبیّن ہیں :۔ وہ فرماتے ہیں :۔

هو الله

سبحان من انشأ الوجود و ابدع كل موجود و بعث المخلصين مقاماً محمود و اظهر الغيب فى حيز الشهود و لكن الكل فى سكرتهم يعمهون واسس بنيان القصر المشيد والكور المجيد و خلق خلق الجديد	پاک ہے وہ جس نے عالمِ ہستی کو وجود بخشا۔ اور ہر موجود کو نیا پیدا کیا۔ اور اپنے مخلصوں کو مقامِ محمود پر پہنچایا۔ اور غیب کو مقامِ شہود میں ظاہر فرمایا۔ لیکن لوگ سب کے سب اپنے نشے میں چکرا رہے ہیں۔ اس ذاتِ پاک نے مضبوط محل اور شاندار زمانہ کی بنیاد رکھی اور نیا حشر

فی حنائِ المبین والقوم فی سکراتھم غافلون و نفخ فی الصّور و نقر فی النّاقور وار تفع صوت الصافور وصعق من فی صقع الوجود و الاموات فی قبور الاجساد لراقدون ثمّ نفخ النّفخۃ الاخریٰ و اتت الرّادفۃ بعد الواجفۃ وظھرت الفاجعۃ و ذھلت کلّ مرضعۃٍ عن راضعھا وَالنّاس فی ذھولھم الشیرون وقامت القیامۃ و اتت السّاعۃ وامتد الصّراط ونصب المیزان وحشر من فی الامکان والقوم فی عمیً مبتلون واشرق النّور واضاء الطّور وتلسّم نسیم ریاض الرّب الغفور وفاحت نفحات الرّوح وقام من فی القبور والغافلون فی الاجداث الراقدون	میں نئی خلق پیدا کی اور لوگ اپنی مدہوشیوں میں غافل پڑے ہیں۔ صور پھونک دیا گیا ہے اور ناقور بجا دیا گیا۔ اور بگل کی آواز بلند ہو گئی۔ اور صفحہ ہستی پر رہنے والے گھبرا اٹھے اور مُردے اپنے جسموں کی قبروں میں محوِ خواب ہیں۔ پھر دوبارہ صور پھونک دیا گیا اور ہلا دینے والے واقعہ کے بعد اس کے ساتھ کا واقعہ بھی آ گیا۔ دردناک حالت ظاہر ہوئی۔ اور ہر ایک دودھ پلانے والی اپنے دودھ پینے والے کو بھول گئی۔ اور لوگ اپنی بھول میں بے حس بیٹھے ہوئے ہیں۔ قیامت قائم ہو گئی۔ ساعت آ گئی۔ پل صراط تان دیا گیا۔ میزان نصب کر دی گئی۔ تمام جہاں کے لوگوں کا حشر ہوا۔ اور لوگ دل کی نابینائی میں مبتلا ہیں۔ نور چمک اٹھا طور روشن ہو گیا۔ اور رب غفور کے گلشن کی نسیم بہار چل پڑی۔ روح کے خوشگوار جھونکے آنے لگے اور قبروں والے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور غافل گڑھوں میں پڑے سو رہے ہیں۔ دوزخ بھڑکا دی گئی۔ جنت سجا

وسُعّرت النّیران وازلفت الجنّان وابتہجت الرّیاض وتدفقت الحیاض وزالق الفردوس والجاھلون فی اوھامھم لخائضون و کشف النقاب وزال الحجاب وانشق السحاب وتجلی ربّ الارباب والمحرومون لخاسرون وھوالذی انشأکم النشأۃ الاخری واقام الطامۃ الکبری وحشر النفوس المقدسۃ فی الملکوت الاعلیٰ انّ فی ذلک لآیٰت لقوم یتبصرون

(از لوح مبارک عبدالبہاءؑ)

دی گئی۔ چمن لہلہا اٹھے۔ حوض لبالب بھر گئے۔ باغ فردوس شاداب ہو گیا۔ اور جاہل اپنے اوہام میں پڑے باتیں بنا رہے ہیں۔ نقاب کھل گیا۔ پردہ اٹھ گیا بادل پھٹ گئے۔ ربّ الارباب جلوہ گر ہوا۔ اور محروم لوگ سراسر گھاٹے میں ہیں۔ اور وہی ہے۔ جس نے تمہیں دوسری پیدائش میں برپا کیا۔ اور قیامت کبریٰ قائم کی۔ اور پاک نفوس کو ملکوت اعلیٰ میں جمع کیا۔ یقیناً اہل بصیرت کے لئے ان واقعات میں بہت سے نشان ہیں۔

بسم اللہ الباقی بلا زوال

خدا کے نام سے جسے ہمیشہ بقا ہے کبھی زوال نہیں

قل انا انزلنا من جهة العرش ماء البيان لينبت به من قلوبكم نبات

کہہ دے ہم نے عرش کی جانب سے بیان کا پانی اتارا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارے

الحكمة والتبيان افلا تشكرون - ان الذين استنكفوا عن عبادة

دلوں سے حکمت و تبیان کا سبزہ اگے۔ کیا تم شکر گزار نہ ہو گے۔ یقیناً یہ لوگ اپنے رب کی

ربهم اولئك قوم مد حضون واذا تتلى عليهم الآيات يصرون

بندگی سے منہ پھیرتے ہیں۔ وہ گری ہوئی قوم ہیں اور جب ان کے سامنے آیات پڑھی جاتی

متكبرين ويصرون على الحنث ولا يشعرون والذين كفروا اولئك في ظلل

ہیں بڑے بنتے ہوئے ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور گناہ پر اصرار کرتے ہیں۔ اور اپنی اس بری

من يحموم قد اتت الساعة وهم يلعبون قد اخذ

حالت کا احساس بھی نہیں کرتے۔ اور انکار کرنے والے کالے دھوئیں کے سایہ میں ہیں۔

بناصيتهم ولا يعرفون قد وقعت الواقعة و

ساعت آپہنچی ہے اور وہ کھیل کود میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی چوٹیاں پکڑلی گئی ہیں اور وہ

هم عنها لفرون وجاءت الحاقة

پہچانتے ہی نہیں۔ موعود واقعہ رونما ہو چکا ہے اور وہ اس سے دور بھاگ رہے ہیں بحقیقت
وھم عنھا معرضون - ھذا یوم یھرب
ثابتہ آگئی اور وہ اس سے روگردان ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ہر آدمی خود
منہ کل مرء من نفسہ وکیف من ذوی القربی
اپنے سے گریز کر رہا ہے۔ تو پھر رشتہ داروں سے گریز کرنا کیا؟ کاش تم اس
لو کنتم تفقھون قل تاللہ قد نفخ فی الصور
راز کو سمجھ لیتے۔ کہہ دے خدا کی قسم صور پھونک دیا گیا ہے - اور
والناس ھم منصعقون وصاح الصائح ونادالمناد
لوگ بے ہوش ہو رہے ہیں۔ بولنے والے نے آواز بلند کر دی۔ اور پکارنے
الملک للہ المقتدر المھیمن القیوم ھذا یوم فیہ
والے نے پکار دیا کہ ملک صرف خدا کا ہے جو صاحب اقتدار۔ سب پر غالب اور
منعت الابصار وفزع من فی الارض الا من شاء
سب کو قائم رکھنے والا ہے یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بصیرتیں دیکھنے سے روک دی گئی
ربک العلیم الحکیم قد اسودت الوجوہ الا من اتی
ہیں اور روئے زمین والے گھبرا اٹھے ہیں بجز ان کے جنہیں تیرے پروردگار علیم و حکیم نے چاہا سب
الرحمٰن بقلب منیر قد سکرت الابصار الذینھم
رو سیاہ ہو گئے۔ بجز ان کے جو روشن دل لیکر خداوند کریم کی حضور میں حاضر ہوئے۔
کفروا عن النظر الی اللہ العزیز الحمید قل اما
منکروں کی نظریں خدائے عزیز و حمید کی طرف دیکھنے سے بند ہو گئی ہیں۔ کہہ دے

قرأتم القرآن فاقرؤ لعلکم تجدون الحق انہ لصراط مستقیم
کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ پڑھو تاکہ تم حق کو پاؤ۔ قرآن یقیناً راہِ راست ہے
ھذا صراط اللہ لمن فی السمٰوٰت والارضین ان نسیتم القرآن
تمام آسمانوں اور زمینوں کے باشندوں کے لئے یہ کھلا خدا کا راستہ ہے۔ اگر تم قرآن
لیس البیان عنکم ببعید انتہ بین ایدیکم اقرؤہ
کو بھلا چکے ہو۔ تو بیان تو تم سے دور نہیں ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں ہے
لعلکم لا تفعلون ما یتوجہ بہ المرسلین قوموا من الاجداث
تم اسے پڑھو تاکہ تم ایسے کام نہ کرو جن سے خدا کے فرستادہ روتے ہیں۔ گڑھوں میں سے
الٰی متٰی ترقدون ھذہ نفخۃ اخرٰی الٰی من
اٹھ کھڑے ہو جاؤ کب تک سوتے رہو گے؟ یہ دوسری بار صور پھونکا گیا ہے اب تم
تنظرون ھذا ربکم الرحمٰن وانتم تجحدون
کس کی طرف دیکھتے ہو یہ تمہارا پروردگار رحمٰن ہے اور تم انکار کئے جا رہے ہو۔ زمین تھرتھرا
قد زلزلت الارض واخرجت اثقالھا افانتم تنکرون
گئی ہے اور اپنے بوجھ نکال کر باہر پھینک رہی ہے کیا تم انکار ہی کرتے
قل افما ترون الجبال کالعھن والقوم من سطوۃ الامر
رہو گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ پہاڑ اون کی مانند ہو رہے ہیں اور خدائی امر کے
ھم مضطربون تلک بیوتھم خاویۃ علٰی عروشھا وھم بدد
رعب داب سے مضطرب ہیں۔ یہ ان کے گھر گرے ہوئے ویران پڑے ہیں اور وہ
مغرقون ھذا الیوم فیہ الی الرحمٰن علی ظلل الحرقات

ایک ڈوبی ہوئی قوم ہیں یہ وہ دن ہے جس میں خدائے رحمٰن عرفان کی بدلیوں پر سوار ہوکر

بسلطان مشهود انہ هو الشاهد علی الاعمال

صاف نظر آتی ہوئی سلطنت کے ساتھ آگیا ہے۔ وہ تمام اعمال کا شاہد وگواہ ہے

وانہ هو المشهود لو کنتم تعرفون قد انفطرت سماء

اور وہی مشہود ہے کاش تم پہچان سکتے دینوں کا آسمان شق ہوگیا

الادیان وانشقت ارض العرفان والملٰئکۃ منزلون۔ قل هٰذا

ہے۔ اور عرفان کی زمین پھٹ گئی۔ اور فرشتے اُتر رہے ہیں۔ کہدے یہ

یوم التغابن الی من تهربون قد مرت الجبال وطویت

ہے ہارجیت کا دن۔ تم کس طرف بھاگتے ہو؟ پہاڑ چلتے جارہے ہیں۔ آسمان لپیٹ

السماء والارض فی قبضتہ لو کنتم تعلمون۔ هل

لیا گیا ہے۔ زمین خدا کی مُٹھی میں ہے کاش تم اس حقیقت کو جان سکتے

لاحد من عاصم لا ونفس الرحمٰن الا اللّٰہ المقتدر

کیا کسی کو کوئی بچانے والا ہے؟ خداوند رحمٰن کی قسم کوئی نہیں ہاں صرف خدا ہی

العزیز المنان قد وضعت کل ذات حمل حملها و

بچانے والا ہے۔ جو صاحبِ اقتدار۔ غالب اور لطف و کرم فرمانے والا

تری الناس سکاری فی هٰذا الیوم الذی فیہ اجتمع

ہے ہر ایک بوجھ والی نے اپنا بوجھ گرادیا ہے۔ اور ہم سب لوگوں کو بیہوش

الانس والجان قل افی اللّٰہ شك انہ قد اتی عن

دیکھ رہے ہیں۔ آج اس دن میں جس میں انس وجن باہم اکٹھے ہوگئے ہیں کہدے کیا نہیں

مطلع الفضل بقدرة وسلطان ام فی آیاتہ افتحوا الابصار
خدا کے بارے میں شک ہے۔ یہ دیکھو۔ وہ مطلع فضل سے قدرت و سلطنت کے
ان هذا لهو البرهان قد ازلفت الجنّة
ساتھ آ پہنچا ہے یا کیا تمہیں خدا کی آیات میں شک ہے؟ آنکھیں کھولو کہ یہ تمہارے سامنے
عن الیمین وسعّرت الجحیم وتلک هی النّیران ادخلوا
وہ خود ہی دلیل و برہان ہے دائیں جانب بہشت آراستہ کر دی گئی ہے (اور دوسری طرف) جہنم بھڑکائی
الجنة رحمة من عندنا واشربوا فیها
گئی ہے اور یہی ہے بھڑکتی ہوئی آگ۔ ہماری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور اس میں
خمر الحیوان من ید الرحمٰن ۔ هنیئاً لکم یا اهل
خدائے رحمٰن کے ہاتھ سے شراب زندگی پیو۔ اے اہل بہاء! یہ تمہارے
البهاء نا الله انتم الفائزون هذا ما فاز به المقرّبون
لئے کیا ہی خوشگوار ہے۔ بخدا تم کامیاب ہو یہ وہ چیز ہے جس سے مقرب فائز ہوئے ہیں
وانّه لماءٌ مسکوب الذی وعدتم به فی الفرقان
اور یہی وہ اوپر سے بہتا ہوا پانی ہے۔ جس کا وعدہ قرآن میں تمہیں دیا گیا تھا
ثمّ فی البیان جزاءً من ربّکم الرحمٰن طوبیٰ للشّاربین
پھر بیان میں بھی کہ یہ تمہارے پروردگار رحمٰن کی طرف سے جزا ہے۔ پینے والوں کو مبارک باد
یا عبد النّاظر اشکر الله بما نزّل لک فی السّجن
اے متوجہ ہونے والے بندے! خدا کا شکر ادا کر کہ قید خانے میں تیرے
هذا اللّوح لتذکر النّاس بایّام ربّک العزیز العلیم

لیے یہ لوح نازل فرمائی۔ تاکہ تو لوگوں کو اپنے پروردگار عزیز حکیم کے دنوں کی خبر

كذلك اسسنا لك بنيان الايمان من ماء الحكمة والبيان

دیکر ہوشیار کرے۔ اس طرح ہم نے تیرے لئے حکمت و بیان کے پانی سے حصار ایمان

وهذا ماء كان مستوى عرش ربك الرحمن

کی بنیاد رکھی ہے۔ اور یہی حکمت و بیان کا پانی تیرے پروردگار رحمن کے عرش کی

وكان عرشه على الماء فكر لتعرف وقل الحمد لله

جائے قیام ہے اور اس کا عرش اسی پانی پر ہے خوب غور و فکر کر تاکہ تو شناخت کرلے

رب العلمين ٥

اور کہہ کہ تمام تعریف خدا ئے رب العلمین کیلئے ہے

هو الباقی بلا زوال

وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اسے کبھی زوال نہیں

سبحان الذی نزّل الاٰیات بالحق فی ھذا السجن
پاک ہے وہ ذات جس نے اس قید خانے میں سچی آیات نازل فرمائیں
الذی جعلہ اللہ المنظر الاکبر تنزّل فیہ ملئکۃ الامر
جسے خدا نے منظر اکبر بنایا ہے جہاں شب و روز امر اللہ کے فرشتے اترتے
فی العشیّ والاشراق الذی خلق السموات والارض ارسل
رہتے ہیں۔ اس خدائے پاک نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہوائیں چلائیں
الاریاح وسخّر السحاب لہ مبشّرات بین یدیہ یبشّرن الذین
بادل مسخر کئے۔ اس کی بشارت دینے والی ارواح اس کے آگے آگے ان لوگوں کو
توجّھوا الی مشرق الوحی فی ھذا الیوم الذی ینادالمناد
بشارت دیتی ہیں۔ جو اس زمانے میں مشرقِ وحی کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ منادی

من يمين العظمة والاقتدار غلب كل شئ سلطانه
عظمت و اقتدار کے دائیں جانب سے ندا دے رہا ہے اس کی حجت سب پر غالب
واحاطت كلمته على من فى السموات والارض ولا
آئی ہے اور تمام آسمانوں اور زمین والوں پر اس کا کلمہ محیط ہوگیا ہے اور صرف
يعقل ذلك الا اولوا الالباب طار الموحدون فى هواء
حقیقت شناس اشخاص ہی اس چیز کو محسوس کرتے ہیں۔ موحد قرب و جلال کی
القرب والجلال والمجرمون فى السلاسل والاغلال رب السموات
ہوا میں پرواز کر رہے اور مجرم بیڑیوں اور زنجیروں میں گرفتار ہیں۔ خدا تمام آسمانوں
والارض الذى انزل الآيات وانطق الغلام نفخ فى الصور
اور زمین کا تربیت کرنے والا مالک ہے۔ جس نے آیات نازل فرمائیں۔
وصعق من فى السموات والارض اذا مرت الجبال من
اور اس بندے کو بولنے کا حکم دیا۔ اس نے صور پھونک دیا۔ اور تمام آسمانوں اور زمین کے
سطوة الامر واضطربت الاكوان قل السموات مطويات
باشندے گھبرا اٹھے۔ تب سطوتِ امر سے پہاڑ چلنے لگے اور عالم ہستی میں اضطراب
بيمينه والارض فى قبضة ربكم العزيز الجبار۔ قد نصب
برپا ہوگیا۔ کہدے کہ تمام آسمان خدا نے دستِ قدرت میں لپیٹ لئے ہیں اور زمین تمہارے
الصراط ووضع الميزان والملك لله الواحد المقتدر
پروردگار عزیز و جبار کے قبضے میں ہے پل صراط لگا دیا گیا ہے میزان قائم کردی گئی ہے۔ اور
العزيز القهار رب العرش والثرى لا اله الا هو الغنى

بلکہ خداوند واحد مقتدر عزیز قہار کا ہی ہے وہ عرش و فرش کا مالک ہے۔ اُس بے نیاز برتر
المتعال قل اتی الجبار علیٰ ظلل اسمہ المختار اذا
کے سوا کوئی خدا نہیں کہہ کہ خداوند جبار اپنے نام المختار کے سایوں میں ہو کر آ پہنچا ہے۔ تب
اقشعرت الجلود و ذلت الاقدام الا من انقطع
لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پاؤں پھسل گئے بجز اس کے جو تمام آسمان و زمین
عمّن فی السمٰوٰت والارض وقصد کعبۃ الکبریاء
والوں سے بے تعلق ہو گیا۔ اور اس نے فروتنی و رغبت سے کعبۂ کبریائی کا قصد کیا
بخضوع وّ اناب یسبّح لہٗ من فی السمٰوات والارض الا
تمام آسمان و زمین والے خدا کی تسبیح کرتے ہیں بجز ان کے
الذین سکّرت ابصارھم واخذھم السکر فی یوم التناد
جن کی نظریں سراسیمہ ہو گئی ہیں اور اس پکار کے دن انہیں مدہوشی نے دبا لیا ہے
قد صغت قلوب الذین کفروا بالآیات قل اتستعجلون
اُن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے آیاتِ الٰہی کا انکار کیا۔
بالسیئۃ وقد خلت من قبلکم المثلات اتقوا اللہ
کہہ کیا تم بدی میں جلد بازی سے کام لیتے ہو اور تم سے پہلے عبرت انگیز واقعات
انہٗ قویٌ فی الاخذ وانہٗ لشدید المحال نری القوم
گذر چکے ہیں۔ خدا سے ڈرو کہ وہ گرفت کرنے میں قوی اور سخت سزا دینے والا ہے۔
صرعیٰ وسیئت وجوھھم من نفحات القھران ربّک
ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ پچھڑے ہوئے ہیں اور قہر الٰہی کے جھونکوں سے ان کے منہ بگڑ

شدید العذاب۔ قل قد اشرقت شمس الامر من افق الوحی
گئے ہیں۔ یقیناً تیرا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے کہدے کہ امر کا آفتاب افق
اذا ضاقت افئدۃ الذین کفروا بربہم الرحمٰن وزاغت
وحی سے چمک اٹھا، تو اب ان لوگوں کے دل تنگ ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار رحمٰن
الابصار اذا اتاک لوح الجلال خذہ بالخضوع
کا انکار کیا۔ اور ان کی نظریں ٹیڑھی ہو گئیں جب لوحِ جلال تیرے پاس پہنچے۔ تو اسے نہایت
والابتہال ثم اطلع من افق الاطمئنان وارفع
فروتنی و عاجزی کے ساتھ ہاتھ میں لے۔ پھر افقِ اطمینان سے سر نکال اور قوموں
اللوح بین الاحزاب قل یا ملأ البیان ان ھذا
کے درمیان لوح کو بلند کر۔ کہہ کہ اے گروہِ بیان! یقیناً یہ ظہور خود
لھو البرھان قد اشرق من افق الرحمٰن بقدرۃ
دلیل و برہان ہے جو افقِ رحمٰن سے قدرت و سلطنت کے ساتھ نمودار ہوا ہے
وسلطان افی اللہ شک ام فی الذی ارسلہ قد خسر الذین
کیا تمہیں اس کی نسبت شک ہے یا خدا کی نسبت جس نے اسے بھیجا ہے۔
کذبوا بآیتنا سوف تاخذھم النیران قد اخذت النفحات
وہ لوگ سراسر نقصان میں ہیں جو ہماری آیتوں کا انکار کر بیٹھے عنقریب آگ انہیں
نفحات ملیک القدم بحیث ینطق بالاذکار فی الغدو
کھا جائے گی۔ قلم کو مالکِ قِدم کے نفحات نے اس طرح گرفت کر لیا ہے کہ وہ شام و سحر
والآصال وما منعتہ سطوۃ الفجار الذین کفروا بربہ

خدائی انکار میں مصروف ہے اور اسے ان سرکشوں کی شان و شوکت ذکر حق سے باز نہ رکھ

العزیز المختار استقلت ینادی ووراثه الفراعنة

سکی جنہوں نے اپنے خداوند عزیز مختار کا انکار کر دیا ہے وہ نداء بلند کرنے میں مشغول ہے

الذین حقت علیهم کلمة العذاب ولهم سوء الدار

اور وہ فرعون لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں جن پر کلمۂ عذاب ثابت ہو چکا ہے اور ان کا برا

خذ کتاب الفضل ودع الذین هم کفروا ان هم الا

مقام ہے۔ تو فضل و کرم کی کتاب کو تھام لے اور منکروں کو چھوڑ دے

ان هم الا فی ضلل وادع الناس الی الله ولا تخف من

وہ تو سراسر ضلالت میں ہے۔ تو لوگوں کو خدا کی طرف بلا اور ان لوگوں سے نہ ڈر جو ہر

الذین اتبعوا کل مشرك مرتاب البها علیك وعلی من امن

ایک مشرک اور شک میں پڑے ہوئے کی پیروی کرتے ہیں تجھ پر اور یوم معاد کے ماننے

بیوم المعاد۔

والوں پر خدا کا نور ہو ۔ (کتاب مبین صـ۲۸۱)

کلام اللہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرؤف الرحیم

خدا کے نام سے جو رؤف و رحیم ہے

ص والنبأ العظیم قد اتی الرحمٰن بسلطان مبین ووضع المیزان وحشر من

ص نبأ عظیم کی قسم! رحمٰن کھلی ہوئی سلطنت کے ساتھ آگیا ہے میزان قائم کر دی گئی ہے اور روئے

علی الارض اجمعین قد نفخ فی الصور اذ اسکرت الابصار واضطرب من فی

زمین کے سب لوگوں کا حشر کیا گیا۔ صور پھونک دیا گیا۔ تب عقلیں مدہوش ہو گئیں۔ اور تمام

السمٰوٰت والارضین الا من اخذتہ نفحات الاٰیات وانقطع عن

آسمانوں اور زمینوں والے گھبرا اٹھے صرف وہ لوگ نہیں گھبرائے جنہیں آیاتِ الٰہی کی خوشگوار ہوا نے

عن العٰلمین ھٰذا یوم فیہ تحدث الارض بما فیھا والمجرمون

تھام لیا اور وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہو گئے یہ وہ دن ہے جس میں زمین اپنی چیزیں ظاہر کر رہی

اثقالھا لوکنتم من العارفین وانشق قمر الوھم واتت

ہے اور مجرم زمین کا بوجھ ہیں۔ کاش تم عارفوں میں داخل ہو جاؤ وہم کا چاند پھٹ گیا اور آسمان

السماء بدخان مبین۔ نری الناس صرعی من خشیۃ ربک المقتدر

کھلا ہوا دھواں لے آیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ تیرے پروردگار صاحب قدرت و اقتدار کے

القدیر نادی المناد وانقعرت اعجاز النفوس ذلک قھر شدید

خوف سے بچھڑے ہوئے ہیں پکارنے والا پکار چکا اور بہت لوگوں کی جڑیں اکھڑ گئیں یہ سخت قہر ہے

ان اصحٰب الشمال فی زفرۃ وشھیق واصحاب الیمین فی مکان کریم یشربون

بائیں طرف والے چھوٹی بڑی آواز سے ہائے وائے کر رہے ہیں دائیں طرف والے عزت کے

خمر الحیوان من ایادی الرحمٰن الا انھم من الفائزین

مقام پر ہیں وہ خداوند رحمٰن کے ہاتھوں شراب حیات پی رہے ہیں۔ دیکھو! وہی فائز و بامراد ہیں

قد رجت الارض و مرت الجبال و نری الملٰئکۃ مردفین اخذ

زمین تھر تھرا گئی اور پہاڑ اپنی جگہ سے چلنے لگے اور ہم فرشتوں کے پے در پے آتے ہوئے

السکرا کثر العباد نری فی وجوھھم اٰثار القھر کذٰلک حشرنا

دیکھتے ہیں۔ اکثر بندوں کو مدہوشی نے دبا لیا ہے ہم ان کے چہروں پہ قہر کے آثار دیکھتے ہیں اس طرح

المجرمین یھرعون الی الطاغوت قل لا عاصم الیوم من امر اللّٰہ ھٰذا یوم

ہم نے مجرموں کا حشر کیا۔ ہے وہ جلد جلد طاغوت کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ ان سے کہدو کہ آج

عظیم نریھم الذین اضلاھم ینظرون الیھا

حکم الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں۔ یہ بڑا بھاری دن ہے۔ ہم ان دو (خاص مخالفوں) کو لوگوں کے سامنے

ولا یشعرون قد سکرت ابصارھم وھم قوم

لا رہے ہیں جنہوں نے لوگوں کو بہکایا ہے لوگ ان دونوں کو دیکھتے ہیں۔ اور شعور نہیں رکھتے۔

عمون حجتھم مفتریات انفسھم وانھا داحضۃ عند اللّٰہ المھیمن

ان کی نظریں مدہوش ہو گئی ہیں اور وہ اندھے لوگ ہیں۔ ان کی دلیلیں من گھڑت باتیں ہیں اور وہ باتیں

القیوم قد نزغ الشیطٰن فی صدورھم وھم الیوم فی عذاب غیر مردود۔

خدائے مہیمن و قیوم کے نزدیک گری ہوئی ہیں۔ شیطان نے ان کے سینوں میں پھونک بھر دی ہے۔ اور

آج وہ لوگ ختم نہ ہونے والے عذاب میں گرفتار ہیں۔ نافرمانوں کی تعیین کرکے
لیسرعون الی الاشرار بکتاب الفجار کذالک یعملون قل طویت
کتابیں لے کر شریروں کے پاس تیزی سے جا رہے ہیں وہ اس طرح اپنی قوت کو صرف کر رہے ہیں کہہ دو
السماء والارض فی قبضتہ والمجرمون اخذ وبنا صیتھم
کہ آسمان لپیٹ لیا گیا ہے اور زمین خدا کی مٹھی میں ہے اور مجرموں کی چوٹیاں پکڑی گئی ہیں اور انہیں
ولا یفقھون یشربون الصدید ولا یعرفون قل اتت الصیحۃ
سمجھ ہی نہیں وہ پیپ پی رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہہ دے آواز بلند ہوگئی اور لوگ قبروں سے نکل پڑے
وخرج الناس من الاجداث وھم قیام ینظرون ومنھم
اور وہ کھڑے ہوئے غور سے جمال حق دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے بعض جلد
مسرع الی شطر الرحمٰن ومنھم مکب علی وجھہ فی النار
جلد رحمٰن کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اور ان میں سے بعض آگ میں اوندھے
ومنھم متحیرون قد نزلت الآیات وھم عنھا معرضون
منہ پڑے ہوئے ہیں اور ان میں سے بعض حیرت زدہ ہیں۔ آیتیں نازل کی گئی ہیں اور وہ لوگ
واتی البرھان وھم عنہ غافلون اذا رأوا
ان سے روگردان ہیں۔ دلیل و برہان آ پہنچی ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ جب وہ چہرہ
وجہ الرحمٰن سیئت وجوھھم وھم یلعبون یھطعون الی
رحمٰن کو دیکھتے ہیں۔ تو ان کے منہ بگڑ جاتے ہیں اور وہ کھیل کود میں پڑے رہ جاتے ہیں وہ آگ
النار ویحسبون انھا نور تعالی اللّٰہ عما یظنون قل لو تفرحون
کی طرف دوڑتے ہیں اور اسے روشنی سمجھتے ہیں خدا ان کے خیالوں سے نہایت بلند و برتر ہے کہہ دے

لو تمیزون من الغیظ فقد شقت السماء واتی اللّٰہ بسلطان
کہ تم خوشی سے پھول جاؤ یا غصہ سے پھٹ جاؤ۔ آسمان تو شق ہو گیا اور خدا کھلی ہوئی سلطنت
مبین تنطق الاشیاء کلھا الملک للّٰہ المقتدر العلیم الحکیم
کے ساتھ آ گیا ہے۔ تمام چیزیں کہہ رہی ہیں کہ ملک صاحب اقتدار علیم و حکیم خدا کا ہی
اعلم انا فی سجن عظیم و احاطتنا جنود الظلم
ہے۔ یقین کرو کہ ہم بڑے قید خانے میں ہیں اور مشرکوں کی کارروائیوں سے ظلم کے
بما اکتسبت ایدی المشرکین ولکن الغلام فی بھجۃ لا یساویھا
لشکر ہمیں گھیرے ہوئے ہیں مگر یہ غلام ایسی خوشی میں ہے کہ روئے زمین کی تمام چیزیں
ما فی الارض کلھا تاللّٰہ فی سبیل اللّٰہ لا یحزنہ ضر الذین
اس کی برابری نہیں کر سکتی ہیں۔ خدا کی قسم ظالموں کی ایذا رسانی اور منکروں کی حملہ آوری
ظلموا ولا سطوۃ المنکرین۔ قل ان البلایا افق لھذا الامر و
راہِ خدا میں اس غلام کو آزردہ نہیں بنا سکتی ہیں کہہ دے کہ بلائیں اس امر کے لئے افق
منہ اشرقت شمس الفضل بضیاء لا یمنعہ سبحات
ہیں اور اسی افق سے فضل کا آفتاب ایسی آب و تاب سے نکلا ہے جسے اوہام کے
الاوھام ولا بظنون المعتدین اتبع مولیٰک ثم ذکر العباد
پردے اور زیادتی کرنے والوں کے شکوک روک نہیں سکتے۔ تو اپنے مولا کی پیروی کر اور بندوں
کما انہ یذکرک تحت السیف وما منعہ نعاق الغافلین
کو نصیحت کر جیسا کہ وہ تجھے تلوار کے نیچے یاد کر رہا ہے اور غافلوں کی چیخ پکار اسے
قد ارسلنا الیک لوحاً من قبل و رکل واحد من کل بلد

اُسے روک نہیں سکی۔ ہم نے اس سے پہلے بھی ایک لوح تجھے ارسال کی تھی اور بہت سے
نزّلت ایات ربّك العزیز العلیم نسئل اللّٰہ ان
شہروں میں بہت سے اشخاص کے لئے تیرے پروردگار عزیز علیم کی آیات نازل کی گئی ہے ہم خدا
نقرّ عینك به وبها انّه علی کلّ شئ قدیر انشر نفحات
سے چاہتے ہیں کہ اس لوح سے اور اُن سب الواح سے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یقیناً
ربّك فی الاطراف ولا توقف فی امره اقل من ان
خدا ہر چیز پر قادر ہے اپنے پروردگار کے نفحات تمام اطراف میں پھیلا دے اور اس کے
سوف یأتی نصرة ربّك الغفور الکریم ذکر الناس
امر میں ذرا بھی توقف نہ کر۔ عنقریب تیرے پروردگار غفور کریم کی مدد تجھے پہنچیگی۔ اپنے پروردگار
من قبل ربّك ثمّ اجمعهم علی شاطی البحر ولا تکن
کی جانب سے لوگوں کو نصیحت کر۔ پھر انہیں اس سمندر کے کنارے اکٹھا کر اور رکنے والوں میں سے
من الصّٰبرین البهآء علیك من لدی اللّٰه ربّ العٰلمین وعلی
نہ بن خدائے ربّ العٰلمین کی طرف سے تجھ پر اور تیرے ہر ایک چھوٹے بڑے
اهلك من کلّ صغیر وکبیر ٥
سائقی پر نور و بہاء ہو۔

قیامت کی مناجاتیں

سبحانك اللّٰھم یا الٰھی اسئلك باستوائك علی عرش الظّہور و
تو پاک ہے اے میرے خدا! اے میرے معبود! تیرے عرشِ ظہور پر جلوہ گری کا واسطہ دے کر
باسمك الّذی بہ نفخ فی الصّور و قام من فی القبور ان تقدّر لی ما
اور تیرے اس نام کے وسیلے جس کے ذریعے صور پھونک دیا گیا اور قبروں میں پڑے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے
ینفعنی فی کلّ عالم من عوالمك انك انت المقتدر المشفق
تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے وہ چیز مقدر فرما دے جو مجھے تیرے ہر عالم میں فائدہ پہنچا دے
الفیاض۔
یقیناً تو صاحب اقتدار مہربان فیاض ہے۔

الاعظم الابہی

سبحانك اللّٰھمّ یا الٰھی اسئلك باسمك الّذی بہ
تو پاک ہے اے میرے خدا! میرے معبود! میں تیرے اس نام کے ذریعہ جس سے ساعت

ظهرت الساعۃ وقامت القیامۃ وفزع من فی السموٰت والارض بان تنزل
ظاہر ہوئی اور قیامت قائم ہوگئی اور آسمان زمین والے گھبرا اٹھے تجھ سے یہ
من سماء رحمتك ما تفرح بہ قلوب عبادك الذین ابتلوا الیك
درخواست کرتا ہوں کہ اپنے آسمانِ رحمت سے وہ چیز نازل فرما جس سے تیرے ان بندوں کے دل خوش ہو جائیں جو
ونصروا امرك - اے رب احفظ عبادك
تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں اور تیرا امر کے مددگار بنے ہیں اے پروردگار اپنے بندوں اور اپنی کنیزوں
وامائك عن اذی الظنون والاوہام ثم اشربھم سلسبیل
کو ظنون واوہام کے حملہ سے بچائے رکھ پھر انہیں اپنی معرفت کی سلسبیل
عرفانك بایادی فضلك انك انت المقتدر
اپنے فضل کے ہاتھوں پلا بیشک تو مقتدر
المتعالی الغفور الکریم ○
بہت بخشنے والا اکرم فرما ہے -